فردوسِ گمشدہ

منظوم ترجمہ

شوکت واسطی



فردوس گم گشتہ

(نظر ثانی شدہ مع فرہنگ)

PARADISE LOST

☆

JOHN MILTON

منظوم ترجمہ

شوکت واسطی

بار دو

ناشر

بزم علم و فن پاکستان

○

پتہ

واسطی پرائیویٹ لمیٹڈ

پوسٹ بکس ۱۹۳۵، اسلام آباد

فون ------ ۲۱۵۲۰۰

☆

مطبع -- الپائن بزنس کمپنی، اسلام آباد

☆

کمپوزنگ -- عکاس، اسلام آباد

☆

کمپوزیٹر -- ندیم احمد خان

☆

ترتیب و تدوین -- ازور شاہین

معاونت -- شہناز امید

سرورق -- حمید ساغر

○

قیمت -- دو سو پچاس روپے

انتساب

☆

والد مرحوم

سید نعمت علی شاہ

کے نام

○

دیباچہ

بہشتِ ضبط شدہ وا گذار کر ہم پر
کہ تیرے ساتھ خدا یا مصالحت ہو جائے

مترجم

دیباچہ
(طبع ثانی)

ملٹن کی شہرہ آفاق طویل نظم "پیراڈائز لاسٹ" کا مکمل اردو منظوم ترجمہ "فردوس گم گشتہ" کے نام سے ساتویں دہائی کے آخر میں شائع کیا گیا۔ اس کے پہلے دفتر پر چند سال قبل ارتجالاً" قبائے اردو چست کی تھی۔ غضب ہوا نقاد سلیم الرحمن نے مبارزتی لہجے میں کہہ سنایا بارہ کے بارہ دفتر اپنی زبان میں ڈھالو تو مانیں۔ سو تن من اور پھر دھن لگا کر سالہا سال کی محنت کے بعد یہ مہم سر ہوئی۔ فردوسی کی "بسا رنج بردم" کی کیفیت کا کماحقہٗ اندازہ ہوا۔

پھر جیسا کیسا بھی تھا انگریزی رزمیہ کا یہ اردو متن دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ زبان و بیان پر لے دے ہوئی۔ بجا طور پر کچھ غلطیوں خامیوں کی نشاندہی بھی کی گئی۔

بعدازاں مرے ذوق شوق کا ہدایت کار ایوب محسن بولا: "شوکت قابل معافی ہو، کام ادق تھا، مگر پیرایہ ایسا قابل قبول نہیں۔ بندش میں جو شکست و ریخت مصرع وار تم نے برتی ہے، مجھے روا نہیں۔ بحر کو توڑ مروڑ کر مفہوم واضح کرنے کا اقدام غیر مستحسن۔ سلاست نہ سہی نفاست تو ہو"

یہ فہمائش جی کو لگی۔ منتظر رہا کہ بار دوم کی نوبت آئے تو میں یہ جھول نکال دوں۔ اب جو اس کاوش کے بعد اصلاح شدہ مسودہ منظر عام پر لا رہا ہوں تو بالکل ایسا ہے کہ نو بہ نو کہئے۔ ساری ہیئت منقلب ہو گئی ہے۔

وقت و مشقت تو بڑی درپیش آئی۔ اپنی اصلاح در اصلاح کا مرحلہ سہل نہیں ---- بارے یہ نسخہ اس وثوق کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے کہ:

نقش ثانی کشد مصور بہ!

اسلام آباد (مارچ ۱۹۹۴ء)

شوکت واسطی

دفتر اول

تلخیص

مجملاً"۔ دفتر اول میں تمام موضوع کی صراحت ہے۔
آدم کی نافرمانی' نتیجتہ" فردوس سے بے دخلی' ہبوط کے اصل محرک سے بحث' افعی یا اس روپ میں شیطان--- ابلیس--- کی چال---اِبٰی وَاسْتَکْبَرُ وَاَوکَانَ مِنَ الْکَافِرِین۔
یزداں سے بغاوت' راندۂ درگاہ فرشتوں کو ابلیس اپنے پرچم تلے جمع کرتا ہے۔

دوزخ کا احوال جہاں ابلیس اور اس کے ساتھی زندانی ہیں۔ یہ جگہ مرکزی نہیں کیوں کہ عرش و فرش ابھی قائم نہیں' بلکہ ایک گھور گھمبیر تاگھر ہے' جسے اختلال CHAOS سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابلیس ایک جلتی جھلستی جھیل میں یہاں حیران پریشان پڑا ہے۔ چندے بعد یہ لاؤ لشکر اس سراسیمگی کے عالم سے سنبھالا لیتا ہے۔ ابلیس اپنے اس رفیق کو جھنجھوڑتا ہے جو پاس لیٹا ہے اور آن بان میں اس سے کچھ ہی کم ہے--- اس کا نام بالذبب ہے۔ دونوں واژگوں بختی اور زبوں حالی کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ابلیس یکایک اس تمام شطونگڑے دَل کو للکارتا ہے جو اب تک دم بخود اور گم سم ہے۔

وہ مستعد و تیار لام بندی کو حاضر آتے ہیں۔ ان کی کثیر تعداد' صف بستہ ترتیب' جنگ آرائی اور قابل ذکر سالاروں کا تذکرہ۔ یہ وہی ارضی خداوند اور دیوتا ہیں' بعد ازاں جن کی کنعان اور مضافات میں پرستش ہوتی ہے۔

ابلیس کا ان سے خطاب۔ انہیں ڈھارس دیتا ہے کہ گم شدہ فردوس کی بازیابی کارِ گراں نہیں' یاد دلاتا ہے کہ روایتِ سماوی کے مطابق جلد ایک نئے جہاں کی تخلیق ہوگی' ایک نئی مخلوق معرض وجود میں آئے گی۔ اس کی تصدیق اور نئے حالات میں لائحۂ عمل تیار کرنے کو مجلس مشاورت طلب کی جاتی ہے۔ اس کے پیروکار اس مجلس کے اہتمام میں مصروف ہوتے ہیں اور یک بیک پاتال سے ایک دارالخبائث PANDEMONIUM رونما ہوتا ہے۔ یہ لعین وڈیرے باہم مشورت کو مل بیٹھتے ہیں۔

ہائے انساں کی پہلی سرتابی----
پھل، وہ مکروہ پیڑ کا، یعنی سم اثر ذائقہ کہ جس باعث
موت دنیائے دوں میں آن بسی۔
وائے حرماں نصیبیاں اپنی، ہاتھ سے جنتِ عدن بھی گئی!
(ایک امید سی جھلکتی ہے) ہم بہ فیضانِ مہدیؑ موعود
ہوں گے آباد کار دوبارہ نخلِ طوبیٰ کے سائبان تلے۔
زمزمہ سنج، روحِ ربانی! آج پھر ہو اس اہتمام کے ساتھ،
جیسے چوٹی پہ طور کی او جھل یا (سرِعام) صحنِ سینا میں
ہم کلام اس شباں سے تھی، جس نے
برگزیدہ دلوں پہ واضح کی یہ حقیقت چہ گونہ پہلے پہل
ایک مجہول و بدہیولیٰ سے ارض و افلاک کی ہوئی تعمیر!
وہ پہاڑی زیون خوش منظر (نواح یروشلم)
اور ہیکل کے پاس بہتی ہوئی تیز رفتار سیلواندی،

(ان کی تقدیس کے حسیں ناتے)
اس مری نظمِ فکر آرا کو بخش دے جامہ ءفنِ زیبا!
ہے مرے فکر کا پرِ پرواز بسکہ طیار بھر کے طرارہ
کوہ آیون سے اڑے اوپر---(بالِ عنقا جہاں ہو خاکستر) (یونان میں ہے)
اس مری مثنوی کا ہے موضوع وہ اچھوتا کہ آج تک کوئی
ہار میں نظم و نثر کے انمول ایسے موتی نہیں پرو پایا۔
سجدہ خانوں سے بڑھ کے روحِ ازل!
تیرے نزدیک تو نکو کار اور صاف پاکیزہ دل مقرّب ہیں۔
تو خبیر و علیم ہے، قائم آفرینش سے ہے وجود ترا،
اور کل کائنات پر گویا تیرے شہپر سحاب افگن ہیں،
مثلِ سیمرغ---جوِ ژرف و بسیط
اس کے تخلیق کار جوہر سے (روز) لبریز اور مملو ہو۔
تیری قدرت سے ہو مجھے الہام تاکہ میں اس عظیم آئنہ میں
حیّ و قیوم کی حقیقت کو منکشف اور مستند کر دوں،
اور یہ امر فیصلہ ہو جائے
اپنے بندوں سے قادرِ مطلق ناروا کو روا نہیں رکھتا۔
تو بتا (اے ازل کی روحِ رواں) ہیں مکاں لامکاں عیاں تجھ پر
خلد بھی آئنہ ہے تیرے لئے،
یہ جہنم کا بھی عمیق تریں سارا پاتال تیرے سامنے ہے!
کون سی دلفریب خواہش تھی جو سزاوارِ احترام اجداد
لڑکھڑائے تو پھر سنبھل نہ سکے؟

المیہ دلخراش تھا' ہیہات --- وہ المناک داستانِ ہبوط !!
ہائے رنگیں بہشت کا ماحول' --- "ماتکذّب" طہور نور ظہور'
اذنِ ربّ العلیٰ سے روگرداں ہم بنے وارثانِ محرومی !
وائے وہ ضبطِ نفس کا فقدان'
ورنہ ہم لوگ کتنی دنیاؤں اور جہانوں کے حکمراں ہوتے !
کون تھا وہ کہ جس نے بہکا کر
اس طرح کر دیا انہیں بے باک' بدنما سرکشی پر آمادہ ؟
تھا وہ ملعون سانپ (بہروپی)' یہ وہی تھا --- وہی کہ جس کا مکر
انتقام و حسد سے آلودہ
امّ انسان (بی بی حوا) کو دے گیا جُل (کہ سادہ عورت تھی)۔
کیسی ساعت تھی جب تکبر نے اس کو خلدِ بریں میں خوار کیا'
وہ بھی' اس کے شریر چیلے بھی ٹھہرے مردود و راندۂ درگاہ'
چیلے چانٹے' گھمنڈ میں جن کی
(تھا شرف اس کو ان وڈیروں کی بے شریکانہ سربراہی کا)
اس کے سر میں سما گئی دو ٹوک ہمسری ذاتِ کبریائی کی۔
عرش کی بادشاہت و کرسی بن گئی اس کی منتہائے ہوس'
اور اس کے حصول کی خاطر
بے تکان ایک جنگ بے ہودہ --- غرّہ انگیختہ ستیز --- مگر
(اے بسا آرزو کہ خاک شدہ)' دی وہ قہار نے اسے پٹخنی
سوختہ جان و قلب سر کے بل آسمانوں سے نیچے دے مارا۔
وہ بنی گت کہ مستقر ٹھہرا ایک مذلول قعرِ بے پایاں --- (مذلت کا)

آہنی جال آتشی سیّال، یہ عذاب اس لئے، مجال ہوئی
مالکِ دو سرا کو للکاریں۔
خاک زادے کے واسطے نوبار کوئی پیمانۂ زماں لے کر
رات اور دن کا طول ناپتا ہے،
اس قدر دیر تک بھیانک غول--- سرنگوں، سرگران، سرگرداں
اک بساطِ بسیطِ سوزاں پر گرم رفتار سے روانہ رہا،
سب بقیدِ حیاتِ لافانی
گرچہ کرتوت کا تقاضا تھا اور بھی سخت قہر نازل ہو۔
کچھ سرورِ ربودہ کا احساس، اس پہ دردِ دوام کا دگدا
(سرغنہ) کو عجیب وحشت تھی۔
اس نے حسرت زدہ نظر ڈالی چار سو عالمِ تذبذب میں۔
تھی نظر میں نپٹ مگر نخوت اور نفرت کی مستقل بوچھاڑ
نظر آسیب گوں، بلا کی تیز جس نے فوراً" ملاحظہ کرلی
شور ویران صورتِ حالات--- شش جہت عالمِ لق و دق تھا!
ایک گھپ کال کوٹھڑی بھڑکی بھٹیوں کے الاؤ میں محصور،
شعلہ افشاں، مگر عجب شعلے
روشنی تو دھواں دھواں لیکن تیرگی سی بجھائی دیتی تھی،
اور اس طرح دھیان پڑتا تھا--
چند اندوہ گیں نظارے تھے، چند رنج آفرین خطے تھے، چند منحوس گھور پرچھائیں--
ایک ایسی فضا تھی مستولی جس میں سکھ چین بس نہیں سکتے۔
شمعِ امید---جو ہر اک دل کو بقعۂ نور کر کے جاتی ہے،

اس جگہ جگمگا نہیں سکتی!
سخت سوہانِ جاں اذیت تھی، دمبدم دمبدم اثر افزوں
تند سیلِ روان لاوے کا جل کے نقطہ نمط جسے گندھک
دائمانہ دہکتا رکھتی تھی کیونکہ خود راکھ ہو نہ سکتی تھی۔
تھا یہ فتویٰ ازل کے قاضی کا یہ (جہنم) ٹھکانہ بن جائے
پرلے درجے کے ڈھیٹ، نافرماں باغیوں اور فتنہ سازوں کا۔
ظلمتستاں --- مہیب بُنسِ مصیر، ان کی یہ مستقل رہائش گاہ (برا ٹھکانہ)
دور مشکواۃِ عرشِ یزداں سے، اس قدر فاصلے پہ واقع تھی (طاق)
مرکزِ ارض سے مساحت میں جو نکلتی تھی ٹھیک تین گنا
لیں اگر منتہائے قطبی تک۔
اور اس کے مقابلے میں ہائے وہ مقامِ (نعیم لطف و نشاط)
جس سے نکلے جلاوطن ہو کر اس کی رسوائیوں کے سب ساجھی!
سرغنہ کی نظر پڑی ان پر (اف بڑا خوفناک منظر تھا)---------
آگ کی تیز مشتعل لپٹیں، تند جھکڑ سموم و صرصر کے
بے محابا انہیں جھلستے تھے۔
لوٹتا تھا وہیں پہ بھوبھل میں ایک ہمدم کہ تھا وہی اس کا
طنطنہ میں حریفِ بے ہمتا اور فسق و فجور میں پاسنگ۔
جو فلسطین میں رہا اوتار صورتِ بالذبب زمانوں تک۔
اس حریفِ خدائے لم یزلی (المسمّی بہ اہرمن) نے اب
بالذبب کی طرف رجوع کیا،
پھاڑ کر چادرِ سکوتِ مہیب اس چھلاوے سے یوں ہوا گویا:۔

"تو وہی دوست ہے اگر لیکن منصبِ با وقار سے معزول
تیری ہیئت کذائی موجودہ اور وہ طمطراق جب تو نے
پر فضا نور کی قلمرو میں زیب تن چاندنی سی خلعت کی'
تب تری آب و تاب کے آگے بجھ گئیں تھیں تجلیاتِ کثیر۔
تو وہی 'تھا جو ہمنوا میرا باہمی ساز باز میں پیہم
متفق داؤ پیچ' سوچ بچار'
ہم قدم درمیانِ بیم و رجا' ہر جگہ متحد' بہم ہر دم'
ہم نے (یزدان سے بغاوت کی) جب چلائی مہم دلیرانہ۔
آج تو پھر شریکِ حال ہوا اس تبہ حالی و فلاکت میں'
سوچ تو کس بلند عظمت سے ہم گرے کس گڑھے میں پستی کے'
قہر کی بے پناہ قوت سے ہم پہ وہ ذات غالب آئی ہے۔
اور حق بات یہ ہے' آج تلک
اس کے مہلک سلاح خانہ کا تھا ہمیں بھی نہ خاص اندازہ۔
تاہم اس مصلحت سے قطعِ نظر'
اور اس سے بھی بے نیاز کہ وہ فاتحِ قاہر آزمائے گا
ہم کو غیض و غضب میں بارِ دگر'
مجھ کو اصلا نہیں پشیمانی جو میں اصلاح حسبِ حال کروں۔
(گو مری آب ڈھلتی جاتی ہے اور درکار کچھ ملمّع ہے)
دھن کا پکا ہوں' زخم خوردہ ہوں خوب ناقدریٔ محاسن کا۔
تھا بہت جذبۂ جنوں سرتیز'
اس لئے قہرمان سے میں نے بے دھڑک پنجہ آزمائی کی۔

صف بہ صف خون ریز دنگل میں
ان گنت بھوت پریت شامل تھے، وہ جری، لیس کیل کانٹے سے،
اس کی فرمانروائی سے بد ظن مجھ کو جی جان سے جو چاہتے تھے۔
واں علیٰ کلِّ شے قدیر، ادھر ایک جرار فوج طاغوتی
طاس میں سلسبیل و کوثر کے ایسا مجہول رن پڑا خونیں
جس میں اس کی وہ واسعتہٗ کرسی کپکپائی لرز لرز اٹھی!
(گو مرے جان باز کھیت رہے)!
کیا ہوا ہاتھ سے اگر میدان (اے نبرد آزماؤ) جاتا رہا،
کیوں ملیں ہاتھ، کیسا پچتاوا ہم نے کچھ بھی نہیں گنوایا ہے،
ہمتِ سخت جاں سلامت ہے، آتشِ انتقام سرد نہیں،
دائماً بغض شدت آمادہ،
(کشتیٔ مادر آب افتادہ، برلب ایں نعرہ بادچوں بادا)
کامیابی کا کلّیہ آخر اس تماشے کے ماسوا کیا ہے؟
اب یہ کافر نہ منہ سے چھوٹے گا، یہ نشہ وہ ہے جو نہ ٹوٹے گا،
حشم و خشم کے مظاہروں کا اہتمام اب کیا کرے کوئی۔
ڈوب مرنے کا ہے مقام اگر اب تہِ سنگ دست فرض کریں
اور ہم کورنش بجالائیں،
تہ کریں زانوئے گدا پیشہ، اس سے شکرانۂ کرم مانگیں
آج تک جس کی پادشاہی کا بے تکاں مضحکہ اڑایا ہے۔
صورتِ حال اگرچہ مشکل ہے اور افتادِ سخت نازل ہے
پھر بھی ایسا کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پہ بدنما ہو گا۔

ہم شیاطین ہیں ہمیں لاریب ہستیٔ بے قضا مقدر ہے۔
ناری الاصل، آتمائی گُن، یہ ابد تک تلف نہیں ہوں گے،
واقعہ فاجعہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوا۔
عسکری زعم اگرچہ ٹوٹ گیا،
لیکن اس بھاؤ بھی نہیں مہنگا پیش بینی کا درکِ ذہن افروز۔
اک زبردست امید کا امکان پھر ہمیں کر رہا ہے بر انگیخت،
زور تزویر سے مسلح ہم حربِ خونیں کا غلغلہ کردیں،
اور اپنے حریفِ اکبر سے کسی عنواں مفاہمت نہ کریں۔
وہ کہ اب خمرِ فتح میں سرشار،
عرش پر دھاندلی کے بل بوتے مستقل ہم کو دھونس دیتا ہے
ہاں کہو لا الہ الا اللہ!"

اس طرح وہ ہزیمتی مرتد راندہ ابلیس اب تھا زہر چکاں،
واقعی وہ بڑے عذاب میں تھا۔۔ شیخیاں تو بگھارتا تھا مگر
یاس دیمک سی خول کو اس کے اندر اندر گھلائے جاتی تھی۔
سن کے یہ بات یوں نڈر سا تھی اس سے فی الفور ہمکلام ہوا:۔
"میرے سردار اے کئی دیگر والیانِ زعیم کے آقا!
جن کے زیرِ کماں شطونگڑے دَل سُور، سرباز، جرأتی جی دار،
محشرِ کشت و خوں بپا کر کے تیری مشاق رہنمائی میں
لم یزل شاہ کو سرِ گردوں چاہتے تھے کریں سراسیمہ،
تاکہ یہ بات صاف ہو جائے
اس کی غیور پیش دستی میں کون سا راز کار فرما ہے۔۔

تقویت' اتفاق یا تقدیر؟
ہم ہیں اب اور عالمِ ناسوت --- کہ ہمیں کر دیا ہے ملیامیٹ
اس طرح ان قشونِ قاہرہ نے
جوھرِ قدسیاں مگر برباد' شانِ کروبیاں مگر پامال!
یہ خرابی بہ اعتبارِ خواص ایک حد تک اگرچہ ممکن ہے'
بسکہ مغلوب ہو نہیں سکتے روح اور ذہن ---- یہ مسلّم ہے'
اور زائل شدہ توانائی بالیقیں جلد عود کرتی ہے۔
کیوں گذشتہ شکوہ کا شکوہ' کس لئے حزنیہ پہ یوں محزوں'
گر ہماری وہ مطمئن گھڑیاں تند گھڑیال نے نگل ڈالیں؟
وہ کہ اب ہے مظفر و منصور
(اور اس کو بہ امرِ مجبوری کیجے تسلیم قادرِ مطلق)
ورنہ ہے کون لال مائی کا جو ہمیں یوں ذلیل کر سکتا؟
اس نے روئیں تنی کے ساتھ مگر روح ہم میں بحال رکھی ہے۔
شاید اس کا یہ عزم ہے' ہم لوگ
مستقل کیفیت کریں برداشت --- خلَقَ النّار خلدوں فی ہا'
آتشِ انتقام پر اس کی چند چھینٹے ضرور پڑ جائیں
ہم اسیرانِ جنگ ہیں گویا اس کے حلقہ بگوش' خانہ زاد
اس کے احکام خواہ سخت سہی' جاو بے جا مگر بجالائیں۔
کس مپرسی کا عالمِ بیزار ہم پہ چھایا رہے کہ اپنے گھر
ہیں دہکتے ہوئے تنوروں میں یا ابلتی ہوئی خلیجوں میں۔
سوچ اپنا انار کی ناٹک کیا ہے جز ایک سعیٔ لاحاصل' (بھاوتی)

گو قویٰ مضمحل نہیں اپنے (پر عناصر میں اعتدال کہاں)؟
ہم امر ہیں مگر اٹل دگدے، گھور گھٹنائیں بھوگنے کے لئے۔"

یہ خیالات اہرمن سن کر یوں ہوا جھٹ جواب میں گویا:۔

"قدسیٔ راندہ! ہے ضعیفی جرم جس کا بس ایک شاخسانہ ہے
مرگ اور مرگ بھی مفاجاتی، جینا مر مر کے، جیتے جی مرنا!
آ--- دلیرانہ فیصلہ کرلیں
ہم ہدایت کی رہگذاروں پر بھول کر بھی نہ گامزن ہوں گے،
"من یّشا" کے خلاف گرمِ عمل، ---اس کی شانِ "اِراد کُن" چاہے
جب کہ اتریں بدی کے پیڑوں سے نیکیوں کی مٹھاس کے پھل پھول،
اپنی سرتوڑ کوششوں سے ہم خواہش اس کی یہ فسخ کرڈالیں
راستی کے صراط کو باطل وادیوں کے خلا میں گم کر کے۔
ہم اگر اس میں کامراں نکلے بے حد اس کو ملال پہنچے گا۔
میں تو کہتا ہوں عین ممکن ہے ایسی فتنہ بپائیوں کے سبب
سب دھرے کا دھرا ہی رہ جائے اس کی تخلیقِ کائنات کا کھیل۔
دیکھ لو آج حضرتِ فاتح خوب جز بز دکھائی دیتا ہے
اور پھر اس کی آگیا پر آج (حکم)
منتری کھوج اور بدلہ کے سب نرک پر کواڑ روکے ہیں۔
ہم پہ گندھک کی گولیوں کی باڑ گوکھرو سے تگرگ کی بوچھاڑ، (اولے)
اس قدر سخت چاند ماری ہے جیسے سیّال آگ کا سیلاب،
اور ڈھلوان سے ثریا کی ہم جو لڑھکے تو اس پہ بہ نکلے۔
اور یہ رعد اڑتا پھرتا ہے بجلیوں کے پروں کی لالی پر،

گڑگڑاہٹ سے دل دہلتے ہیں۔
اس نے وہ خنجکیں چلائی ہیں' رنجکیں ہر فضا کو چاٹ گئیں۔
یہ گگن تو نہیں' بھنور ہی بھنور گہرے ساگر میں مارتے ٹھاٹھیں'
ایسا موقع نہ ہاتھ سے دیجے' گھِن ہو یا گھَن گرج' ہر آلہ سے
ہم نے بیری کو مات دینی ہے۔
دور وہ وادیِ غیرذی زرعٍ دیکھ بنجر' اجاڑ' چٹیل' گھپ' گھور تا جھیل کی ڈبکنی ناؤ'
صرف احساس بھانپ سکتا ہے
گھپ نرک اگنیوں کے سرلاٹے' زرد پرچھائیوں کے فراٹے'
مرگھٹوں کے سمان واں روشن --- کچھ خبر اس جگہ کی لیں چل کر'
کیوں یہاں سیخ موج پر دائم مکروٹیں لیں کباب کی صورت؟
سکھ اگر اس جگہ پڑا پایا چین کی بنسری بجائیں گے۔
مجتمع کر کے ہم حواس قویٰ پھر یہ سوچیں گے اپنے دشمن کو
کون سی چڑ بنا کے چھیڑا جائے؟
واژگونیٔ بخت پر آخر کس طریقے سے پائیے قابو؟
غیر ممکن جو آس لیلا ہو' آس کیسے بندھے نراشا میں؟ (نیرنگ امید)
شورہ پشتی میں مرنے مارنے کا ہم اٹھائیں تو کسطرح بیڑا؟"
اپنے تربور اپنے یار کے ساتھ اہرمن بات چیت میں مشغول' (پشتو: عم زاد)
نہر پر صرف سر جھلکتا ہے' چھوٹتی ہیں نظر میں پھلجھڑیاں'
بیچ منجدھار کے سنگھاسن پر تن بدن ہاتھ پاؤں پھیلائے
بحرِ ظلمات میں جریبوں تک ڈولتا ڈوبتا روانہ ہے۔
ڈیل ڈول اس کا جثہ لندھور (داستانِ امیر حمزہ) سا

دیو پیکر ٹٹان، دھرتی دھک، مشرق سے وہ بر سرِ پیکار،
یا برایار (راونِ صد دست) یا تیافون دیو کا ہمدست (زادۂ گیتی و ستر بھونچال)
وہ نظر بند ایک بھورے میں کہنہ طرسوس کے قریب کہیں۔ (تہ خانہ)
یا وہ بحری بلالوایاتی، حشرَاۃ البحور میں مخلوق
جس سے بڑھ کر کوئی قوی ہیکل پھر خدا نے کبھی بنائی نہیں۔
ناروے کے سوادِ ساحل پر رات بھر کی بھٹکتی ڈونگی میں
نیند کچی، کچھ اونگھتا اٹھ کر سند باد اتفاق سے اس کو
اک جگہ دیکھ کر سمجھتا ہے ---- یہ کھویوں کا لوک قصہ ہے --
کوئی ٹاپو ہے اور وہ جھٹ پٹ
ڈال کر لنگر اس مگرمچھ کی گل مچی چھال میں کھبوتا ہے، (فلس ابری دار)
اور یوں لے کر اس کے پہلو کی آڑ چندے نچنت رہتا ہے،
رات اندھیری ہے، بیمِ طوفاں ہے، صبح سو دھیرے دھیرے پہنچے گی۔
جھیل جلتی تھی، چار شانے چت اہرمن یوں دراز تھا اس پر
حلق حلقے میں، ریسماں میں راس، پابہ جولان، دست در زنجیر (ر)
خارج از بحث سربلندی تھی، تھا نہ کوئی صعود کا امکان،
اس قدر التزام البتہ، بے شک اب تب بتائے وہ دھتہ
(اذنِ مختارِ کل اسے) رکھے راندہ ریشہ دوانیاں جاری،
بوالعجب کا ستم ظریف نصیب، اس کی تعمیر میں خرابی تھی۔
مرتکب ان گنت جرائم کا پے بہ پے، وہ رجیم اور لعین
خوب اغماض اور خیر اعراض، بداثر، روح سوز، شر آموز،
کینہ ور اور پاپ پرچارک -- اہرمن کو مگر اچنبھا تھا

اس کی پُرفن خباثتیں کیسے نیکیوں کے لئے محرک ہیں'
(یہ معمہ کوئی تو حل کردے)
وہ کسی کو کرے اگر گمراہ' رحمتِ حق میں جوش آتا ہے'
عفو و غفران کی شرابوں کا جشنِ بے مثل عام ہوتا ہے
مہربان و رحیم یزداں کا عاصیوں پر سلام ہوتا ہے'
صدق دل سے جو کوئی تائب ہو عرقِ انفعال کے قطرے
بڑھ کے شانِ کریم چنتی ہے جس طرح آبدار موتی ہوں۔
اہرمن اب حواس باختہ ہے'
اس کو اپنے غضب سے ماختہ ہے' عقربِ انتقام آختہ ہے' (ارمان)
جانِ مجنوں پہ الغرض اب کے پڑ گیا ہے عذاب سہ گونہ +
وہ اٹھا اب کچھار سے بوالہول بھر کے یکدم قلانچ ضیغم سا'
تند شعلوں' بلند لاٹوں کو جب وہ ہر ہاتھ سے دھکیلتا تھا
بچھ کے ٹھاٹھوں میں نوکدار کلس ڈالتے تھے ڈراؤنے رخنے۔
چوڑے شہپر بکھیر کر آخر خوب اونچی اڑان کرتا ہے'
ملگجی ملگجی فضا اس کے بوجھ نیچے دبی دبی جائے'
وہ اترتا ہے شور خشکی پر۔
ان چٹختی ہوئی چٹانوں کو ہم اگر خطۂ زمیں مانیں
جس طرح پگھلی پگھلی آگ کی جھیل!
اٹھے تحت الثریٰ سے جھکڑ تیز اور پلورس سے نوچ کر تودے (سسلی میں ایک راس)
ہر طرف کھیل کھیل بکھرا دے۔
یا کڑکتے بھڑکتے ایٹنا کی بھوم شمشان پاش پاش بغل' (سسلی کا آتش فشاں پہاڑ)

جس کے آتش پذیر رحم میں ڈال اپنی شوریدہ دھات کا ایندھن
آگ دیو اندر اکرے گا بھن، شعلہ آگین حمل ٹھہرادے!
لے کر اس سے جنم سموم چلے اور پاتال تہ جھلس ڈالے،
وہ دھواں دار، دھوانسے، بھپکے، بھاپ پیچھے بکھیرتی جائے۔
اس نجس پاؤں کے لئے چوکی ایسا اک لکّہ زمین بنا۔
تھا لگا ساتھ ساتھ دم چھلا، دونوں پھولے نہیں سماتے تھے (یعنی بالذب)
کہ جہنم کا وہ بحیرۂ شور (تند، تاریک، تنگ اسٹائکس) (ف)
پار کر کے نکل ہی آئے اب،
تھے جو مافوقیہ طبیعاتی اس لئے بل پر اپنے ابھرے تھے،
ورنہ قہار طاقتِ علوی انہیں اس امر کی مجاز نہ تھی +
"کیا کرہ یہ، یہ سرزمیں، یہ فضا"
بولا ابلیس "یہ ہے وہ خطہ جو ملے گا بہشت کے بدلے؟
یعنی اک تیرہ خاکداں اپنے اس سمائے منوریں کی جگہ،
خیر یونہی سہی، چلو، سکّہ بحر و بر میں خدا کا چلتا ہے،
صورتِ حال یہ غنیمت ہے دور ہم انتہائی ہوں اس سے
ہیچ دانائی میں نہیں جس سے،
جس کی شکتی نے کر دیا اس کو سب مگر ہمسروں میں بالاتر۔
الوداع اے وطن مدام جہاں شادمانی کے پھول کھلتے ہیں،
ہائے اوہول وائے اے ماحول، غول پرور، کریہہ، بدمنظر،
دیکھ ہاں دیکھ عالمِ اسفل آن پہنچے ترے نئے باشی،
لے کر آئے جو ذہن یہ ہستی ہے زمان و مکان کی چیرہ دستی و دستبرد سے محفوظ۔

ذہن کا اک احاطہ اپنا ہے جس میں کایا پلٹ کے منتر سے
(دم زدن میں) بہشت ہو دوزخ اور دوزخ بہشت ہو جائے۔
ہم وہی ہیں تو پھر کہیں بھی ہوں، خاص کیا فرق اس میں پڑتا ہے،
اور یہ فخر بھی نہیں بے جا میں فقط اک اسی سے کمتر ہوں،
(ذاتِ قہار) مجھ سے افضل ہے جوہرِ قہرمانیت کے سبب،
اس جگہ یہ تو ہے کہ ہم ہوں گے آپ مرضی کے مالک و مختار!
لاکھ غیور و ہ قدیر سہی کچھ رعایت سے کام تو لے گا
یاں سے بن باس اب نہیں دے گا۔
ہم بڑی دھوم سے بجائیں گے چار کھونٹ اپنے نام کا ڈنکہ،
اس نظریہ پہ میں تو پہنچا ہوں
راج نیتی امنگ لیلا ہے خواہ یہ ہو نرک ہی کے اندر، (حکومت)
حکم دوزخ میں گر چلے میرا، دست بستہ نہ جاؤں جنت میں۔
اے وفادار دوستو پھر کیوں ---- ساتھیو ساتھ کے زیاں کارو ----
خود فراموشیوں کے دلدل میں توڑ کر ہاتھ پاؤں بیٹھ رہیں،
کیوں نہ اصنام طیف بس جائیں سب اسی بے سکون حجرے میں
متحد مستعد کمر باندھیں اور باغِ ارم پہ چڑھ دوڑیں
جو بھی سانجھے کا مال ہاتھ لگے،
ہے جو دوزخ میں اپنے پاس اگر ہم نے بالفرض ہار بھی ڈالا
تو بھی ہم لوگ کیا گنوائیں گے؟"
ختم کی اہرمن نے بات تو یوں بالذب اس سے ہمکلام ہوا:۔
"اے امیر اس سپاہِ ناری کے

جو خراب و شکستہ و بد حال گر ہوئی بھی تو دستِ قدرت سے'
گونج کر پھر ندائے قم تیری زندگی بخش' حوصلہ افراز'
وہ کہ گھمسان کے اڑے رن میں بزدلوں کو دلیر کرتی ہے (جیسے جے کار' نعرۂ تکبیر)
جوشِ جرأت بحال فرمادے اور شوقِ مبارزت طلبی۔
یاس' تاس اور نراس کے باوصف حسِ خوف و خطر کو شل کردے' (مربھکی چاہ)
تیرے ہارے تھکے تلنگے جو اینڈتے ہیں غدیرِ آتش میں
جیسے سچ مچ تمام کھیت رہے --- ان کو بیدار و مستعد کردے۔
کیوں' اچنبھا نہ ہو' یہی کل تک
ہکا بکا ہوئے تھے ہم' سارا سن بدن' انگ انگ سکتہ میں
جیسے اچھلے بلند ہونے کو اور کوئی کھجور میں اٹکے۔"
جونہی بات اس نے ختم کی ابلیس (کلبلاتا) سوئے کنار چلا'
ہاتھ میں اک گراں سپر اس کے اور پہلو میں اک سبک شمشیر
دھات دونوں کی سخت' صاف' دبیز'
قطر کاندھوں سے دور ابھرا ہوا' پاس گولائی چاند کی جیسے
ٹسکنی آرٹسٹ (گلیلیو) کی دوربیں کے بصیر عدسہ میں
قرص کی طرح سے جھلکتی ہے'
یا تو فیسول کی رصد گہ میں یا معمل میں والدرنو کی'
اور وہ داغ داغ جرمِ فلک اس لئے زیرِ غور لاتا ہے
تاکہ دریافت کر سکے اس میں نئے دریا' پہاڑ' بن' میداں۔
اور اس (عوج بن عنق) کے پاس ایک اتنا دراز نیزہ تھا'
ناروے کے گھنیرے جنگل کا سب سے لمبا اکھاڑیں چیڑ کا پیڑ

جس سے بن جائے سالم اک مستول، گر وہ درکار امیرِ بحر کو ہو،
وہ بھی اس کے مقابلے میں بس ہاتھ بھر کی چھڑی نظر آئے۔
چل رہا تھا لگائے ٹیک اس پر ہوں مبادا پھسلواں انگارے
وہ رپٹ کر دھڑام سے گر جائے،
(یہ قدم ہیں وہی کہ پڑتے تھے چرخِ نیلوفری پہ مستحکم)۔
تیز بادِ سموم کی لپٹیں کر کے تعمیر آگ کی محراب
بھونتی تھی جلن کے چولہوں پر اس کا ایک ایک دنبل و ناسور۔
تاہم اس کیفیت سے واماندہ، شعلہ زا بحر کے دہانے تک
جا ہی پہنچا وہ افتاں و خیزاں،
اس طرح تھا پڑا ہوا مبہوت بے ہیولیٰ سالاوَ لشکر واں
جیسے قتلِ خزاں سے پتوں کا بکھرا بکھرا اٹا اٹا منظر ندیوں پر ولمبروسہ کی،
جیسے اطروریہ میں محرابی برگ پوشوں کی دھوپ چھاؤں گھنی،
یا وہ بکھرے ہوئے رواں نرسل
جنہیں جوزا کی زائیدہ آندھی یوں بکھیرے کنارِ قلزم پر
جیسے لہروں میں ممفسی ساونت، شہ بصیرص کے حاشیہ بردار
ہوئے غرقابِ نیل عبرت زا،
جب تعصب کی باندھ کر پٹی بے تکاں آئے تھے تعاقب میں
مصر کے عارضی مقیموں کے --- (وہی گوشہ نشین گوشینی)
جو کھڑے دوسرے کنارے پر کر رہے تھے مہیب نظارہ
ڈوبتی بہتی لوتھ لاشوں کا، کھڑکھڑاتی رتھوں کے پہیوں کا۔
اس طرح خلط ملط، گم سم، ہیچ اپنے کایا کلپ پر اب ششدر

وہ بچھے تھے تمام طوفاں پر۔
وہ دہاڑا تو گونج اٹھیں جیسے کھوکھلی کھائیاں جہنم کی:۔
"والیو، دہ ہزاریو، ویرو، اس منوہر سوُرگ کے پھولو
جو ہبہ تھی ابھی تلک ہم کو
جس سے بے دخل و دربدر رہو کر سخت حیران ہیں امر روحیں،
یوں تحیر زدہ کہ یہ ماحول اس لئے ہم نے انتخاب کیا
زخم چاٹا کریں یہاں اپنے یاد کر کے وہ مضطرب جوہر جو ہماری طفیل ماند ہوئے۔
یا مرے ساتھیو یہ وادی بھی
دلکش اتنی ہی، دلکشا ایسی جنتوں کا سرور ملتا ہے،
یا پھر اس بے سبھاؤ آسن سے چکرورتی کو تم کرو ڈنڈوت (تسلیم)
وہ کہ پھولا نہیں سماتا ہے کس طرح سیل میں لڑھکتے ہیں ہم فرشتے، ملائکہ، ارواح،
اپنے ہتھیاروں اور پھریروں کا رن میں بکھرا پڑا ہے شیرازہ۔
حادثہ یہ ابھی تو گذرا ہے،
اس کے طرّار پالڑاکوں نے دور جنت سے جھانک کر دیکھا
ہم یہاں نیچے ان کی زد میں تھے،
ٹوٹ کر وہ جھپٹ پڑے ہم پر، وہ جھپٹ کر جو ہم پہ ٹوٹ پڑے
برق کے تیز دھار بھالوں سے ہم کو دوزخ کی تہ میں گاڑ دیا۔
عالمِ پیش و پس یہ چھوڑو بھی، خوابِ غفلت کو اب جھنجھوڑو بھی
بیڑیاں جو پڑی ہیں توڑو بھی اور پیروں پہ اب کھڑے ہو جاؤ
ورنہ یہ جان لو یہ رسوائی یوں ہی تا حشر حرزِ جاں ہو گی۔"
سحرِ تقریر سے ندامت کا تند احساس جاگ اٹھا ان میں

وہ پر اس طرح پھڑپھڑا کے اٹھے، جس طرح کوئی شب کا پہرہ دار
اونگھتا ہو تو ہڑبڑا کے اٹھے سن کر آقا کے پاؤں کا کھڑکا۔
واژگوں بخت کے ستائے ہوئے، دردجاں کے عوض چھپائے ہوئے
میر سالار کے اشارے پر بے تامل وہ سر جھکائے ہوئے
صف بہ صف یوں کھڑے تھے لاتعداد
ہو بہو یہ وہی نظارہ تھا۔۔ مصر کا ملک، دورِ گمراہی،
ابنِ عمراں، عصائے نادر کی ساحلِ نیل پر سبک جنبش
تیز پروا کے سخت جھونکوں میں اڈ آئیں گھنیر ٹڈی دل
اور کالی سیاہ رات تنے ملک میں پورب اور پچھم تک،
ملک فرعونِ کفر ساماں کا۔
وہ نرک، ان گنت اسُور اس میں شہپروں پر طواف کرتے تھے،
آگ دائیں تھی، آگ بائیں تھی، آگ بالا تھی، آگ پائیں تھی۔
آگ ہی آگ، آگ، گھپ، گھنگور۔
پھر اشارہ بلند نیزے کا جب کیا اس عظیم سلطاں نے
نیچی نیچی اڑان سے اترے نیچے نیچے وہ خار زاروں میں،
سارا میدان پٹ گیا ان سے دفعتہ "مثلِ عرصۂ محشر۔۔
ٹھٹ کے ٹھٹ وہ کہ پُر ہجوم شمال اپنی برفاب پشت سے ایسی
جوق در جوق بھیڑ اگل نہ سکے رائن و ڈنیوب پر بسانے کو!
واقعی تھے نہ بے شمار اتنے اتّری بربری سپوت کپوت (مثلِ یاجوج صورتِ ماجوج)
جو اڈ کر سوئے جنوب بڑھے
اور جبرالٹر کے ساحل سے تا بصحرائے لیبیا پھیلے۔

جھٹ پٹ اک اک خبیث ٹولے کا' ایک اک سنگھ ایک اک دَل کا'
چودھری' سرغنہ' نواب ہوا باادب باملاحظہ حاضر
خدمتِ سربراہِ اعظم میں'
روپ میں دیوتا سروپ بھٹے' آدمی شکل میں فرشتے سب'
شاہزادے' مقرّبیں کل تک جو سرِ عرش مسند آرا تھے۔
آج حرفِ غلط سے نام ان کے لوحِ محفوظ سے تمام مٹے
آسمانی کسی صحیفے میں خیر سے ذکرِ خیر ہی نہ رہا'
حیف طغیان' سرکشی' عدوان!
یہ بہشتِ بریں کے بن باسی نسلِ حوا میں اجنبی تاحال
ہر نئے اسم و جسم سے محروم۔
پھر بھی حارج رضا قضا نہ ہوئے حشر تک مل گئی کھلی چھٹی
کہ وہ یزداں سے خوب کھل کھیلیں'
منحرف خالقِ حقیقی سے گروہ مخلوق کر سکیں' کر لیں۔
اس کرشمہ کی بھی سہولت تھی وہ رہیں عام آنکھ سے اوجھل یا بہیمانہ کوئی سوانگ بھریں'
شاندار و حسیں شوالوں میں سونے چاندی کے اُچ سنگھاسن پر
ٹھاٹھ سے وہ براجمان رہیں۔
یہ خدائی کے مدعی جھوٹے سینکڑوں امتوں کو بچلائیں'
نوبہ نو نام' نوبہ نو حلیئے --- دیوتا' بت' پریت' بھوت' صنم'
اے میوز آانہیں شمار کریں آج تقدیم اور تاخر سے۔
آتشیں مسندوں سے چونک اٹھے سن کر اعلان شاہِ عالی کا'
آیا سردار ایک ایک جہاں وہ کھڑا تھا اجاڑ ساحل پر

جبکہ گڈمڈ کھڑے رہے انبوہ سب مریدوں کے دور' ایک طرف +
قابل ذکر چند ہیں ان میں' قعرِ دوزخ سے جو نکل کے چلے
ارض پر ڈھونڈھنے شکار اپنے' وہ خدایانِ پُر فریب' کہ جو
روبرو' ڈٹ گئے زمانوں بعد' بن کے اللہ کے بدترین حریف'
اس کے منبر کے ساتھ پاٹ ان کا' اس کے معبد کے پاس قرباں گاہ۔
لغو و باطل تمام یہ معبود ملتیں جن کے سامنے بہ سجود' اور کروبیاں کے ہالے سے
گھن گرج میں زیون کے اوپر دیکھتا تھا بہ چشمِ خشم انہیں (جاح) توریت کا خدائے قدیر'
حرمِ پاکِ ذاتِ باری ان راندہ ملعون دیوتاؤں کے دیو استھان اُدھرم سال بنے۔ (ب دینی کے مرکز)
بدعت و فسق سے نجس سارے شرعِ برحق کے طرز و طور ہوئے'
نیک دستور بدرویے رسم' میلے ٹھیلے متین تقریبات۔
تیرگی آشکار ہو ہو کر نور کا مضحکہ اڑاتی تھی +
پہلا مالوق لت پت اشکوں میں جسم سارا لہو لہو لتھڑا'
اشک ان والدین کے جن کی ننھی اولاد کا لہو پی کر
خون آشام دیو جیتا تھا۔
اس کی بھٹی میں بھینٹ بچوں کی --- سسکیاں دلخراش دل افگار
ڈھول تاشوں کے شور میں لیکن آدمی سن تلک نہ سکتا تھا۔
راکھشس یہ امونیوں کا رب جس کا ربہ میں اک مصلّٰی تھا'
اور اس آب شاد وادی میں (شرقِ اردن) زنہار نانے
تا بحدِ بسان ارگو بے اس صنم کی خدائی چلتی تھی۔
ہو کے زچ خیرہ چشم قربت سے (اسرائیلی تو منکر اس کے تھے)
ورغلا کر نبی سلیماں کو (کانِ دانش دماغ جس کا تھا)

عین بیتِ الہ کے سائے میں اپنا اک پاٹ شالہ بنوایا۔
اور بدنام ہو گیا ٹیلہ جب بنی بارگاہِ نافرجام'
وادیٔ دلکشا حنام میں سب' جہاں آباد اہلِ طافت ہوئے
اس ستم گر کا جاپ جپتے تھے۔
اہلِ یونان اسی کو کہتے تھے قرب دوزخ سیاہ جی ہنّہ۔
دوسرے بت کا نام تھا خیماس'
فحش عریانیت زدہ منحوس یہ صنم لائے معب کے بیٹے'
تھے جو اخلاق باختہ' بدکار۔
دائرہ دور تک خدائی کا۔۔۔اور ئیر اور نیبو اور اپبرم'
اور حسبان اور حرنائم اور اسیون کی قلمرو سے سیب ماکی حسین وادی تک
خوشنما گلستان و تاکستاں'
پھر الیلی سے حوضِ شور تلک (تابہ حدِ بحیرۂ مردار)'
اس صنم کی پیور' کنیت تھی ہو گئے تھے اسی کے پیروکار
اسرائیلی ستیم میں گمراہ۔۔۔وادیٔ نیل سے وہ جب نکلے۔
اس کے رسم و رواج بے ہودہ باعثِ قہرِ ذوالجلال ہوئے۔
اس کی شہوت نواز خرمستی پھیلی بدنامِ عہد ٹیلے تک
جس پہ مالوق کا دوارہ تھا'
فسق' نفسانیت' بدی' مستی' چوب چینی' حرام' بدفعلی۔ (لواطت)
آخرِ کار ایک پیغمبر۔۔۔جوشیا۔۔۔نے انہیں کیا فی النّار (جوشیا سے مراد یوشع ہیں)۔
ساتھ ساتھ ان کے آبراجے تھے
پھر پرانے فرات دریا کے مسخ طوفاں زدہ کناروں سے'

اس رواں توئی تک جو کرتی ہے ارضِ مصر ارضِ شام کو دولخت' (ہند کو: ندی)
مشترک مشتہر توام وہ طیف اشتیا روژ' لعل --- ذو صنفی
یا الگ سے نرینہ مادینہ' یوں بھی تو بھوت پریت جب چاہیں
جنس اپنی ادل بدل کرلیں' یا کبھی روپ دھارلیں دونوں۔
جوہران کا ملائم و نازک' ہم سے اعضا نہیں ہیں مخصوصہ'
نہ ہی جثے بدن لحیم سخیم' بلکہ مقدور ہے یہ فن ان کو
شکل چاہیں کوئی وہ نرم کرخت' صاف نرمل' کثیف اندھیالی'
اس میں اپنے شریر کو ڈھالیں --- (دشمنی اور دوستی کے لئے)! (بدن)
حیّ و قیوم سے اِبا کر کے' ترک کر کے طوافِ بیتِ الہ
تھے بنی اسرائیل سجدہ ریز بہ خضوع و خشوع و ورع و نیاز
سامنے ان نجس شیاطیں کے۔
سرِ تسلیم کا وہی نقشہ جیسے میدانِ جنگ میں کٹ کر
گردنیں زیرپائے دشمن ہوں نیزہ بردار دشمنِ خونخوار۔
آستورث بھی اس ہجوم میں تھی (اہل فینیقیہ کی اسطرطی)
ملکہ آسمان کی --- جھومر شاخہائے ہلال جس کا تھا۔
چندنی مورتی کے چرنوں میں چاندنی رات کو' سدونہ کی
خوبصورت کنواریاں گاکر (زندگانی) کا حلف اٹھاتی ہیں۔
زیون پر بھی اسی کا مندر تھا' پاٹ پوجا اسی کی ہوتی تھی
مندر' ازواج خواہ سلطاں نے قلّہ کوہ پر جو بنوایا۔
وہ پہاڑی خراب رسوا زشت'
اور یہ باہمہ بصیرتِ ذات اپسراؤں کے لوبھ میں آکر

نازبردار بن گیا ایسا ان بتانِ پلید و مُہمل کا۔
پھر ثمّوز (اڈونسِ یوناں) جسے لبنان میں بنایا تھا ایک خونخوار ریچھ نے لقمہ
اور ہر سال تازہ ہوتا تھا زخم اس کا گلابی جاڑوں میں۔
دن بھر اس حادثہ میں نوحہ گر شام کی مہ جبین کنیائیں عشقیہ راگنی سناتی تھیں۔
اس ثمّوز کے زخم سے شاید اوڈنس کی رواں دواں ندی
منبعِ کوہ سے دہانہ تک لال ہی لال بہنے لگتی ہے۔
دخترانِ زیون ہوں بے آپ سن کے یہ دلفریب پریم کتھا'
ان کی جذبات باختہ حالت خود ازاقیل نے ملاحظہ کی'
اس حریمانہ آستانے پر جب بصیرت نے دی اسے ترغیب
کہ صنم دوستی نظارہ کرے غیر سے آشنا یہودا کی۔
(پھر فلسطینیوں کا دیوتاوہ) اہلِ تابوت اسیروں نے توڑا
ایسے جس کا مجسمہ منحوس --- سر کہیں اور ہاتھ پیر کہیں
استخوانِ شکستہ وخستہ دیر کے آستان پر چت تھا۔
نام اس کا دغون --- ساگر دیو --- نصف دھڑ مرد' نصف دھڑ مچھلی'
اس خرابی کے باوجود اسکا ایزتس میں بڑا وہار اتھا۔ (مندر)
دبدبہ دہشت اس کی ایسی تھی۔ ساحلِ گاذو غازہ ترسیدہ' عکّہ و عسقلان خوفزدہ۔
متصل ہی لگا ہوا رمّون' خوبصورت دمشق کا خوش باش
رودہائے ابانہ و فرقاران کے نرمل سجل کناروں پر
کیسا بیتِ الہ میں دیدہ دلیر اک جذامی کو اس نے ٹھکرایا'
فیضِ عیسیٰ سے ہو گیا جب ٹھیک نام لیوا وہی بنا اس کا۔
احض اس کا خرابِ مے منصور کر کے بیتِ الہ پلید نجس'

احض نے اس صنم کا نام کیا' دین اس کا شعارِ شام کیا'
جن خداؤں پہ پیش دستی تھی'
دی نیاز اور نذر بھی ان کو اور انہی کے حضور سجدہ گذار۔
پھر ہوا رونما نیا ٹولہ --- خوب جن کا تہ پتہ مانوس'
ایسرس' آٹسس ارس ایسے ایرے غیرے بھی' نتھو خیرے بھی'
جن کے حلیے ڈراؤنے بھدے' جن کا جپ جاپ ٹوٹکے منتر'
ناسمجھ ساحرانِ مصری نے اپنے ان اوڈدیوتاؤں کو ہیئتیں دیں خلافِ انسانی۔ (وحشی)
یا بنی اسرائیل یاد کرو قبطیوں کا وہ زیّنہ (سونا)
تم کو بوجھل ہوا تو سامری نے عجل تیار کر دیا اس کا'
اک قدم اور بڑھ گیا فرعون' خالقِ کل کو بیل کی مانند
دان و بیتال میں بناڈالا گھاس چرتا (جگالیاں کرتا)'
دفعتہ "جاح نے کیا نازل صیحتہ" --- یعنی اک عذاب کی رات
جب پلوٹھی کے لاڈلے بچے' اور خوار" --- صنم --- (غلط معبود)
طرفتہ العین میں تباہ ہوئے۔
بَلیَل آیا عقب میں ساقہ سا' سخت بدذات اور نفس پرست
حق میں عصیاں برائے عصیاں کے کوئی ایسا نہ عرش سے اترا۔
نہ تو اس کا کہیں پہ تیرتھ تھا' نہ ہی اس کے کہیں دوار استھان عود کی دھونیاں مہکتی تھیں۔
گوئی سبقت ربود ہاں لاریب' منبروں پر سنگھاسنوں پر وہ۔
اس کے دم سے تھے دہریے راہب' جیسے ایلی کے ناخلف بیٹے
جو ہوا و ہوس سے آلودہ بارگاہِ الٰہ کرتے رہے۔
سارے ایوان اور سب دیوان اس کے زیرِ نگین آئے تھے'

اور ڈنکا اسی کا بجتا تھا سارے عشرت قماش شہروں میں۔
اونچے اونچے کلس سے بھی سر لاوہ دھما چوکڑی کا غل مچتا' (ف)
پیشدستی' درازدستی --- عیش' بادہ آشامی و ہوس رانی'
اوڑھتی ہیں نقابِ شب گلیاں بیٹے کھل کھیلتے ہیں بلیل کے'
ہیں رھس گھر سدوم کی گلیاں!
جیبیہ کی سیاہ رات کی بات' میزباں نے بہ امرِ مجبوری
جب حوالے کیا کنیزک کو تانہ بدتر ہو آبروریزی۔
دیوتاؤں کے یہ گورو گھنٹال شانتی' شان' شور' شکتی میں۔
جانشینوں کا دور آئے گا' ان سے دو چار ہاتھ وہ آگے'
آیونی دیوتا' وہ ان داتا نسلِ جاوان (ابنِ یافث کے)'
جن کے ارض و سما (یوری نس جی) باوا آدم تھا اماں حوا تھی۔
ان کے اپنے یقین کے مصداق
پوت ٹیٹان تھا پلوٹھی کا آسماں کے کثیر کنبہ میں'
جن کا ورثہ زحل نے چھین لیا' عمر میں وہ اگرچہ چھوٹا تھا۔
ابنِ ریحہ' زحل کا بیٹا جوو' باپ سے زور میں زبردستی'
وہ چلا چال' جیسے کو تیسا اور اقلیم صاف ہتھیالی۔
وہ کریٹ ایدا میں بڑا مقبول' جب وہاں سے چلا تو جا پہنچا
درمیانِ کرۂ المپس کی سرد' سن' برف پوش چوٹی پر۔
ڈلفیہ کے پہاڑ پر بھی تھا آستانہ تو دودنہ پر بھی'
ہر جگہ سرزمینِ ڈورہ میں زحلِ پیر کے وہی ہمراہ'
ادریہ سے گذر کے پھر آیا ہسپری کے ہرے بھرے کھیتوں

اور ان دور کے جزیروں پر --- گھومتے تھے جہاں کبھی قلطی +
ایک جمِ غفیر میں سارے بلکہ اس سے بھی ماسوا پہنچے'
تھیں نگاہیں جھکی جھکی نمناک'
اک رمق سی نمو مسرت کی' اک رمق ہی سہی' ہویدا تھی'
اس سبب سے کہ یہ وڈیرہ تو یاس و نومید سے ہے بیگانہ
تھے زیاں کار بے زیاں گویا (بے زیاں وہ بزعمِ خویش مگر)
رخ کی رنگت اڑی اڑی' پھر بھی فطرتِ کبر پردہ پوش اس کی
مایۂ افتخار و نازش تھا وہ تکبر (ابلیٰ کی خاص دلیل)'
پیرہن میں بلیغ لفظوں کے' واقعی کم سہی' وقیع بھی تھا۔
پست و دوں ہمتی کو للکارا یوں کہ خدشات چھٹ گئے یکسر'
پھر تو اک نعرۂ بزن گو نجا'
جنگجویانہ شورشوں کے ساتھ چیخ اٹھے کوس دف طبل قرنائی
سرکشیدہ کرو عظیم لوئی۔
اک بلینڈا فرشتہ (بلعم سا) جم' عزازیل' دستِ راست اس کا (بگولہ) (ملک الموت)
مدعی یہ کہ منصب اس کا ہو پرچم افرازی و علم داری۔
اک عصائے طلائی پر اس نے خسروانہ نشان لہرایا'
دیکھتے دیکھتے شتابی سے سرکشیدہ درفش قبہ دار جیسے جگمگ شہاب ثاقب ہو۔
ہیرے موتی جڑا صفا چم چم دیومالائی اسلحہ وافر'
خوبصورت نمائشاتِ ظفر۔
رجز انگیز دھات کی دھاڑیں' دھم دھماد ھم کی دھوم دھام دھنیں'
جن پہ وہ حشر نشر ٹڈی دل یوں دہاڑا تھا پھاڑ پھاڑ گلا

جی جہنم کا جل بھڑک اٹھا، من ہراک کا دہل دھڑک اٹھا،
بلکہ ہل چل مچی تمام اس پار شبِ یلدائے قبلِ تکویں میں۔
چھید کر تیرگی کو ٹانئے میں تھے محیطِ نظر علم ہی علم اور وہ تھے نہ دس ہزار سے کم
ارغواں رنگ تاباں و پراں،
اور ان کے جلو میں نیزوں کا اک گھنا بن اچانک اگ آیا،
یوں گھٹا ٹوپ خود اُمڈ آئے، اتنی صف بستہ گنجلک ڈھالیں
کہ کھوے سے کھوا چھلے جیسے،
کوچ نقارہ یک بیک باجا اور تو ماں قشونِ قاہرہ کے ---- اردوئے منضبط، پری ٹوری (ف)
ٹھگ، تلنگے، نی چری، قازق، ترکماں، غز، مغول، پنڈاری (ب)
چل پڑے زیر و بم پہ نغموں کی،
کھرج میں ڈوریائی شہنائی، سارے گاما کی دھیمی استھائی،
یہ عجیب و غریب لے کیا تھی
جس کی تاثیر سے متین بزرگ، لیس بھٹی میں جنگ کی کودے؟
غضب و غیض کے عوض دل میں سانس اب لے رہی تھی جیداری،
ایسے اڑیل، اچل، اٹل نہ کرے خوف اجل کا بھی شرمناکی سے
لیس وہ راہِ فرار و پسپائی۔
نہ تھا فقدانِ جذبِ جاں بازی، مَسِ مضبوط ازالہ کرتا ہے
دشتی وحشتی خیالوں کا، اور فوری کرے ففرّو سب
رنج، شک، خوف، کرب، یاس، افسوس ان امرنا امر دماغوں سے۔
ایسے عالم میں، دمبدم، دَم دار ٹھیگر اکشوینی نری دھن میں (ف)
تابحدِ نگاہ صف بستہ ہلکی ہلکی نفیریوں پہ خموش گرم بھوبل پہ چل رہی تھی یور

جیسے تلووں کو آگ سہلائے!
اک محاذِ طویل ہیبت خیز' اسلحہ خیرگی فزا' سرتیز
سونت کرپانیں تان کر ڈھالیں' وردیوں میں قدیم بانکوں کی
حکم کے منتظر' بگو سردار!!
غائرانہ نگاہ وہ ڈالے سارے ہتھیار بند دستوں پر اور لے جائزہ قطار قطار۔
قامتیں قاعدے سے ترتیبی' خوشخط انداز سے لگے چہرے'
آخرِ کار احتیاط کے ساتھ گنتی ان کی شمار کرتا ہے۔
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے' زور حشمت کی یہ فراوانی'
چشمِ انسان سے نہ گذری تھی فوج شیرازہ بندیوں پہلے'
دبدبہ اس قدر کہ دنیا میں دھاک بھی چار دانگ بیٹھی ہو۔
جیسے پدّوں کا وہ پیادہ دَل جس پہ سارس کلنگ ٹوٹے تھے'
پھر فلیگرا کے دیوزاد تمام جو نژادِ شجاع کے شامل
تھیبز والیوم میں نبرد آرا'
(مدعی) جانبین کو حاصل کمکی دیوتاؤں کی امداد۔
اور وہ گونج ہے بپا جس کی ابنِ اوثر کے نقل و رواں میں'
(بادشہ آرتھر) کمربستہ ساتھ برطانوی وارموری سُورماؤں کے' سُوربیروں کے'
یا وہ بے انت بے شمار کثیر
جملہ سربازمن چلے ساونت' کفرخُویارہینِ بستمہ
وہ کہ گھمسان رن میں کھیت رہے' اسپرانٹ' مانٹل بن میں'
یا مراکش' دمشق' طربوں میں۔
یا فرستادۂ بزرطہ سپاہ آئے افریقیہ کے ساحل سے

(پانیوں میں اڈ کے بسکہ سے)
شارلیمان اور اس کے ڈیوک جب فسٹربہ میں خس بدنداں ہوں،
بے حساب اس قدر جواں ہمت آدمیت نہ کھا سکے لگّا،
سرِ تسلیم خم کئے دیکھا را کھشس دَل پتی کو ان سب نے،
اپنی سج دھج میں صورتِ مینار۔ ان کے مابین وہ نمایاں تھا،
رخ پہ مدھم نہ تھا جبلّی نور،
وہ رئیس الملائکہ بالکل اب بھی (البتہ راندۂ درگاہ)
نہ تھا افزونیٔ جلال میں فرق،
جیسے دھندلی افق میں جھانکتا ہو نیا سورج مگر کرن کترا،
یا شفق ملگجے گہن میں جب
نصف قوموں پہ چاند کے پیچھے کُل مضرّت رساں بکھرتی ہو،
خوف سے انقلاب کے (بدفال) بادشاہوں کے دل دہل جائیں۔
تیرہ فام، اس پہ بھی الگ سب سے وہ رئیس الملائکہ جھلکے ....
رخ خشونت سے داغ داغ بھی گو، اور رخسار پھیکے پھیکے سو،
جن پہ سوچوں کے سائے بھی گہرے۔
بے تکی جرأت ابروؤں سے عیاں، آشکارا تکی تکبر بھی،
وہ کمیں گاہِ انتقام میں تھا،
دیکھ کر جرم کے شریکوں کو اسکی خوں بار چشمِ قاتل سے
تھی فزودہ چکیدہ باریدہ خستگی و فسردگی کیسی!
یہ سب اس کے وہی حواری تھے جو رہے تھے جوارِ رحمت میں
لیکن اب غیر مختتم ایذا ان کا مقسومِ دردناک بنی۔

اس کے استکبر و ابیٰ کے تان وہ پدم آتمائی سنت مہنت (کھربوں سے زیادہ)
نیچے عرشِ بریں سے آن گرے،
پھر بہ پاداشِ سرکشی سارے ابدی عظمتوں سے دور ہوئے۔
بے نیازِ زیاں مگر دیکھو سب کے سب جاں نثار حاضر تھے،
آن بان اور کرّوفر معدوم۔
آسمانوں کی آگ (یعنی برق) جس طرح بے دھڑک بھسم کردے۔
پربتی چیل شہ بلوط بنی ٹنڈ منڈ اگنیوں میں جھلسی ہوئی چوٹیوں کو لئے ستادہ ہوں (جنگل کے)
آتشیں راکھ راکھ میداں میں --- تھے کبھی جسطرح تناور پیڑ!
اب انہیں وہ خطاب کرتا ہے۔ جھٹ یسارو یمیں پرے دُہرے
اردگرد اس کے برچھیاں بھالے تانتے ہیں دو نیم ہالوں میں،
سب خموش اور سب سراپا گوش۔
سعی میں بولنے کی وہ سہ بار (قاریو) سرمہ در گلو نکلا،
ضبط کی سعیٔ رائیگاں، اُمڈے اشک جیسے سروش روتے ہوں،
آخرِ کار تانے بانے میں خنک آہوں تنک کراہوں کے
تند الفاظ کا بندھا تانتا:۔

"او مری ان گنت امر روحو، قوتو بے بدل --- مگر وہ تو
قادرِ مطلق آگیا آگے، ٹھن گئی، اس سے پڑ گیا پالا،
پھر بھی وہ معرکہ قبیح نہ تھا --- گو نتیجہ بڑا خراب ہوا۔
یہ خرابہ ثبوت ہے اس کا، یہ برا حال یہ بری حالت،
درگت ایسی بنی کہ جی اوبھے سرسری بھی اگر بیان کروں۔
پر کہاں کوئی صالحانہ ذہن حال و ماضی کے واقعات کے ساتھ

پیش جوئی و دور بینی سے سوچ سکتا تھا احتمال امکاں
کہ فرشتوں کا لشکرِ جرار، یہ جو ہے سامنے یہی لشکر
پاگریز اور منہزم ہو گا۔
تاہم اس کا نہیں یقین کسے یہ جری فوج، شیر دل عسکر
ایسے نقصان، اس گزند کے بعد -- سہہ سہا کر ہزیمت ایسی بھی،
جس کا خمیازہ اب ہے یہ بن باس -- سونی سونی اداس اداس ارم،
بارِ دیگر صعود اگر چاہے، کامیابی سے ہمکنار نہ ہو،
اپنی ہمت کے بل پہ ہم اٹھیں تو جنم بھوم پھر نہ قبضا لیں۔
عرش کی فوج اس پہ شاہد ہو -- گر بہم اتفاق رائے نہیں،
یا مجھے ہو گریز خطرے سے تب تو بے شک ہو آس ملیا میٹ۔
ہاں وہ فرمانروائے عرش نشیں کرسئ خود پہ قائم و مصئون،
جب تلک ساکھ پر پرانی ہے یا رضا و قضا کے حیلے سے
ٹھیک اس کی شہانہ عظمت کا مہر نصف النہار پر چمکے۔
اس کی شکتی کی گپت بانگی تھی، سعی تھی مبنیٔ غلط فہمی
ہم نے فولاد سے کیا پنجہ رنجہ رنجہ ہے ساعدِ سیمیں،
یہ ہے اپنے ہبوط کی توجیہہ۔
زور اس کا اب آشکارا ہے اور اپنی بساط بھی معلوم،
کیوں نبرد آزمائی کا اعلان، اور بے کار لرزہ براندام،
جب نہیں ہم حواس باختہ ہیں کیوں نہ ترکیب سے چلائیں کام؟
مکر و تزویر اسلحہ کر کے آج یزدان کو شکار کریں۔
کیوں ظفر کا مدار قوت پر؟ بلکہ ثابت یہ کلّیہ ہم سے

وہ جو قوت سے غالب آتا ہے' ادھ مُوا ہی عدو کو پاتا ہے
بازیٔ کُن کی ہے تماشا زار جوِّ وسعت بروفقید کنار'
اب اسی ضمن میں اڑی ہے خبر
جلد تکوینِ نوجہاں ہوگی جس میں اک نسل احسن التّقویم
زورِ منشائے ایزدی کے طفیل ہمسرِ اہل عرش ٹھہرے گی۔
لے سکیں ٹوہ گر تو ہم اس پر اک جوالا مکھی سا پھٹ پھوٹیں
(یوں "تعزمن تذل" کی کاٹ کریں)
یا وہاں جائیں یا کسی جا اور --- ہم پہ اخدود کی نظیر ہو کیوں؟ (ف)
ہم کہ ارواحِ عرش زادہ ہیں اس جہنم کے خانہ زاد نہیں۔
یوں بھی تادیر ظلمتِ اسفل ہم کو ملفوف رکھ نہیں سکتی'
کیجئے غور و فکر کی باتیں خوب پختہ صلاح کاری سے'
امن پر آشتی پہ لعنت ہو' کیوں گلو بار طوقِ طاعت ہو؟
جنگ' ہاں جنگ پر کمربستہ'
ہاں نبرد آزمائی کھل کر ہو یا قدم پھونک پھونک کر رکھیں۔"
وہ مخاطب تھا اور کرتی تھیں اس کے ایک ایک لفظ کی تائید
وہ زبانہ زبان شمشیریں جو لکھو کھا یہاں وہاں نکلیں (شعلہ)
بے دھڑک سورما میانوں سے'
اور جن کی چمک سے دوزخ میں تھی چکا چوند چار سو چند'۔
مطلقاً" ماورائی تاؤ میں کبریا کے خلاف بنکاریں'
یوں اثیری حریف للکاریں' ناگ جیسے غضب میں پھنکاریں'
بھینچ کر مٹھیوں میں ہتھیاریں گونجتی ڈھال پر "بزن" ماریں۔

باغیانہ وغیٰ کا غل غوغا--- قابِ قوسین پر کرے ریلا
زورِ طغیانِ سرکشی پُرزور۔
اک پہاڑی کی کھردری چوٹی' آگ اگلتی' دھواں نگلتی پاس'
تھی چمکدار پاپڑی چکنی صاف غماز پیٹ گھپ اس کا
خام دھاتوں کا اک دفینہ ہے' جسے گندھک نے کر دیا مائع۔
اس پہاڑی کی سمت سرعت سے اک بریگیڈ ہو گیا پرّاں'
لیس جیسے کوئی سفر مینا گینتیوں' بیلچوں' کدالوں سے
جیشِ شاہی کے پیش گام چلے دمدمے خندقیں بنانے کو---
لکشمی رہنمائی کرتی تھی۔ جنہیں آکاش سے ملا بن باس
لکشمی ان پساچیوں میں سے فتنۂ روزگار بڑھ کر تھی (بھوتنیوں)
کیوں کہ آکاش میں بھی یہ دیونی کرم اور دھیان میں تھی ناسوتی'
کوئی روحانیت سے لہنا تھا نہ اسے قدسیت سے دلچسپی
نہ سراجِ ربوبیت کا کشف۔
وہ یہ رطب اللّساں ہوئی: "جنت سیم زر کی بسیط رمنا تھی'
پٹریاں اس جگہ مرصع تھیں' زرنگاریں تھے پائیداں پشتے..... "
کی پہل' اور پاکے شہ اس کی ابنِ آدم نے بطنِ گیتی کو
دور پاتال تک کنگھال دیا ذلّت آگیں پلید ہاتھوں سے
دھرتی ماتا کی کوکھ میں جو بھی تھے دفینے تمام نوچ لئے۔
یہ مہادھن چھپا غنیمت تھا۔
جلد ہی لکشمی کے ماتوں نے ہر پہاڑی کا پیٹ چاک کیا'
چن دیئے کھود کھود کر کانیں سونے چاندی کے قیمتی کھلیان'

اس جہنم کے مال دولت کو چاہئے کوئی جی نہ للچائے'
بیش قیمت سہی مگر یہ نحس ہو مبارک تراب مٹی کو۔
سخت تنبیہہ بھی انہیں کیجے عارضی شے پہ ہے جنہیں غرّہ'
وہ جو بابل کے گیت گاتے ہیں' اور ممفس کے تاجداروں کے
شاہکاروں کو یوں سراہتے ہیں' ہو خصوصاً" انہیں یہ آگاہی
یادگاریں شہیرؤ عالی شان باہمہ پختگی و صناعی
یہ نجس بد پلید بھوت پریت دم زدن میں کھنڈر بناڈالیں۔
یہ الگ بات آپ پھر ان کے ان گنت ہاتھ سخت محنت سے
مدتوں' مدت مدید میں بھی ایسے کارِ عجب نہ کرپائیں۔
تھے زمیں دوز چند خوراب
---جن میں سیال آگ کی لہریں سیلئ سیل کی تماشہ گر--
بد فرشتوں کا ایک جمِ غفیر ماہرانہ ہنروری کے ساتھ
خوب خوراب کو بلو متھ متھ ٹھوس بھاری فلزِ کو پگھلا کر
دیدہ ریزی سے بیند بیند کھرے سونے چاندی کا کف اتارتا تھا۔
اور اب تیسرے گروہ کی بات
جو کچھاروں گپھاؤں میں کر کے کٹھلے ڈیوٹ جھپا جھپی تعمیر
اندر اندر زمین کے نیچے حیرت آوردنی وسائل سے
اس کفِ سیم و زر کو لالا کر بھر رہا تھا ہر اک تہی گوشہ'
مانو لبریز راگ سے باجا
جس کا ہر خانہ ایک پھونک کے ساتھ زمزمہ خیز و بانوا ہو جائے۔
جل پری کی طرح زمین سے اک خوبصورت مکان ابھر آیا'

جیسے تازہ گلاب سانس بھرے، نرم ٹھمری میں انترہ ابھرے،
سندر اسٹوپ یا شوالہ بنے۔
چار سو شہ ستوں جداری تھے، ساخت میں جن کے پیلپایوں کی
خاص ڈوریک پر، ہنر چھب ڈھب، خوب نقش و نگار، گل کاری (یونانی ڈورس کی طرز)
طاق نقشیں، منبّتی مرغول،
استری پٹیاں پلینڈوں کی، کارپچی کے کنگنی کگر
چھت معلّیٰ بھی تھی مطلّیٰ بھی
کہ نہ تہذیب کے عروجوں پر بابل و قاہرہ--عروس بلاد--
اس شکوہ و جمال کو پہنچے--
نہ بیالوس یا سراپس کو تھے مقدر صنم کدے ایسے
ان کے لات و منات یہ اصنام۔
اورنگ آرا فراعنہ کی بھی شان شوکت نہ ہم چنیں امثال
مصر کی جب فزوں فراوانی چشمک انگیز اشوریہ سے تھی۔
اس طرح کے ہی عرش بوس اہرام قامت و قد میں سربر آوردہ،
پھاٹک اس کے بڑے بڑے گھمبیر سخت پیتل کے نیم باز کواڑ
دور تک جن میں آنکھ جھانک سکے اور دیکھے نظارہ حیرت ناک۔
ایک رقبہ کشادہ، ژرف، وسیع، روشیں صاف، چیکنی، ہموار
سقفِ محراب دار آویزاں اثراتِ طلسم وافسوں سے،
جگمگاتی ہوئیں فتیلہ سوز مشعلیں سینکڑوں قطار قطار،
جھاڑ فانوس چومکھا، قندیل رال روغن سے سب چراغ جلیں، (ایک قسم کا دیا)
یوں بکھرتا تھا نور چھن چھن کر جس طرح جوت عرش سے پھوٹے۔

جلد باز اژدحام وصف سرا اس عمارت کے اندر آن گھسا'
بعض تعمیر کو اٹھاتے تھے 'بعض معمار کے ثناخواں تھے۔
یاد ہو خوشنما ہنرمندی یہ عماراتِ عرش میں اکثر جھلملاتی تھی امتیازانہ
تھے فروکش وہاں عصابردار الملائک کہ جیسے شہزادے
مسند آراہوں ٹھاٹ باٹ کے ساتھ'
متفرق عظیم طبقوں کی سندِ صاحبی عطا جن کو
قادرِ مطلق و معلّم سے مرحمت طرفہ طرہ و طغریٰ۔
کہنہ یونان میں نہ تھا یہ نام غیر مانوس بے پرستندہ'
ملک اٹلی میں لوگ باگ اسے ملسی بر ملسی بر پکارتے تھے'
اور اس کے ہبوط کا قصہ یوں مزے سے بیان کرتے تھے:
"مشتری نے اسے کنگوروں سے تاؤ کھا کر آدھر میں دے مارا'
گر گیا تو گرا لگاتار اور متواتر چلا گیا گرتا
صبح سے دوپہر سکر آئی' دوپہر سے ہوا پہر پچھلا (ٹھیٹھ بھری دوپہر)
نیچے آخر وہ دھم' دھڑام گرا' ایجیئن کے جزیرہ لمنہ میں
عین وقتِ غروب یوں' جیسے کوئی ٹوٹا ہوا ستارہ تھا۔"
وہ تو یہ واقعہ بتاتے ہیں' لیکن اس میں انہیں مغالطہ ہے'
ورنہ وہ اور ساتھ سب ساتھی' طائفہ سارا باغی و طاغی
اس سے ماقبل راندۂ درگاہ ہو چکا تھا (کہ واقعہ یوں ہے)۔
تا بہ گردوں بنائے جو مینار' کچھ بچلوَ نہ ہو سکا ان سے
منجنیقیں' عرادے' عرّادے سب دھرے کے دھرے رہے' پٹخا
سر کے بل بے دریغ جب اس کو۔

کہ بھرے دکھ تپاس یہ ٹولہ، مستقل اک نرک الاؤ میں،
گھر گرہستی کا چاؤ پورا کرے۔
اسی دوران ایلچی پردار حکمِ حاکم سے مطلع ہو کر
باہمہ رعب داب، زور کے ساتھ، پیٹتے تھے ترم کے شوروں میں
لشکری لشکری ڈھنڈورا یہ:
"اہرمن زاد، ہمسرو ہمعصر، شہرہ آفاق جن کا ہے ایوان
(چنگڑوں بھنگڑوں کا اچ اڈا) اسی کاشانۂ شیاطیں میں
خاص اجلاس منعقد ہو گا۔"
جیش، دَل، کُرد سے بلاوا تھا جس قدر بھی وہاں تھے سرکردہ
منتخب، مرتبت منش، مندوب۔
اور چٹکی بجاتے میں دیکھو سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں میں
آن پہنچے پکارتے لبیک، ٹھٹ کے ٹھٹ، اور اٹ گئے جھٹ پٹ
سارے حجلے اطاق شاہ نشیں، تہ کدے آئنہ محل ایوان
باب برساتیاں جلو خانے بے تکے جو کشادگی میں تھے۔
عین سلطاں کی تام جھام کے پاس، چار دیوار بند میداں میں۔
جنگجو سورما جری بانکے، کیل کانٹے سے لیس، جب نجدی
شہسواروں پہ بول دیں دھاوا تو لہو میں نہائیں دست بدست
خنجروں کے قتالِ خونیں میں۔۔
ان سے وہ رقبہ و محدود اربعہ چپہ چپہ پٹا کھچا کھچ یوں،
سرسراتے پروں کی تندی سے بج رہی تھی زمین اور ہوا۔
ہوتا ہے برجِ ثور میں جب، عالمِ فصلِ گل نظر پرور،

شہد کی مکھیاں وفورِ شباب جھنڈ سے چھید چھید چھتوں کے
مسرفانہ انڈھیل دیتی ہیں نئے پھولوں میں تازہ اوسوں پر۔
یاں سے واں تک مگن مگن اڑ کر
پیال کی رس گڑھی کے آس پڑوس ڈال کی سبز ٹال کے دوارے
مومیا لیپ چپچپا میٹھا۔
گھومتے پھرتے کاناباتی سے اپنے حالات کو سنواریں بھی'
ٹھوس ٹھس وہ ہجوم غیر مرئی' واں ٹھسا ٹھس' گھسڑ مسڑ' دھنس پھنس'
جمع اس جا پہ حسبِ اذن ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔
اور دیکھو جی کیا اچنبھا ہے وہ جو تھے فربہ اور قد آور'
دھرتی ماتا کے دیو ہیکل پوت جن کے جثہ کا ایک جز نکلیں'
اندر اس کال کوٹھڑی میں سب ناٹے باشتیے جھپاک بنے۔
پارہندی پہاڑ کے اوٹل یا تو جیسے اچھوت ناٹی جات
یا پرستانِ قاف کے بونے' جن کی بدمستیانِ نیم شبی
باؤلی کے قریب یا بن میں
عین دیکھے کہ دھیان میں دیکھے شب گرفتہ بچارا اک ہالی
جس سے چاند ہو فسوں انگیز' (جیسے سرپنچ سارے منظر کا)'
اور دھرتی کے پاس سے اپنے پیلے رستہ پہ گھومتا جائے۔
راگ سارنگ مدھ سے وہ (فتنے)
نرم مستانہ تال کا اس کے کان میں رس انڈھیلتے جائیں' (یعنی ہالی کے)
اور مجہول خوف کے مارے منہ کو آئے کلیجہ' دل ڈوبے۔
تھیں گرانڈیل بے بدن روحیں ٹھینگنوں کی بدل کے اب جونیں

ہاویہ زاویہ میں آوارہ ان گنت، بے شمار، لاتعداد،
دور دیوانِ خاص کے اندر۔
اصل حلیہ میں باہمہ ابعاد قدسیانِ خدا یگان نما
حسبِ تخمین شاید ایک ہزار چور تیرتھ کے کونوں کھدروں میں،
تھے نشستہ سنہرے گدوں پر لطیف، اصنام، را کھشس، راون
اکثر و بیشتر نہیں بھرپور!
آخرش سحر خامشی بہ شکست، بر سرِ مطلب آمدند ایشاں،
سر بہم جوڑ جوڑ کر بیٹھے ـــ اک اہم مشورہ شروع ہوا۔

○

فرہنگ

صفحہ (سطر) ۔لفظ: تشریح

۱۶ (۷) ۔اسٹا ئکس: یونانی دیومالا، عالم اسفل کا ایک دریا، جس پر سے چارون نامی دیوتا روحوں کو پار لگاتا ہے۔ ہندی۔ بیترنی۔

۱۸ (۸) سرلا: سرلی، اونچی چیخ یہاں مراد چیخم دھاڑ

۳۰ (۱۰/۹) پری ٹوری: رومی لشکر کو کہتے تھے، ینی چری: ترک سلطان کے خاص سپاہی، جاں نثار

۳۰ (۲۰) اکشوینی: مہابھارت کی جنگی اصطلاح میں لشکر کی اکائی اس میں کئی لاکھ بلکہ کئی کروڑ سپاہی ہوتے تھے

۳۵ (۸) اخدود: (قرآن میں اصحاب الاخدود) آگ کے گڑھے میں جھلستے ہوئے

(توجہ ہو کہ ساری کتاب میں بعض مقامات و شخصیات کے نام بتصرف شعری استعمال کیے گئے ہیں)۔

دفتر دوم

تلخیص

مجلسِ مشاورت جم گئی۔

ابلیس کی طرف سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا بازیابیٔ فردوس کی خاطر دوسری لڑائی کا خطرہ مول لیا جائے؟

بعض تند خو جنگ جو تائید میں ہیں، بعض ایسے انتہائی اقدام کے مخالف، آخر میں اس پر اتفاق رائے ہوتا ہے کہ ایک جہانِ نو کی تخلیق کے متعلق جو آسمانی روایت گشت کر رہی ہے، اس کی تفصیل معلوم کی جائے اور یہ تصدیق کریں کہ جو عجیب مخلوق وہاں آباد ہے، ان سے لگا کھاتی ہے یا ہیچ ہے۔ ابلیس اس جہانِ نو کی بابت انہیں پہلے بتا بھی چکا تھا۔

اب یہ دگدا کہ اس ادق تحقیق کا بیڑا کون اٹھائے۔ بالآخر سرغنۂ کبیر ابلیس کی تنِ تنہا اس سفر پر آمادگی۔ تب تو اس کی اور ہوا بندھتی ہے، زندہ باد اور مرحبا کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مجلس برخاست ہوئی۔ حاضرین منتشر ہو کر سیر تفریح اور میلوں ٹھیلوں میں وقت گذارنے لگتے ہیں کہ ابلیس کی مراجعت تک اپنے اپنے ذوق کی تسکیں کے ساماں بہم پہنچائیں۔

ابلیس اپنی سنگین مہم پر روانہ ہوا۔

دوزخ کے مہیب دروازے مقفل ہیں اور ان پر خطرناک داروغہ اور دربان متعین۔ بصد دقت باز ہوئے اور یہ بروں آیا۔ پھر جو دیکھا تو جنت دوزخ کے درمیان ایک بحرِ ناپیدا کنار حائل و حاجز ہے جسے پار کرنا جان جوکھم کا کام ہے۔ اس علاقہ کا چودھری اختلال اس کا مددگار بن کر اسے دنیائے نو کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

سونے چاندی کی راج گدی پر.....
ہرمزو ہند کے خزائن سے بیشتر آب تاب جس کی تھی،
زرفشاں، زرق برق شرق جہاں
ہاتھ دھنوان سچے ہن موتی بوہیں راجاؤں کے سروں پر سے.... (سخی، مالدار)
جلوہ افروز تمکنت سے تھا--- اہرمن (سرغنہ بہ اہلیت)۔
یاسیت سے ملی خلافِ امید جب رہائی تو کیا ترنگ میں وہ
سرفرازی کے خواب لینے لگا۔
کس قدر اضطراب، دو دو ہاتھ، رائیگاں ہی سہی مگر ہو جائیں
پھر بہشتِ بریں کے والی سے۔
خام، بر خود غلط، فریب زدہ یوں ہوا بے گمان حرف زناں:۔
"اقتدارو، حکومتو اونچے آسماں کے بزرگ او تارو!
خواہ کیسی شکستہ و خستہ، دھیرج اس بات سے برابر ہو
آس، وشواس اتھاہ ساگر میں ڈوب سکتی نہیں امر شکتی۔
میں نہیں مانتا کہ ہے فردوس واقعی اپنے حق میں گم گشتہ،
بالیقیں بعد اس زبونی کے ہم علوئین بن کے ابھریں گے۔
یہ کمال وزوال ناٹک ہے، بسکہ سرّاً بھی ہے پسِ ضرّاً (دکھ کے بعد سکھ)
گر بلندی شکوہ افزا ہے تو یہ ردِّ عمل ہے پستی کا۔
ہم ہیں خوداعتماد، دیگر بارشوم بختی کا حیف اندیشہ۔
متعین ہوا تھا صبحِ ازل ہاں بجا قائدِ ملائکہ میں، حق بحقدار کا معاملہ تھا،
شاملِ امرتب مشیت تھی، اب میسر تمہاری یہ تائید۔
ہوں سزاوارِ منصبِ اعلیٰ

میں تدبر کا پیک شوریٰ میں، جنگ میں پیکرِ تہور میں۔ (قاصد)
ماسوا یہ شکستِ عبرتناک (باہمہ ایں تلافیٔ مافات)
تختِ بے مدعی کی ضامن ہے۔
میں بزورِ حمایتِ اجماع نعرہ زن ہوں --- اناولا غیری۔
بات واضح ہے ہو اگر بالفعل جنتِ عَرْضُہَا السَّمٰوٰتُ،
اس حسیں ناحیہ میں اہلِ نعم چشم آشوب بن بھی سکتے ہیں
بہرِ اصحٰب فی عذابُ النّار۔
ہمسری کا ہے کون سودائی اس سے اتمّ ستھان کے ناتے
جو مہادیو کے نشانے پر سینہ تانے کھڑا ہو --- یہ بپتا
کشٹ کتنی ہے کوئی کیا جانے۔
ہو اگر سعی مہمل و مجہول، کیا محل ٹھوٹ سرپھٹّول کا،
ہم جہنم میں ہیں یہاں کس کو گوئے سبقت ربودنی کا فتور،
کون ایسا سفیہہ یا کودن، کون اس اوکھلی میں سر دے گا؟
کون، ہو جان پر بنی جس کی، ایسا مورکھ ہے، من چلے پن سے
اور جھنجھٹ کٹھن سنگھیڑے گا؟
صورتِ حال ساز گار ہے پس۔ متحد، منضبط، منظّم ہم
(جس کا امکاں فلک پہ تھا کم کم)
مدعی ترکۂ قدیمی کے --- جس کے ہم وارثانِ برحق ہیں،
بازیابی کے اس جدال میں تو
کامرانی سے ہمکناری میں لازماً" آج کامراں ہوں گے۔
کون سا بہترین حربہ ہو؟ لام یا گھات، داؤ یا دھاوا؟

کارگر گُر کی بات کرنا ہے' جو پتہ کی بجھا سکے۔ بولے!"

چپ ہوا وہ قریب حاضر تھا لب کشائی کو ہمنشیں مالوق

صولجاں دار شاہ' طیفِ ژیاں۔ (عصا)

جو فرشتے ستیز کار ہوئے سرِگردوں' بڑا دبنگ ان میں'

ترشروئی و تند خوئی پر یاس دو آتشہ ہوئی جیسے۔

حیّ و قیوم کے (بزعمِ خویش) وہ مساوی 'نہیں تئیں اس کے

سب وجود و عدم برابر تھا۔

ہو تمنائے زیست اگر' ڈر ہو' ورنہ دوزخ کہاں کی' یزداں کیا

گو شمالی و سرزنش کیسی ؟

تھانڈر بے لگام بنکارا: "میری مانو تو بول دو ہلّہ --

میں یہ شیخی نہیں بگھارتا ہوں ہے دغل میں گراں مرا پلہ' (مکاری)

یہ مبارک انہیں جو ہیں پُرکار' لامحالہ جو سخت واقعہ ہو۔

بات سیدھی سی تابہ کے باہم گرم کج بحثی چناں وچنیں؟

کیا لکھو کھا جوان بکتر پوش منتظر ٹکٹکی لگائے رہیں

کب اشارہ ملے کہ چڑھ دوڑیں۔

یہ بھگوڑے سؤرگ کے چپ چاپ توڑ کر ہاتھ پاؤں بیٹھ رہیں

شاکر اپنی فردوگہ کے عوض ایسے منحوس' پوچ' گھپ بھٹ پر

اس کی قہاریت کا بندی گھر' حکمرانی ہوئی جسے مقدور'

ہم رہیں گومگو کے عالم میں۔

مامضیٰ' چاہئے ہمیں فی الوقت عزم بالجزم' اک امٹ جذبہ' (جو ہوا سو ہوا)

سار بوہار' ہم مسلح ہیں دوزخی لاگ آگ لاٹوں سے۔ (اسلحہ بند)

پیشقدمی ہو جارحانہ اب آسماں کے رفیع برجوں پر'
قہرماں کے خلاف ٹکرائے مہلک آلات بن کے مظلومی'
اس کی اسپات توپ کی گنجار اپنی ہڑبونگ میں نہ کان پڑے'
غل و غوغائے غدرِ طاغوتی۔
خیرہ بجلی پہ کوند کر برسے تیرہ کجلائی آگ کا تاؤ
پیہم اس کے ملائکہ پہ --- سعیر'
اس کی کرسی لپیٹ میں آئے اس مرکب تتار کی گوگرد (گندھک)
اور اگیا بتال ایندھن کے ---- ہر بلا آں جناب کی ایجاد' (چھلاوا)
اور خود کردہ را علاجے نیست۔
پھر یہ دھڑکا کٹھن ہے پگڈنڈی' ڈانگ پر رینگتی گگن کی اور'
اس پہ چڑھنا کڑا ہے آڑے پنکھ'
اس سمے جب ڈٹا مچان پہ ہے وہ مہابیر' وہ مہابیری۔
وہ جنہیں یہ وچار ہے --- پہ نہیں
شل بھلاؤ تلاؤ سے چھک کر الکسی تلچھٹوں کے کاس ابھی'
وہ سنیں' راس چکرورنَ کی ہے جنم بھوم تک انوپ اڑان'
آتمائی وجود یہ منڈلی گھپ کڈھب گھاٹیوں میں جا اترے
اور کھڈ کھائیوں میں گڑ جائے۔
یادِ ایام --- ہو ذرا احساس جب معلق تھا دشمنِ خوں خوار
ساقۂ منہزم پہ لاف زناں'
بھد اڑاتا ہوا' تعاقب میں تابہ تحت الثریٰ --- وہ پسپائی --
چور' مجبور' مضمحل مفرور' من لہو روئے' مان چکنا چور۔

سہل ہے پھر عروج --- البتہ واقعہ سے ہیں دل سراسیمہ -
آؤ شوشہ نیا کھڑا کر کے ال قوی کو چراغ پا کر دیں'
آتشِ قہر خوب بھڑکائیں' تند شعلوں میں ہم بھسم ہو جائیں'
ہے سقر ہی مقر تو فرق نہیں جس طرح قلع قمع ہو جائے-
اس اگن بھوم میں تو جھونک دیا اور بدتر بھی ہے ٹھکانہ کیا؟
اف بہشتِ بریں سے حکمِ سفر' - ٹھاہ یہ ٹھوٹھ ٹھور ٹھیّا ٹھاہ! (برباد)
حیف یہ قعرِ نحس پروردہ اور ہم لوگ راندۂ اندوہ'
درد کی تیز تیز ٹیسوں کے تختۂ مشقِ بے اماں ہر دم-
ہو افاقہ (شفا تو کیا ہو گی) کوئی صورت نظر نہیں آتی'
قابلِ دار' موردِ زنجیر' ہم بساطِ عتاب کے مہرے
یہ کٹھن وقت' یہ کڑا کوڑا' حکم یہ ہم پر اٹیچت کر لیں' (توبہ)
یہ ہے امرِ محال' ہم چاہیں خود مٹیں یا کوئی مٹا ڈالے-
وسوسہ یا گماں ہے کچھ اب بھی ؟
کیوں دلائیں نہ اشتعال ایسا ہمیں فی النار وہ کرے فی الفور
خاک ہو جائے لابُدی جوہر --- فِیہا ہے بدرجہا' کہ رہیں
حرزِ آفاتِ جاوداں ہو کر'
فی الحقیقت اگر یہ قدوسی جوہرِ جاں فنا پذیر نہیں
تو بھی اس حالتِ زبوں پہ تفو' ایسی ہستی ہے نیستی گویا-
ہر قرینے سے یہ نمایاں ہے' ہم میں بوتہ ہے عرش اعظم کو
حسبِ منشا کریں تہ و بالا-
ولولہ خیز غلغلہ' ہلّہ' ہلا آکال تخت لرزا دیں'

وہ اگر دسترس سے باہر ہے' اور اغلب نہیں ظفرمندی'
نہ سہی' لیکن انتقام کی آگ (میرے احباب) کچھ تو ہو ٹھنڈی۔"
کی زباں بند اس نے' چیں بہ جبیں' تھی ملامت نگاہ میں' کیوں ہو
جذبۂ انتقام امید شکن۔
آنکھ میں تھے لڑائی کے تیور' عندیہ صاف واشگاف کہ ہوں متصادم ملائکہ باہم۔
دور کونے سے اب اٹھا بلیلؔ --- نرم خو' صاف گو' شگفتہ رو
آسماں سے ہوا نہیں ہو گا کم طرحدار وصف میں ایسا'
کرّوفرِ سلیم کا حامی' کاروبارِ عظیم میں نامی۔
اب مگر وہ تکا کرے تھا کھڑا' ایک ہُو کا سماں' نری چھایا۔
بلیلِ طوطئ شکرخا جب بات امرت چُوائے کانوں میں
صائب الرائے اہلِ بنیش بھی بوکھلاہٹ سے گنگ ہو جائیں۔
خاص فکرِ رسا سے وہ محروم' تھا ہمیشہ رجوع بالمنکر' دائماً منحرف عنِ المعروف
تاہم اس قولِ خوب کے مصداق
کتنے شیریں ہیں تیرے لب' کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا'
ہے وہ رطب اللسان سرِ مجلس بہرِ ترغیب نرم لہجے میں:۔
"ہمسرو' ہم نژاد ہم زادو! دشمنی میں نہیں ہوں میں ہیٹا'
میں بھی تائید تو ضرور کروں بے تکاں کشت و خوں کی--- البتہ
فوراً" اعلانِ جنگ میں مانع یہی منطق ہے قاطعِ برہان
فتح میں بھی شکوک فطری ہیں۔
وہ جولاتا ہے بیچ میں تلوار بات کرتا ہے جھٹ لڑائی کی
وہ ہے اپنی شکست کی آواز'

ہے ہر اس وفنا کے پاٹوں میں ریزہ ریزہ دلاوری اس کی۔
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے --- انتقام' انتقام' خون کا خون'
کچھ تو بتلائیں کون سا بدلہ اور کیسے قصاص میں یلغار' گھات شب خوں کمیں' یہ کیوں آخر'
(آزمودہ را آزمودن جہل!)
آسماں کے تمام برجوں پر سخت ہتھیار بند پہرے ہیں
سوئی کا بھی گزر محال ہوا۔
جابجا سرحدوں میں اندر تک چھاؤنی چھائی ہے عساکر کی'
نرم پرواز مخبروں کے پرے پھر رہے ہیں قراؤلی کرتے'
شبِ یلدا کی اس قلمرو میں کوئی غفلت زدہ نہیں --- ورنہ
ان پہ ہم ناگہان ٹوٹ پڑیں--
مسئلہ یہ ہے--- اور یارا ہو صف بہ صف ان میں ڈال دیں رخنہ'
حملہ آور عقب سے دوزخ کی دندناتی ہوئی کمک پہنچے'
اور آکاش کی تجلّی کو گھورتا کے شدید ریلوں سے ملگجا ملگجا دھواں کر دے۔
تب بھی لیکن ہے یہ قوی امکان
وہ حریفِ کلاں' خدائے بزرگ' لم یزل' دام قائم بالذّات
وسیع کرسیہ' منیر چراغ'
قدرتِ کاملہ سے یہ اپنا فتنۂ سرکشی کچل ڈالے۔
بے کثافت کرے لطافت کو' بارِ دیگر بھی سرخرو نکلے۔
دے ہزیمت کہ آخری امیدیاس کی قبر میں اتر جائے---
آؤ اس فاتحِ ازل کو ہم اور ناراض و خشمناک کریں'
اس کی برقِ غضب بھسم کر دے' کھیل اپنا تمام ہو جائے۔

نیستی میں نجات مضمر ہے --- دلشکن مشورہ ضرور سہی'
سابقہ مرگِ ناگہانی کا' اور کس کو نہیں ہے جان عزیز --
غم رسیدہ' فلک زدہ' مطرود' کب رضامند ذی شعور اس پر (ف)
کہ رسا فکر کالعدم ہو جائے جو ابد کی حدوں کو چھوتا ہے'
وہ شبِ زشت و نادمیدہ کی گھور گھمبیر کوکھ میں کھو جائے'
بے حس و بے حیات ہو جائے --- لمحۂ فکریہ --- سند کیا ہے
بخت ہو سازگار' کیا قہار قادرِ مطلق و مجاز نہیں ؟
یہ عقیدہ بھی ایک خوش فہمی وہ علیٰ کُلِّ شی قدیر نہیں-
وہ روادار ہو نہیں سکتا کہ ہمارا ہو خاتمہ بالخیر'
عقلِ کُل ہے کرے گا کاہے کو ایک دم وہ نزولِ اَلرجفہ' (زلزلہ)
کیا نہیں ذات پر اسے قدرت' یا وہ رمز آشنا نہیں اتنا
کہ عدو کی مراد بر آئے وہ اگر واقعی تلف ہو جائے ؟
وہ مہادیو خوش ہو گر جگ مجگ ہم جئیں اپنی کرنی بھرنی کو
ایسے حالات میں ذرا سوچو نیک انجام ہو تو کیوں کر ہو ؟
حامیٔ خوں خرابہ کہتے ہیں
ہم پہ پھٹکار پڑ چکی' اپنے بھاگ میں تو سدا بھٹے کھٹ راگ'
اپنا لہنا خراب ہے اب بھی' آگے آگے بھی شامتِ اعمال
جو دکھائے سو دیکھئے ناچار-
حرج کیا پھر جہاں ہے ستیاناس واں سوا ہو ہمارا ستیاناس'
واقعی کیا بنی بری درگت' یوں جو ہتھیار بند بیٹھے ہیں
اب مشیر و صلاح کار بنے-

کیا مصیبت تھی جب مچی بھگدڑ سر پہ ہم پاؤں رکھ کے بھاگ اٹھے'
آسماں سے عقب میں برساتی آگ بجلی' کبھی کڑک کوڑے'
ہانپتے کانپتے بلکتے ہم ایسے اندھے کنوئیں میں آن چھپے'
عافیت خانہ بن گیا ہم کو یہی پاتال ان قروح کے بعد' ایسے خوننا ب' خونچکان قروح' (زخم)
اف خرابی و خواری و خجلت ---(توبہ فاعتبروا اولی الابصار)
پھر وہی دھونکنی کہ رکھتی ہے آتشِ التہاب کو سوزاں
دفعتہ "گرم نفخ ہو جائے'
تاؤ اس کا بڑھا کے سات گنا اس الاؤ میں جھونک دے ہم کو۔
فوق سے بے دریغ وقفہ واردق کرے بازوئے قصاص ہمیں'
تفتہ و احمرین دایاں ہاتھ کھول کر سب جہنّموں کے گدام'
آبشاریں انڈیل دے سیّال سرخ لاوے کی چرخِ نانجار'
غول منڈلائیں' ہول دہلائیں' ڈائنیں یوں ڈراؤنی ڈس لیں
کہ ہمیں وہ تہس نہس کر دیں۔
ہوں جو بہرِ مقاتلہ تیار' ڈھنگ سوچیں مقابلہ کا مہیب
تو ہمیں آگ ریل کر پٹخے' گاڑ دے سنگلاخ ٹیلوں میں'
ہم کھلونے قضا کے ہاتھوں میں' ہم دمادم ہدف بگولوں کے۔
آتش افشاں سموم و صرصر کے بحرِ بے تہ میں پابجولاں غرق
بے سہارا' نہ یار' نے یارا'
دکھ نراشا کے گھور کل جگ سے رستگاری نہ ہو' ہمارا وہ
سخت انجام' شاق' نافرجام۔
حربِ خونیں بنا بریں یکساں ہو نہاں' یا عیاں --- نہیں منظور

اس کی تائید میں نہیں کرتا -- ہے دغا بھی وغا بھی لاحاصل،
وہ نظر غیب دانِ کون و مکاں، وہ بصیر اس سے چالبازی کیا،
اپنی ہر سعیٔ رائیگاں کا ہے عرش سے وہ ملاحظہ فرما،
بلکہ ہیئت کذائی سے محظوظ۔
نہیں بلونت اگر کہ بل بوتے وہ ہمارے نکال دے کس بل
تو بھی حکمت سے فتنہ و شر کا ساتھیو۔ سدِّباب کر دے گا۔
کیا رہیں ہم سدا لعین و رجیم، ہم سماوی الاصل شوریدہ،
مبتلائے صعوبت و نکبت، بلکہ پابندِ زاری و منت ؟
خوب ناخوب سے مگر ہو گا تم اگر گوشِ ہوش سے سن لو،
ہم گرفتار ہیں مشیت کے، پابہ زنجیر ہیں مقدر کے،
کب کسی کو مفر ہے شدنی سے، مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ ....
نازل افتاد ما یرید اللہ، جبر قسام سے ودیعت ہے۔
اس عذابِ حریق کا یارا ہے کسے، کس میں اس قدر دم خم ---
ابلہی کا ازالہ کیا، زیرک ہو حریفِ جری پہ یلغاری
اور قرائن کا تجزیہ نہ کرے۔
خندہ زن ہوں کہ بان برچھی کے یہ دھنی ساونت ایک بار ان کے
پاؤں گھمسان رن میں گر اکھڑیں، کیسے بگٹٹ فرار کرتے ہیں۔
گرچہ خمیازۂ شکست عیاں --- دربدر، رہنِ جبر، خاک بسر
کوئی آزار، سرزنش کوئی غازیٔ وقت جو کرے صادر،
بس یہی عاقبت ہماری ہے۔
پائے ہمت نہ ڈگمگائے اگر، دکھ یہ برداشت ہم کڑا کر لیں

نرم ال منتقم پڑے شاید -- درمیاں اک دراز فاصلہ ہے'
ہم اسے زچ اگر نہ اور کریں کر چکا جو مواخذہ ہم سے
وہ اسی حد پہ اکتفا کرلے'
بھٹیاں اگنیوں کی مدھم ہوں' وہ نہ دھونکے مزید شعلوں کو
اپنا یہ جوہرِ منزّہ ہو بد بخارات پر بکھر کر سلب'
منقلب یوں کہ ہم قوام بنے اس ہمارے رباطِ سفلی کا'
آتشیں موسموں میں مدغم ہم پھر رہیں شادماں (سمندر سے) (آگ کا کیڑا)
رگِ احساسِ درد شل ہو جائے۔
ہیبتِ بے امان نرم پڑے، ظلمتِ بے قیاس ڈھل جائے۔
ماسوا-- رخشِ وقت رو میں ہے' دمِ فردا سے لو لگائیں کیا'
سرزداب اتفاق کیا ہو گا' کون سا انقلاب آئے گا'
جو سزاوارِ انتظار بھی ہو ؟
یہ شب و روز' گردش و احوال' ہیں بھلے یا برے غنیمت ہیں'
ورنہ اپنی یہ شامتِ اعمال لاطبیبُ لہا ولاراقی' (نہ جھاڑ پھونک)
گر بہ مانیم زندہ بردوزیم' جامۂ کز فراق چاک شدہ !"
تھی یہ تقریر دلپذیر اس کی----
ہوشمندی کی اس عبارت میں صاف مفہومِ تن پسندی تھا'
الکسی شانت کا مہابھاشن --- شانتی' شانتی کہاں لیکن'
رائیگاں --- ہائے وائے واویلا !"
وہ ہوا چپ تو لکشمی بولی : "معرکہ' معرکہ' بلے معقول'
پادشاہِ ازل ہلا معزول' چھن گیا جو طلب کریں ترکہ'

بسکہ ممکن معطّلی اس کی ایک صورت میں ہے --- اٹل تقدیر
متلون حدث سے پٹ جائے یا ہیولیٰ نزاع نمٹا دے۔
دوسری بحث سے ہوا ثابت کہ ہے پہلا خیال محض عبث'
ایک امید احمقانہ سی۔
سرحدِ آسماں کے اندر تو داخلہ راندگاں کا مشکل ہے'
ہاں جلالتہ مآب عرش نشیں زیر کر لیجئے تو --- البتہ!
اَرْحَمُ الرّاحمین' فرض کرو' لطف فرمائے مکرمانہ ہو'
از سرِ نو' بطیبِ خاطر ہم طوقِ طاعت جودر گلو کر لیں۔
جائے افسوس' ہم حضور اس کے دست بستہ' مودّب استادہ
پھر ہوں شرعِ متین کے پابند' منعقد جشنِ عیدِ کرسی ہو'
اس کی مدح و ثنا بیان کریں' گائیں حمدِ الوہیت بالجبر'
سامنے وہ غنیمِ اکبر ہو متمکن بہ شانۂ جلّ'
اس کی قربان گہ مشامِ جاں بوئے عود و گلاب و عنبر سے
خوش بخورات' نذر گذرانیں'
کیا فلک پر سدا بھریں بیگار اور یہ وجہِ ابتہاج بھی ہو؟
سرکش اس ذات کے' اسی کے حضور سر بہ سجدہ رہیں عقیدت سے
تابد ہم ---- بڑا اجیرن ہے!
جب ہے ناممکن الحصول تو پھر کوششِ رائیگاں سے فائدہ کیا؟
سعیٔ مشکور دستیاب کرے --- ہے نہایت ہی ناپسندیدہ
پر تلہ زرنگار چاؤشی' لاکھ ہو قلعۂ معلّیٰ میں۔
خوب ہو' خیر کو اگر بالذّات ہم بہ نفسِ نفیس ڈونڈھ سکیں'

(ہرچہ برماست بالیقیں ازماست)
اپنے دم سے کریں گذراوقات اسی کنجِ بسیط میں آزاد
یہاں تشویشِ باز پرس نہیں۔
طوقِ زرین و مخملیں پاپوش قیمتی حریت سے کم تر ہیں
حریت صبر آزما بے شک۔
دھاک بیٹھے گی خوب عظمت کی جب کریں گے کمالِ فن سے ہم
ہیچ اشیاء اہم، مضر نافع، خشک سرسبز، ---- کوئی ہو ماحول
نامیہ نحس میں حیات افزا۔
ہم بزور و جفاکشی کردیں حیف کو کیف، درد کو آرام۔
کیا یہ سچ بات ہے ہمیں گہرے ظلمتستاں سے ہول آتا ہے؟
کیا سرِعرش آنجناب، وہی مالکِ دوجہاں نہیں اکثر
خود اقامت پسند فرماتا گنجلک، ملگجے سحابوں میں،
سطوتوں کا مظاہرہ آرا،
آڑ بھی تہ بہ تہ سیاہی کی ہو مہیا رفیع کرسی کو؟
گھن گرج، رعد کی مہیب ندا، ڈال دیجے بہشت دوزخ میں،
وہ اندھیروں میں پھینک سکتا ہے دھاندلی سے ہمیں، تو پھر ہم بھی
روشنی پر کمند ڈالیں گے۔
کیا لق و دق زمیں ہے بیگانہ فرطِ تابانیٔ نہانی سے
گوہر و زر سے؟ ---- بس نہیں درکار کوئی ایسا ہنر نہ استعداد
ڈھونگ اعزاز کا رچانے کو ---- رنگ کیا کیا فلک بدلتا ہے،
عین ممکن مرورِ وقت کے ساتھ کربِ جاں جزوِ ذات بن جائے،

لمس ایسا جلن میں رس بس جائے(تل ماں جیوں تیل' آگ چمکک ماں)۔ (لوک بول ہیں)
ہو چکی اب یہ صورتِ حالات ۔
امن ہی میں نجات کا چارا' ضبط ہی سے ملے تو چھٹکارا'
اس جتن سے سلامتی کے ساتھ ہم عذابوں کو جھیل سکتے ہیں'
خوں خرابے سے دستکش ہو کر' حال و ماحول کے تعلق سے'
کلمہ سودمند گوش گذار' پند گیر یدازین و خواہ ملال "۔
ختم ہی کی تھی بات' ایواں میں ایسی سرگوشیاں بھنک اٹھیں
کھوہ شوریدہ شور سے اٹ جائے' جیسے ساحل پہ گونج پھیلائے
رات بھر قلزمِ تلاطم خیز'
کوئی کشتی' جہاز یا بجرہ پاس ہی سنگلاخ کھاڑی میں
لنگر انداز اتفاق سے ہو' جب اتر جائے زورِ طغیانی
تو صدائے گلوگرفتہ میں زیروبم ساگری کھویوں کو
لوریاں گنگنا کے تھپکا دے ---- ایسے من لکشمی نے موہ لئے ۔
واہ وا کے وہ ڈونگرے برسے' اسکی باتوں سے رکھل گئیں باچھیں'
شانتی کی کتھا منوہر تھی'
رن سے وحشت انہیں' جہنم کے وہ سلگتے تنور میں خوش تھے'
رعد سے رعشہ' تیغِ میکائل جیسے اب تک ہو ذات میں بُرّاں'
چاہتے تھے اسی قلمرو کو فن و حکمت سے یوں کریں تعمیر
وقت کے ساتھ ساتھ یہ ماحول رشکِ جاں روکشِ جناں بن جائے۔
بالذب نے یہ کیفیت بھانپی'
وہ ہی ابلیس کے علاوہ تھا خوب اونچا براجمان ان میں'

ٹھاٹھ ٹھسّے سے وہ اٹھا جیسے سلطنت کا صمیم ٹھوس ستون'
کندہ ماتھے پہ احتیاط رفاہ '
صاف منہ سے دکھائی دیتا تھا وہ بڑی آن بان کا مونس'
مضمحل سا' مگر نمایاں تھا چہرے مہرے سے رعب داب وہی۔
ایستادہ بزرجمہر ایسا' اس کے مضبوط اٹلسی کاندھے
جیسے نظم و نسق کا بھاری بوجھ سب زبردست راج ورشوں کا
بے تکلف سہار سکتے تھے۔
بالذہب کی نگاہ سے یکدم سن ہوئے کان' رک گئیں آنکھیں
جیسے نصف النہار نصف اللیل ہو وزیدہ صبائے بے معلوم۔
اس طرح وہ سخن طراز ہوا:۔
"خسروانِ سریر آرا اے آسماں کے اثیر اوصافو!
نوچ کر پھینک دیجئے طغرے'
ماہیت قلب کی مکمل ہو' والیانِ سقرلقب ٹھہرے !!
عام جمہور کا ہے یہ میلان ہم بدستور یاں مقیم رہیں'
اس جگہ سلطنت میں تدریجاً" ہوتگ و تازبس اضافے کی۔
عالمِ خواب میں ہیں بے چارے' تن بتقدیر' نابلد قطعاً"
سجن ہے یہ جگہ جہاں ہم ہیں حاکم الحاکمیں کے منشا سے' (قید خانہ)
گو نہیں عافیت کدہ یہ بھی قاہری دستبرد سے بیروں'
اس کی چشمِ کرم سے ہم معزول' بلکہ مقہور و مرتد و مطرود'
اب اسی کی عظیم کرسی کے ہے مخالف محالفہ اپنا'
ہم کہ بے انتہا ہیں دور اس سے جمعبندِ شکنجۂ فولاد' اژدحامِ اسیرگاں صورت۔

ازسمک تاسما مسلط ہے ذات اسی کی، وہ اول و آخر،
وحدہٗ لاشریک، وہ سلطان آہنیں صولجان سے دائم
ہمیں زیرِ نگین رکھے گا۔ ہیں نمک خوار ساکنانِ عرش جیسے زرّیں عصا تلے محکوم۔
ہم یہاں پر فضول ہرزہ کار قضیۂ امن و جنگ لے بیٹھے۔
لام بندی کی طے شرائط کیا، ملتجی ہم، نہ پیش کش اس کی،
صلح زک خوردگاں سے کیا ہو گی،
بس یہی، بدترین نگرانی، شاق دُرّہ، عقوبتِ جاں سوز۔
عوضِ صلح صورتِ تاوان پیش بھی کیجئے تو کیا کیجے،
بغض، عدوان، پرفتور اکراہ، آتشِ انتقام -- لایعنی
سازشِ پے بہ پے کہ وہ فاتح جیت کا فائدہ اٹھا نہ سکے۔
جو بھی اپنی زبون حالی ہے، ہو نہ افشا کہ اس ستمگر کو
توڑ کر بھی ستم، مزہ نہ ملے۔
زعم ہے اس مہم کا عزم کہ ہم چرخ پر بے تکان چڑھ دوڑیں،
اتنی پستی سے ان فصیلوں پر داؤ، دھاوا، گھراؤ --- ان ہونے --
پس کوئی قابلِ عمل نسخہ -- ہے مقام اک، نہیں ضعیف اگر
ملہمانہ حدیثِ دیرینہ تھی جو معروف عرش پر -- یعنی
ایک مسکن ہے --- اک نئی دنیا --- اک نئی نسل ابنِ آدم کا،
جو ہماری مثال خلق ہوئی۔
وہ خلیفہ، وہ اشرف المخلوق، -- آیۂ اِنّی جاعلٌ فی الارض
شان میں اس کی قسمیہ فرمان، جب سرِ عرش انکشاف ہوا
ژرف چرخِ محیط کانپ اٹھا، کھلبلی مچ گئی فرشتوں میں۔

متوجہ ہوں اس کُرہ کی طرف، ہم اسی ضمن میں کریں تحقیق
ہے فروکش وہاں جو ذاتِ شریف، کیسا حلیہ ہے کس خمیر سے ہے،
کن گنوں کا ہے، کتنی بانگی ہے ؟ اسے کمزوریاں ٹٹول کے ہم
حیلہ و مکر سے کریں گمراہ، فسق کردار، ضلّ بن ضلّ۔
عرش اپنے لئے قرنطینہ، رکھتا ہے قاضیٔ ازل تشریف وہاں مصئون اور مستغنی
اس قلمرو کی آخری سرحد، یہ مراغم ہزار زد میں ہوں (مقام، پناہ گاہ)
ذمہ داری دفاع کی ساری اپنے سر ہے، کہ ہم ہیں یاں آباد۔
ہم جو یورش کریں تو ہاتھ آئے کوئی صورت مفیدِ مطلب بھی،
امثالاً"--- یہ کائنات تمام خاک کردیں تپِ جہنم سے، یا بنے وہ کُرہ ہی مقبوضہ
ہم وہاں سے دھکیل دیں باہر سارے کج مج حقیر باشندے،
جس طرح ہم جلاوطن نکلے، یا چلو گر نہ ہوں وہ ارض بدر،
ہم انہیں ورغلائیں، بچلائیں، ہوں شیاطین کے وہ ہم کردار۔
اور پھر آفرید گارِ بزرگ، اپنی مخلوق اس آفرینش سے بدظن و بدگمان ہو جائے
وہ پشیمان، احسن التقویم شاہکاروں کو خود تلف کردے۔
کیسا بھرپور انتقام رہے ! ہم دلیں مونگ اسکی چھاتی پر جو بجاتا ہے دیکھ کر بغلیں
کس مپرسی کا یہ سماں اپنا--(قابلِ دید کس قدر ہو گا، کیسا پرلطف وہ تماشا بھی) !
جوق در جوق جب ہمارے ساتھ سر کے بل آتشِ جہنم میں اسکے دلبند پھینکے جائیں گے،
کوستے پیٹتے وہ بیچارے ہستئی بے ثبات کو---یعنی
چند روزہ بہار کو، روپوش طرفۃ العین میں جو ہو جائے، (آدمی بلبلہ ہے پانی کا)۔
ہے یہ اک کارِلائقہ کہ نہیں لائقِ کاروائی منصوبہ ؟
مشورہ دو، کہو، یہ کر گذریں، یا اندھیرے میں بیٹھ کر ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں بے سود،

وہ ہوائی محل خلاؤں میں، یہ خیالی پلاؤ ذہنوں میں۔"

بالذہب کی یہ فتنہ پردازی جس پہ زورِ بیاں تمام ہوا
ذہنِ ابلیس کا کرشمہ تھی، کارفرمائی فکر کی اس کے

مفسدانہ، پلید یہ حربہ کوئی تصنیف کر نہ سکتا تھا، مقتضائے طبیعتش کینہ۔
چھل سے جدِّ بزرگ (آدم) کو اس کی سیدھی روش سے بھٹکایا،
نسلِ انساں کو شرمسار کیا، جھونک ڈالی زمیں جہنم میں،
خلط ملط اعتدال، بے ربطی، بدشعاری، خراب اعمالی
سارے کوتک وہ آفرینندہ خوب دق، خوب خوب ہی دق ہو۔
یہ الگ بات یاں کمینگی سے واں بزرگی کو چار چاند لگیں۔
اس قدر بے نظیر منصوبہ، چمک اٹھیں تمام کی آنکھیں،
والیان و شہانِ ناشدنی بے تحاشہ وہ خرّم و فرحاں
چیخ کر بول اٹھے بیک آواز -- "متفق متفق" --- تو یہ سن کر
بالذہب ان سے پھر ہوا گویا:۔ "آفریں، فیصلہ یہ مستحسن، قیل و قالِ طویل ختم شدہ!
آید ایں کار --- ندوۃ الاصنام --- از شما و چنیں کنند یلاں۔ (بہادر)
کار دشوار کب ہے گر چاہیں گہرے پاتال سے صعود کریں
ہم ابھی سوئے مرزبومِ عتیق -- ہوں مزاحم قضا و قدر اگر
سہل ہے پھر بھی، فائدہ لے کر ضوفشاں سرحدوں کی جھلمل کا، کام میں لائیں عربدی آلات،
متصل یورشِ مساعد سے بابِ فردوس خود پہ وا کر لیں
منطقہ باردہ میں ہوں آباد، آسماں کی لطیف تابانی، گرد جس کے طواف کرتی ہے،
پرِ توخور کا ایک لشکارا گھپ گھنی تیرگی کرے کافور
طرفِ خاور سے ضو ہویدا ہو --- نرم بادِ صبائے لطف چلے

جس کی مہکار نوشدارو ہو بہرِ ناسور وریشِ سوزندہ۔
مسئلہ یہ ہے' بولئے' پہلے پئے دریافتِ جہانِ نوی
کون بلوان ہے کمربستہ؟ کون ہے جو حریف ہوتا ہے مئے مردافگنِ زمانہ کا؟
کون آوارہ پاہے آمادہ رہروِ راہِ منزلِ شب ہو؟ کل پاتال اتھاہ بے ڈانڈا۔
کون ابہامِ حس گرفتہ میں رستۂ بے قیاس کھوجے گا؟
گرم پرواز صورتِ عنقا ہو خلائے بسیط پر پہلے
پھر سلامت زمین پر اترے --- وہ جزیرہ نجستہ و خورسند؟
کون سا شعبدہ مؤثر ہو' حیلہ اعراض کارگر کس طور
کیسے کینڈے کی نیروئے بازو جب فرشتے ہیں پاسباں چوکس' (طاقت)
گنجلک چوکیاں قدم بہ قدم ---- احتیاط اور حزم ہے درکار۔
ہم کہ رائے دہی میں بھی یارو ہو نہ یارائے انتخاب ہمیں۔
اس چناؤ پر انحصار مدار' اس پہ ہی آخری بھروسہ ہے' کون شایانِ اعتماد جری۔
قرعۂ فال کس مہم جُو کے نام پڑتا ہے' کس بہادر کو یہ مہم اب سپرد کی جائے؟"
وہ تو اعلان کر کے بیٹھ گیا'
صاف بیم ورجا کی کیفیت آشکارا تھی' دھکدھکی دل کو
کون تائیدِ امر کرتا ہے' کون دیکھو خلاف بولتا ہے'
جان لیوا تھا' پر خطر اقدام --- کون بیڑہ اٹھائے گا اس کا؟
لیکن ایسا سکوت طاری تھا جیسے ہر اک کو سانپ سونگھ گیا' دھیان سب کا پڑا تھا جوکھم میں۔
چہرے حسرت نما بیک دیگر' اڑ رہی تھی ہوائیاں' فق رنگ'
ان فلک جنگ سورماؤں کے چیدہ و برگزیدہ ٹولے میں
نہ رضامندی کوئی جیوٹ' نہ کسی کی یہ پیش کش --- چل دے سفرِ جانگداز پر تنہا۔

آخرِ کار حال مست ابلیس، شرکائے نشست میں ممتاز
بوجوہِ شکوہِ جمجاہی، کجکلاہانہ طنطنے کے ساتھ
نشۂ احتشام میں سرشار، ان تحیّرزدوں سے یوں بولا:۔
"اے علوئیں نژاد فرگاہاں!
یہ پس و پیش یہ سکوتِ گراں بے سبب بھی نہیں ہویدا ہے۔
(ہے عناصر میں اعتدال مگر) پُر محن بھی دراز بھی رستہ
کہ جہنم سے ماورائے خلا سوئے خلدِ بریں نکلتا ہے سخت سنگین قید خانہ ہے۔
یہ بھڑکتے ہوئے محدّب ہون ہمیں نو دائروں میں گھیرے ہیں،
بھینٹ کی طرح ہضم کرنے کو --- آگ اگلتے ہوئے اٹل پھاٹک
بند کس کر ہیں اور ہے مسدود راستہ تک فرار کا ہم پر۔
گر بچا کر نظر --- بفرضِ محال --- پار ہو جائیں، ایک ژرف خلا --
شبِ یلدائی لابُدی، تیار اپنی آوَ بھگت کو منہ پھاڑے، ہستیٔ کالعدم کا اندیشہ،
خشک بنجر خلیج میں بھرلے، یوں نگل لے، ہمیں ہڑپ کر لے!
بچ کے نکلیں تو اور اک گیتی، منطقہ کوئی اور نامانوس،
پھر ہمارے لئے جھمیلہ ہو پائے ماندن نہ جائے رفتن کا۔
جان جوکھم کی دکھ بھری دھرتی، صاف جس کا نہیں محلِّ وقوع یا نکل بھاگنے سرنگ نہیں۔
اے مرے ہم جلیس ہم چشمو، کب مجھے تاج و تخت زیبا ہے۔
جو مفادِ عوام کا قضیہ کوئی درپیش ہو دقیق ادق اور میں عذر جُو گریز کروں۔
(امتیازاتِ خسروانہ، یہ چتر، اکلیل، مروحہ، اورنگ) (مور چھل)
اختیاراتِ پادشاہانہ ارتجالاً" نہیں ہوئے تفویض،
گر ہوس ہے، چلے مراسکہ بحر و بر میں تو چاہیئے مجھ کو تخت و تختہ توام کروں تسلیم۔

مسندِ گل سہی بساطِ شہی، یہ کٹھن سیج بھی ہے کانٹوں کی! آزمائش کڑی جو شان بڑی۔
پس معزز عظیم سردارو، (راندگاں) آسماں کے تاتارو،
"خانۂ انوری" تمہیں سونپا، دیس جانو جہاں کرو بسرام،
جس جگہ بیٹھ کر ذرا پی لی، میگسارو وہی شراب کدہ۔
سعیٔ ردِّبلا کرو کہ بنے عافیت زاریہ الم خانہ،
جوفِ دوزخ میں کچھ قرار ملے اس قباحت محل کے دکھڑے کو
جھاڑ، منتر، فسوں، دوا، دارو مل سکے جس جتن سے بھی دھیرج،
اس ادھک کوڑھ کا اپائے کرو۔
اس خبیر و بصیر سے ہشیار، وہ عدوئے ازل کہ گھات میں ہے۔
میں دساور کو، شور دریائے بربریت کے ساحلوں سے پرے
جستجوئے نجات میں رخصت، تاکہ ہم سب سے یہ عذاب ٹلے،
اس تگاپوئے روح فرسا میں کوئی میرا نہ ہمسفر ہو گا۔"
یہ جلالت مآب فرما کر اٹھ گیا، تھی جواب پر قدغن،
دور اندیش تھا، مبادا شہ اس کے عزمِ صمیم کی پاکر
کچھ وڈیرے ہوں معیت پہ مصر، تذکرے سے جو کانپ اٹھے تھے،
لے نہ گر ساتھ انہیں تو اندیشہ منکرِ اہرمن نہ ہو جائیں،
مفت بیکار نام میں حصہ، جان جوکھم سے جو کمائے وہ۔
اس کے حکمِ زبان بندی کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔
دم بخود اس کے عزمِ پختہ پر سب لہٰذا وہ ہو چلے برخاست
اک قیامت مگر ہوا اٹھنا، وہ کڑک جیسے زور کا کڑکا،...
اس خداوندگار کی ہیبت، کون سا دل نہ دھک ادھک دھڑکا،

سب جھکے، کورنش بجالائے اور یوں ہو گئے قصیدہ خواں
جیسے مردانِ حق پرست کریں وردِ اَلحمدُ ربِّ دو عالم۔
پھر یہ اعلامیہ بہانگ دہل -- "واجب الاحترام یہ ہستی
اس نے جمہور کی فلاح پہ خود زندگی داؤ پر لگا دی ہے!"
لاکھ ارواح راندہ و ماندہ خوبیوں سے نہیں معرا ہیں،
بدنہاد و خراب خو انساں ناحق اپنے عمل پہ نازاں ہے،
سب دکھاوا ہے نیک چلنی کا، سب نکوئی نموداری ہے،
مومناں شکل، کافراں کرتوت، صاف پیتل پہ جھول چاندی کا!!
مشورے عزم نحس آلودہ، ختم کر کے وہ مطمئن اٹھے، اپنے جانباز امیر پر نازاں۔
قلّہ کوہ سے گھٹا گھنگور چرخِ نیلی کا ڈھانپ دے چہرہ اور بادِ شمال تھم جائے،
تاؤ میں تند چڑچڑے عنصر برف زالہ انڈیل دیں سارے تیرہ و تار منظر ستاں پر،
یا وہ ساعت کہ زرفشاں سورج آتشیں رنگ تمتماہٹ سے
شام پر واپسیں نظر ڈالے (اور منظر ہوں دلکشا جیسے).....
لہلہانا چمک میں کھیتوں کا، چہچہانا مزے میں چڑیوں کا،
چین سے ریوڑوں کا ممیانا --- کوہ و وادی میں کیا بھلی گنجار۔
ہے ملامت کی جا بنی آدم، مبتذل اور پوچ دو شیطاں،
مخلص اک دوسرے سے ہوں اتنے، اور حیوانِ باشعور انساں دھینگا مشتی، فساد دنگے میں۔
رحمتِ حق پہ ہے مگر تکیہ، ہے کشادہ امید کا دامن،
جس خدائے بزرگ و برتر کی ذاتِ اقدس تمام امن، سلام۔
بغض میں، دشمنی میں، جھگڑے میں ابنِ آدم کے روز و شب گذریں
قتل، خونریزیاں، دہائی ہے، جنگ ہے، لام ہے، لڑائی ہے.....

سارا ناٹک ہے یفسدُوافی الارض۔
وہ گھڑی جب بہم ملے شیطان' وہ گھڑی ہے اسے خبر ہی نہیں'
اس کی بربادیوں کی سازش ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں'
ناک میں آدمی سے بڑھ کر ہے آدمی کا زبوں خبیث عدو'
سعیٔ پیہم میں رات دن اس کا دہر سے نام تک مٹا ڈالے!
پس نشستِ سقر ہوئی برخاست'
سارے منحوس طرّے باز ملک میر ترتیب وار رخصت ہیں'
درمیاں ان کے وہ گورو گھنٹال' اہرمن' ایک دشمنِ ہرمزد'
وہ جہنم کا تاجور' بوالہول' شانِ قدسی سے برملا اس کا فرِّ کیخسروانہ چشمک زن۔
گُن اگُن دیوتاؤں کا ہالہ جن کی ڈھالیں مزیّنِ تغمہ'
تیکھے ترشول اٹھائے چار چپیرا اپنے جھرمٹ میں لے چلے اس کو۔
ختم جلسہ بخیر و خوبی ہے' کامیابی کے شادیانے تھے' سیر حاصل مذاکرات رہے۔
منہ کئے چار کھونٹ چار اوتار پھونکتے ہیں شتاب نرسنگھے
اور بھیانک دھنوں میں لفظوں سے وہ جگاتے ہیں سحر معنی کا۔
غلغلہ' گنبدِ جہنم میں دور تک بازگشت آتی ہے'
جھنڈ کے جھنڈ' جابجا چنڈال وہ دھما چوکڑی مچاتے ہیں'
اس کڑاکے کا نعرۂ ہفوات وہ جوابا" بلند کرتے ہیں پھاڑ دیتے ہیں کان کے پردے!
ذہن سے بوجھ اتر گیا سب کے' آس ہر چند تھی سراب آساجی کو ڈھارس بندھا گئی کیا کیا۔
دیو عفریت جوق اندر جوق' شوق و ہیجانِ دشت پیمائی۔
تھے مٹر گشت کو کئی رستے' چل دیئے اب حواس باختہ وہ
جس طرف جس کسی کا منہ اٹھا---یا جدھر جی ہی لے چلا کمبخت---

کوئی کنجِ طمانیت جس جا کچھ پریشانیٔ خیال نہ ہو'
کوئی ایسا طرب کدہ --- جب تک پیشوا ہو مراجعت فرما ---
وہ کٹھن انتظار کی گھڑیاں شغل و تفریح میں گزار سکیں --
تیز دوڑوں کے تھے مقابلے کچھ 'عین رمنا میں بعض کی بازی'
بعض اپنے پروں کے دم خم کو آزمانے لگے فضاؤں میں'
جیسے او لمپئی پچیتی کھیل 'جس طرح پیتھیا کی کرتب گاہ'
تند گھوڑوں کو دیں لگام کئی 'یا بچا کر نشاں سے پہیے تیز' صاف دس پانچ کا نکل جانا'
روبرو دنگلوں میں یا پٹھے'
بہرِ عبرت بلادِ عظمیٰ کو جیسے شوریدہ آسمان میں ہو غلغلہ جنگ کا بلند کہیں۔
بادلوں سے جھپٹ پڑیں فوجیں رزم آرائی کے لئے باہم
پہلے لیکن ہر اک ہراول جیش ان عقابی دلیر بانکوں پر
برچھیاں تان کر بڑھے یاں تک دشٹ سینائیں دوبدو گتھ جائیں۔(دشمن)
پھر تو ہتھیار بدّیا ایسی کہ یہاں سے وہاں تلک ساری وسعتِ آسماں دہک اٹھے۔
دوسرے تاؤ جھاؤ میں بھاری طائفس سے گرے اڑانے کو (ف)
یوں پرخچے چٹان ٹیلوں کے اک جوالا مکھی پھٹے جیسے 'جھکڑوں پر ہوا سوار اڑے'
وحشیانہ وہ ہلکم اور ہلّڑ جذب دوزخ نہ کر سکے جس کو۔ (شور)
(دیومالا کا ایک منظر ہے) اقلیہ سے مظفر و منصور
ہر قلس کر کے خلعتِ مسموم زیب تن (یولہ کے جلاپے میں
جو دنیرہ کالوبھ منتر تھا) تھام لے تھم تھسلوی چیڑوں کے
جو اکھڑ کر جڑوں سے گر جائیں۔ طیش میں ہم جلیس لیچس کو
(جو یہ پوشاک لے کر آیا تھا) اوتیہ کی بلند چوٹی سے قلزم ابی میں دھم سے دے مارے۔

---دیومالائی یہ کتھا خونخوار خشمگیں خوفناک دیووں کی--
دیوتا جو حلیم طبعاً" تھے چل دیئے سوئے وادیٔ خاموش' دیکھئے کیا ہیں مشغلے ان کے....
ملکوتی الاپ کی دھن میں (باربد سے) کبھی تو بربط پر
تھے رجز شوخ کارناموں کے 'نوحۂ شومئی زوال کبھی'
کہ نبردِ ازل میں کھیت رہے۔ گیت کے بول بول میں شکوہ
کیوں قضا با مجاز نیکی کو قوت و وقت کا اسیر کرے۔
گو سرودِ رقیب تھا لیکن تھا سماعت نواز وہ آہنگ
---جب امر آتمائیں گاتی ہیں پھوٹ پڑتا ہے جگ میں روپ آنند--
مثلِ اعراف ہو گئی دوزخ'
منہمک سامعین کا انبوہ مستی و نغمگی میں ڈوب گیا۔
محو تقریرِ دلپذیر میں کچھ اک پہاڑی پہ دور بیٹھ گئے--
---ہے طلسمِ حواس موسیقی' ہے فصاحت غذائے روحانی--
سخنِ دلنواز' فکرِ دقیق' جزئیات و نکات و تاویلات'
درکِ پیشین' عاقبت' تسلیم' غیب' جبر' اختیار' قدر' قضا'
ال مشیّت--- رموز یہ کیا ہیں--- حیف لا یَشْعُرُون یَعمَهُون!
حسنَتہ معصیتہ' نہی' معروف' خیر شر' اجر' نیک بد' کیا ہیں؟
ہے بشارت کسے کسے انذار' بے حسی اور حس کی توجیہات۔
مطمحِ زیست ہے ابیقوری' یا ہے سنیاس آشرم نروان؟
(نظریے ژینوو ارسطو کے)
یہ سب---اَلعُجبُ آفتُ اللّبّ اور لغو طامات' بحث لاطائل+ (ف)
جادوئے پُر فریب سے ہر چند مختصر ہو' وہ کر تو سکتے تھے

خفقاں کو درست، سکھ دکھ کو،
خام امید کو جِلادے کر، صبر کا جی کو حوصلہ دے کر
تہرے اسپات میں بہت چوبند۔
اک جماعت ہوئی کمربستہ۔ غول در غول، جوق اندر جوق
اک مہم درخورِ جواں مرداں۔
اک بھرم بھاؤ کی بھیانک بھوم وہ کنگھالیں گے، سر چھپانے کو
شاید ان کو ٹھکانہ مل جائے۔
بہ رہی تھیں چہار جوئے جحیم، ان مضرت رسان دھاروں کے
آتشیں کنڈ میں دہانے تھے۔ راہ ہر رود کے کنار رواں،
جن پہ وہ بادپا روانہ ہوئے۔
تھی گھنونی سٹائکس میں برپا نفرتوں کی شدید طغیانی،
روگی ایجران سے اٹے تھے سائے دکھ کے سیہ سیہ گہرے۔
ماتمی کوسٹس پہ کان دھرد، سیلِ گریہ، بسورتی ندی،
شینِ آہ و بکا کے بین دواں،
تمتماتی ہوئی فلیج تھیاں، شعلہ شعلہ تھی موج موج اس کی جیسے سیّال آگ کے ریلے۔
دور برزخ میں چشمۂ نسیاں، ست رو، اپج پیچ میں نمناک،
تھی یہ تاثیر گم کرے سدھ بدھ،
ایک دو گھونٹ حافظہ کھودے، سر بسر یادداشت بسرائے،
یادِ ماضی نہ ہوشِ ذات رہے، انبساط و الم کا درک مٹے۔۔۔
ہو بقولِ کسے وہ کیفیت۔ ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔
اور آگے تھا اور اُلنّہر منجمد برّاعظمِ تاریک

ہول و وحشت کا سلسلہ دائم، مستقل گرد باد کے جھکڑ
ژالہ باری شدید، دھرتی ٹھوس، ڈھیر پر ڈھیر اَن گلے اولے،
تہ بہ تہ برف کے بلند اہرام،---فاصلے سے کھنڈر کا وہ منظر
جیسے ذات العماد پارینہ --- برف باری، دبیز برف برود-
ہو بہو سربونیس کی جیسے پانک وسطِ کیسس و دمیاطہ، (دلدل)
کتنی سینائیں جس میں ڈوب گئیں-
سن ہواؤں میں اس قدر ٹھرتھا تن بدن میں جلن سی ہوتی تھی،
بن گیا زمہریر آتش لاخ- (بربنائے سنگلاخ)
مینڈیوں کی سپنولیاں گوندھے اپنے بالوں میں ڈائینیس پردار
جنگلوں میں انہیں گھسیٹتی تھیں-
پینکڑوں سنگلوں میں گھن چکر گرتے پڑتے گھسٹتے جاتے تھے-
شدتِ انتہا کے بسمل بھی، بسملِ انتہائے شدت بھی،
طاس میں اس جلن تلاؤ کے نرم ایثری حرارت اب ٹھٹھری،
دردِ جاں سے گھلیں گے بیچارے،
جامد و منجمد بنادے گی ان کو میعادِ وقت یخ بستہ
پھر بہ سرعت یہاں سے لے جاکر جھونک دے گی اسی جہنم میں-
پلِ آہنگِ خود فراموشی پار کرنے کی سعی اب سرتوڑ،
کوئی امید بر نہیں آتی- تھی تمنائے جوئے دلآویز
کہ اس آلامِ دردِ ہستی سے جس کا اک گھونٹ بے خبر کردے،
وائے تقدیر آگئی آڑے، کوششِ ناتمام و ناکامی-
گورگانِ مہیب میڈوسہ گھاٹ کا ناکہ روک لیتا ہے-

طنطلس کی طرح یہ تشنہ کام۔
(پانی پانی ادھر ادھر لیکن لب بھگونے کو ایک بوند نہیں)
جیسے پانی کی خاصیت اڑ جائے، ذی نفس کی نہ پیاس بجھ پائے۔
اس طرح دلفگار، سرگشتہ سخت بے آسرا بھٹکتے تھے،
باختہ رنگ لرزہ براندام، خوف سے تھیں پھٹی پھٹی آنکھیں،
سوختہ جاں، نصیبۂ محزوں، چین پڑتا نہ تھا کسی کل بھی۔
دیکھتے ہی نگاہ پتھرائے وہ مقامات طرفہ و بے طور،
تنگ تاریک گھاٹیاں، درے، سرد آزردگی فزا خطے،
متعدد جمے جمے میدان، متفرق جلے جلے کہسار۔
جھابریں دلدلیں کھڈیں جھیلیں بھٹ چٹانیں گپھائیں شمشانیں (ف)
موت ہستی ربائے موجودات، ہر کہ ومہ پہ موت بالادست،
کُلُّ نَفْسٍ (کہ) ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ بس فنا کو دوام حاصل ہے---
نسل افزود فطرتِ بے باک، کیسی کیسی عجیب خِلقت پود،
بدنہاد و عجوبہ و مکروہ، دہشت انگیز، موذی و منحوس،
بدتر ان سے بھی قصہ خوانوں نے جو گھڑے ہیں فسانوی کردار،
یا جنہیں خوف نے تراشا ہے--یم، پچھلپائی، بھوتنا، ہوّا،
گورگاں (جو بدن کرے پتھر)، (اژدرِ بحر، نوسرا) ہڈرا، (ف)
شمری (شیر سانپ بکری دھڑ) سب اساطیر الاولیں، مردود+
واں لگن سے، مگن دریں اثنا اہرمن خصمِ آدم و یزداں
عزم کو راہوارِ شوق کئے سوئے بابِ جحیم سرپٹ تھا
گرم پرواز یکہ و تنہا۔

اب کنارے یہ دائیں کچھ پڑتال' اور اب چھان بین بائیں کی'
ابھی اس کھڈ کی تہ میں بال کشا' بے محابا ابھی اڑان اونچی
اس مجوّف خلائے بریاں میں۔
ہو بہو پار نیل ساگر میں' ابر کے درمیاں معلق سا
کوئی بیڑا سوادِ بنگلہ سے' معتدل النّہار ساعت کی
بادِ شرطہ جسے اڑائے پھرے' یا زطرف ترینٹ و ٹیڈور۔
وہ جزیرے جہاں سے بیوپاری لائیں دارو اثر مسالے گرم'
تیز یہ لین دین کا چکر--- راس ہی کیا وسیع حبشہ سے
دور' شب میں رواں وہ لہروں پر قطب کے آس پاس جا نکلیں'
پار پرّاں بعینہٖ ابلیس---
وہ جہنم کی سرحدیں ابھریں سقفِ اوجِ فلک کو مس کرتیں'
تہری پرتوں کے تین دربھاری--- تین پرتیں تو سنگِ خارا کی'
تین پیتل کی' تین لوہے کی' بند ناقابلِ گذر پھاٹک۔
چار سو آگ کی نکیلی باڑ' نارسیدہ گزند تھی چپ راست
متعین بروں سرِ دہلیز ہیئت ایک ایک (صورتِ درباں)
ڈیل بے ڈول' جسم بے ہنگم'--- خوش بدن ایک تا کمر عورت
تہ بہ تہ فلس دار دیہہ نچلا' بے تکا' کنڈلیوں کا دَل' بھونڈا
بس اگلتے بُھجنگ کا بھَے انگ (خوفناک)
بیچ دھڑ میں کرخت شور شغب دو زخی خون خوار کتوں کا'
یہی کلب السقریہ تین رخے' وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر بھونکیں (دوزخی کتے)
دے سنائی صدا نہ کان پڑی!

ہوڈپٹ جب غل و غرونبہ پر، یا کرے جی، تو جا گھسیں اس کے (شور)
بطن میں ---- وہ پلید کتا گھر، او جھل اس اوجھ میں بھی اندر سے بھونکتے جائیں روئیں غرائیں،
بالمقابل نہ اس قدر مکروہ وہ نظارہ کہ دھڑ سے چمٹے ہوئے
(سلّہ) بحری بلا کے چھ کتے غسل کرتے ہوئے مسینہ میں!
(بحر، کرتا ہے جو اطالیہ کے سخت ساحل کو صقلیہ سے جدا)
کاہنہ شب کی، زالِ کہنہ بھی نہیں اتنی ڈراؤنی بھتنی،
جب وہ چوری چھپے دبے پیروں تیز پرواؤں پر سوار آئے
لیپلی کٹنیوں کے جھرمٹ میں ناچنے کے لئے اگر سونگھے بو کہیں خون شیر خواروں کی،
چند رمامنتروں کے شبدوں سے سخت ہو کر نڈھال، گھنائے۔
دوسری شکل، شکل کیا کہئے،
کہ جوارح، مفاصل، اعضا میں کوئی حصہ نہیں شناخت پذیر۔
تھا ہیولیٰ کہ ٹھوس عکس کوئی، ایستادہ سیاہ رات سمان،
دس چڑیلیں بگولہ آگ اک جا، یا مجسم جحیم آتشناک (آگ بگولہ)
یک سنانِ اجل رساں جنباں۔
شے جسے کھوپڑا کہیں، اس پر بھاری بھرکم دھرا تھا راج مکٹ۔
اہرمن جب ذرا قریب ہوا تو وہ عفریت یوں جگہ سے ہلا،
برق پا، خوفناک، ڈگ بھرتا کہ جہنم دہل دہل اٹھی۔
تھا نہ خائف مگر نڈر ابلیس داد دیتا تھا، داد (یہ عفریت
کیا بلا ہے)، نگاہ میں اس کی ماسوائے الہ و روح الہ
درخور اعتنا نہ تھی کل پُوچ کائنات اور ہیچ موجودات۔
پہلے نفرت سے گھور کر دیکھا، اور پھر اہرمن ہوا گویا:۔

"از کجائی و کیستی ملعون بے دریغانہ ایسی جرات سے
کیوں مزاحم ہے ہیئتِ بے باک' پرے ان بابہائے دوزخ تک
کھول کر یہ محاذ بے ہودہ؟ میں بہرحال پار جاؤں گا
عزم ہے یہ' تری اجازت کی کوئی حاجت مجھے' نہ کچھ پروا۔
ہٹ پرے' ابلہی سے کام نہ لے' خیر اسی میں ہے قدرِ خویش شناس'
زادگانِ جحیم بے توفیق منہ نہ اہلِ نعیم کے آئیں۔"
بھوتنے نے سنا تو بھنایا' تن گیا طنطنے میں بنکارا:۔
"تو کروبی وہی ہے نافرمان' عرشِ اعظم کا اولیں مجرم نقصِ امن و یقین و تسکیں کا'
واں' جہاں بے خلل بلا رخنہ قبل ازاں خوشگوار تھا ماحول
اے اثیمِ ابیٰ و استکبر' تو نے بے رہ کئے بہ عیاری
اک تہائی فرشتے اب جو ہیں متحارب بآں تعال اللہ۔
پس تجھے حکم "فاخرج و اہبط" اور مطرود اور مدحورا' (دفع کیا ہوا)
تو بھی تیرے تمام پٹھو بھی' وہ ملاعین و عاصیانِ رجیم'
ابدا" غرقِ ابتلائے الیم'
آج تجھ واصلِ جہنم کو زعمِ ہمدوشیٔ ملائکہ ہے،
اس جگہ ہیکڑی' ڈھٹائی ہٹ میں جہاں کوس زن لمن ملک؟
بارِ خاطر سہی پہ ایں جانب ہیں ترے والی وولی نعمت۔
دفع ہو جھیل اپنی تعزیریں' جھوٹے مفرور' دم دبا کر بھاگ
یہ نہ ہو بچھوؤں کی یہ تچی ڈھیل پن پر تجھے رسید کروں'
نوک و سوفار ضربِ کاری سے تیرے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیں'
بے تکے خوف سے بندھے گھگی نت نئی پیڑ' نت نئی ٹیسیں'

اولیں اتفاقِ نامسعود۔۔۔"

بک رہا تھا جنون میں کیا کچھ یوں اکڑ کر ڈراؤنا ہوّا'

پھول کر دس گنا جو کپا تھا۔۔۔ منہ پہ تھی اول فول' دھمکی دھونس

تن پہ ہیبت' کراہیت' وحشت۔

اس طرح پیچ و تاب میں برہم اہرمن تھانڈر کھڑاڈٹ کر

جیسے آتش زدہ پچھل تارا دور تک آسماں پہ ضوافگن'

جیسے قطبِ شمال کی جانب تارامنڈل افی تیئں روشن'

نحس دنبالہ دار سیارہ'

جنگ و طاعون کا وبال پڑے وہ فتیلہ ز آتشِ بدفال۔

شست اک دوسرے کے سر کی لی قاتلانہ نظر سے۔۔۔ خونی ہاتھ

یوں لگائیں۔ چچا تلاداؤ' دوسرا وار نا روا جانیں۔

تھی غضب کی چڑھی ہوئی تیوڑی' دو گھٹا ٹوپ گھور دَل بادل'

لیس گردوں کے توپ خانے سے ہوں بحیرۂ خزر کو پرّاں'

دھڑ دھڑاتے' فضا میں درّانہ آمنے سامنے وہ منڈلائے

آندھیاں بھی بزن بزن چیخیں' دندناتی تھیں' سنسناتی تھیں'

بیچ اَدھر میں' قریب اکھاڑے کے'

اور دنگل کو دیو جثہ جوڑ دو بدو چین برجیں دھاڑے'

جوڑ تگڑا' بڑا برابر کا۔۔۔ تیرہ و تار ہو گئی دوزخ'

بالمقابل نہ ایسے پتّے کا ہو یلولنگ پھر کبھی کوئی ابنِ مریم ہے رستخیز الّا۔ (۔ معنی اینتھلیٹ

بسکہ وہ تمیں مار خانی کا آج دوزخ میں تہلکہ پڑتا'

گردھری تھی وہاں جو ٹھتّے سے ناگنی جوُن راقیہ' تھامے

اپنے ہاتھوں میں جانستانِ کلید'
ایک شورِ فلک شگاف کے ساتھ درمیاں میں نہ دھم سے آجاتی +
چیخ کر بولی--- "اے پدر کیسا یہ غضب ہے کہ اپنے بیٹے پر
آپ تیغِ اجل چلاتا ہے۔ اے پسر کچھ تجھے ہوا سودا
زہر میں یہ بجھا ہوا نیزہ باپ کے سر پہ تان رکھا ہے؟
اس کی خاطر یہ سب فساد و جدال جو بصد تمکنت سرِ افلاک
اف ہماری ہنسی اڑاتا ہے--- حیف پابند جس طرح بالجبر
ایک حلقہ بگوش بیگاری--- تف بجالائے جو وہ فرمائے
اک غضب حکم، پھر غضب جس کو وہ تفو عدل سے کرے موسوم۔
پھر غضب وہ غضب ہی تم دو کا کام اک دن تمام کر دے گا۔"

بجواب اہرمن ہوا گویا:۔
"اے مخل، ہے پکارا چنھیے کی، اور حیران کن ترے الفاظ'
پس مرا دستِ ناگہاں ٹھٹکے'
قصد کیا، کارگر ہے یہ کتنا، خیر معلوم بعد میں ہو گا'
کون ذاتِ شریف تو ہے مگر پہلے ہو کچھ حسب نسب معلوم
ایسا بے ڈھب ترا مرکب دھڑ--- کچھ کھلے یہ معاملہ کیا ہے؟
ہے ملاقات آج پہلی بار تجھ سے اس وادیٔ ظپیدہ میں'
میں ترا باپ کون سے ناتے، بھونتا یہ پسر مرا کیسے'
یہ تری من گھڑت صلہ رحمی، شرم تجھ کو مگر نہیں آتی؟"

طیفِ دہلیز دارِ دوزخ وہ تب جواب الجواب یوں اس کو:۔
"ہائے اس سادگی پہ مر جاؤں، پردۂ ذہن سے بھی ہوں معدوم

طبعِ نازک پہ ناگوار بھی ہوں۔ تھی یہی وہ کنیز دلآرام
جو بھری بزم میں فرشتوں کے سامنے آپ کی عروس بنی،
والیٔ عرش کے خلاف اپنی خوبصورت دل آفریں سازش!
یاد کر شدتِ شقیقہ سے وہ یکایک نڈھال ہو جانا،
تھی نگاہوں میں کل فضا تاریک، فرطِ دورانِ سر سے کھاتا تھا
ڈبکیاں گنجلک اندھیروں میں،
گاڑھے گاڑھے رواں رواں شعلے، دمبدم دمبدم بروں سر سے،
مغز جیسے ابل پڑا یک لخت، بائیں جانب سے کھوپڑی چٹخی،
اور میں چاند سی نکل آئی، عین نک سک ترا، حسیں تجھ سی،
جیسے آکاش اپسرا کومل لیس انگ انگ بان برچھی سے۔
عرشیاں غرقِ ورطۂ حیرت، ہول سے دل زدہ و لغزیدہ،
"معصیت معصیت" وہ چلائے، صاف اشارہ شدید خطرے کا۔
رفتہ رفتہ وہ کھل گئے مجھ سے، میں پری چہر، پیکرِ پر فن
خوش ادا، خوش جمال، خوش منظر، میں نے اہلِ جناں کو لوٹ لیا۔
جو گریزاں تھے سب اسیر ہوئے اور تو بھی ہلاکِ غمزہ تھا۔
صاف تیری جھلک تری چھب تھی، آئنہ تھا مرا بدن تجھ کو،
میں تری دلنواز مدخولہ، حجلۂ خلوت و بساطِ وصال،
بار آور زمیں میں ریزشِ تخم، پاؤں بھاری ہوا مرا تجھ سے۔
عرش پر جنگ کا ہوا اعلان پے بہ پے جا بہ جا محاذ کھلے،
اور میداں (بداہتہ") اپنے دشمنِ قہرماں کے ہاتھ رہا۔
وہ زیاں، وہ ہزیمت و اتلاف خاک و خاشاک ہو گئے ہم لوگ،

وارداتِ ہبوط --- سر کے بل جب ہمیں عالمِ علوئیں سے اسفل السافلیں میں دے مارا---
ہو کے بے آبرو جو نکلا تھا خلد سے اژدحامِ بے پایاں
میں بھی شامل اسی میں تھی تھامے یہ کلیدِ گراں کہ بند رکھوں
حسبِ تاکید یہ کواڑیہ پٹ 'اور کس کو ہو باران میں سے میں ہی یہ جب تلک نہ باز کروں؟
میں تھی اب اور اداس تنہائی' رات دن آسماں تھے چکر میں،
حمل برداشتہ 'شکم آماس' جو بلا کوکھ میں امانت تھی' وہ مسلسل وہاں مچاتی تھی
پھول کر اب ہٹر تبڑکیسی ---- الاماں دردِزہ کی سوزانی'
دلد المبتذل جو سامنے ہے یہ تری پشت کا زبوں تحفہ
اس کی زائیدگی کی اف ساعت پیٹ میں جیسے آگیا بھونچال-
انتڑیوں کے ادھڑ گئے بخیئے کاٹ آری 'لکد ہتھوڑے کی'
کثر میاں' کج بدن ہوا آدھا'
یہ عدوئے درون پروردہ تب کہیں بطن سے بروں نکلا'
تیز مہلک سنان لہراتا' مارنے مرنے پر کمربستہ-
بھاگ اٹھی چیخ زور سے ماری "ملک الموت" میں یہ چلائی،
نام ہیبت فزا جسے سن کر کل جہنم لرز لرزا اٹھی'
آئی بھرائی گونج غاروں سے --- ملک الموت --- بازگشتِ مہیب ---
ہول کے مارے اس مرول سے میں بھاگ نکلی کہ میں تو آگے تھی' (بحری بلا)
اور پیچھے یہ کام دیو لگا' ایک شہوت پرست مجنونی-
تھا سبک پا مجھے دبوچ لیا' پاپ گوتر گمن کا' میں ماں تھی (INCEST)
نہ بچی' ہاتھ پاؤں بھی مارے-
اسی فعلِ شنیع کا ثمرہ بھوتنوں کا یہ جھول یہ زمرہ

رینکتا، جھینکتا بہر لحظہ مجھ پہ نرغہ کنان شدت سے
اَلْخَبیثاتُ لِلْخَبیثینِ۔
انت جس کا نہیں یہ بپتا ہے، اب ہے آبستنی، ابھی زچگی،
کوکھ باہر تو کوکھ بھیتر ہے پرورش گاہ ان پلیدوں کی،
پیستے ہیں، نکوستے ہیں دانت، ہے غذا ان کی تانت آنت مری
میں انہیں لحظہ لحظہ جنتی ہوں تازہ دم یہ مجھے بھنبھوڑتے ہیں،
وہ اذیت وہ جانکنی توبہ، وقت رکتا نہ درد تھمتا ہے،
موت آتی ہے پر نہیں آتی۔
ملک الموت چشم کا آشوب، یہ مراہی جنا، مرابیری۔
اس کے دم سے سگانِ تازی کا تن میں گلہ ہے تن پہ ہلہ ہے،
لقمہ بے صید یہ کرے مجھ کو میں گلے میں نہ گر اٹک جاؤں
(جیسے سارس کے حلق میں ہڈی)، یہ تو ہم رقصِ موت میرا ہے،
ہے مقدر ہمارا ہم مرگی -- جان لینا اسے ہے جاں لیوا۔
اے پدر ہوشیار تو اس کے ہاں خدنگِ قضا سے جان بچا،
اس طرحدار زعم میں مت رہ یہ ترے صاف صیقلی ہتھیار
غیر صدمہ پذیر چلتہ ہیں کہ فلک ساختہ سروہی ہیں۔ (دراصل چہل تہ، زرہ بکتر)
اس ستم گر کی ضربتِ کاری وہ کہ تسمہ لگانہ رہنے دے، (سروہی۔ خنجر)
ہے کسی سے اگر تو یہ شہزور ہے جہانبانِ عرش سے عاجز +"
چپ ہوئی وہ تو نکتہ رس خناس جھٹ خبردار ہو کے نرم پڑا
پھر جوابا" ملائمت سے کہا "پیاری بیٹی ہے نور چشمی تو،
وہ ہے لختِ جگر، پڑی ٹھنڈک دل میں، یہ حسنِ انکشاف ترا۔

دی ہے آواز عہدِ رفتہ کو، پھر گئی ہے بہشت آنکھوں میں۔
ہائے ناز و نیاز کے پیمان، وہ نشاطِ ہوس کدہ -- اب تو
ہم ہیں اور یادہائے سینہ گداز،
نازل افتادِ ناگہاں ہم پر وہ بعید از قیاس -- تم مانو
نیتِ بد سے میں نہیں وارد، فکرِ وارستگی ہوئی مجھ کو
اس اندھیرے اداس دکھ گھر سے۔ صرف تم دو نہیں، نجات ملے
اس تمام آتمائی سینا کو، ہر سلحشورِ جبّتِ برجا ساتھ اپنے جسے ملا بن باس،
ان سبھی کا یہاں نمائندہ، اس کٹھن آرزو میں سرگرداں
میں اکیلا ہوں جان جوکھوں میں --- راہبر ہے نہ ہمسفر کوئی۔
میں اکیلا، یہ وادیٔ غربت، تھاہ -- جس کی ملے نہ وہ پاتال،
یہ خلائے بسیط و بے پایاں --- اور مری جستجوئے آوارہ --
خطۂ خاک ہو کہیں دریافت دی گئی تھیں بشارتیں جس کی،
معرضِ ہست میں --- قرائن سے --- آچکی ہے وہ کارگاہ ضرور،
اک مدور کرہ محیط و بسیط، وہیں جنت کے آس پاس کہیں
واں ہے آباد کار اک مخلوق، نسلِ نوبختگاں، چھچھوروں کی،
پُر ہمارا خلا ہوا شاید (دیو گیرد مکانِ خالی را)
فاصلے کے لحاظ سے محفوظ۔
کیا خبر ہے مگر مکرر ہو زور زن عرشیاں کا جمِّ غفیر
پنجہ افگن، فساد آمادہ۔ کوئی سترِ نہاں کرے افشا،
اب تہیہ ہے سعی ہو مشکور، جلد کوئی سراغ مل جائے،
ہو کر آگاہ لوٹ آؤں گا---- ملک الموت و معصیت دونوں

اس جگہ تم ہنسی خوشی بسنا' مست پراں خلا' فرو' بالا
آنکھ او جھل پون جھکوروں میں' عیش کوش و حظ و ہوس پیا'
لوٹنا موج' ہاں مزے کرنا کہ تصرف میں ہر فضا ہوگی۔"
چپ ہوا' بات سے مگر اس کی ہو گیا باغ باغ دل ان کا'
ملک الموت کی مہیب ہنسی' جھلملائی کریہہ بتیسی'
گرسنہ قحط کی شکم سیری' توند پھولی' ٹپک پڑیں رالیں
اس ندیدے کی شبھ گھڑی کے لئے۔
ماں بھی پھولی نہیں سماتی تھی' یوں وہ پُرکھا سے ہمکلام ہوئی:۔
"اس غدیرِ سعیر کی چابی شاہ والا فلک کی منشا سے
حسبِ شایاں مرے سپرد ہوئی اور تاکید سخت مت کھولوں
قفل میں ان کڑے کواڑوں کے۔ گر جتائے کوئی زبردستی
ملک الموت ہے لئے تیار بس بھرے بان پیک اجل پیکان'
پیلتن بھی حریف کیا ہو گا اس جری مرد پیل افگن کا۔
لیکن اک بات' ناچیئے آخر کیوں ستم گر کے ہر اشارے پر
اس ستم گر کے' جو سدا ہم پر لعنتوں کا نزول کرتا ہے'
راکھشس دیس میں مجھے جس نے گھور اندھے کنوئیں میں ڈال دیا'
ایک منحوس فرض کی پابند
عرشئی عرش زائیدہ ہوں میں اور واماندۂ عذاب سوا'
خوف ہے' خلفشار ہے' ڈر ہے'
ضیق میں جان' ہائے چبرولے' چنگا بوٹا مرا' مرے رودے'
تو مرا باپ تو مرا پرکھا' تو نے بخشا مجھے وجود مرا'

میں ترے حکم پر کہوں لبیک، کیوں کوئی اتّباعِ غیر کرے؟
تو بسائے گا جلد لے جا کر نئی بستی میں نور و نعمت کی،
جس جگہ دیوتاؤں کا بسرام، جس جگہ میری ہیکڑی ہو گی۔
میں ہوس خیز، ہر برائی کی راج گدی پہ میں مہارانی
میں عزیزہ و دخترک تیری۔"

یہ کہا پھر برون پہلو سے کی وہ موذی کلید -- آں مذموم
آلۂ کارِ ہر خرابیٔ ما۔
تب بدنبالۂ بہیمانہ وہ گھسٹتی بسوئے باب چلی،
سب پھسلواں جھری بھرے بستے یک بیک جانبِ فراز اٹھے
بل اسی میں تھا ورنہ جنبش تک دے نہ سکتے اسے قوی بلوان۔
پھیر کر پیچدار دندانے قفلِ زنگین کے دہانے میں
کھول ڈالے کھٹاک سے اس نے بھاری لوہے کے، ٹھوس پتھر کے
چٹخنی ہوڑ کے اگل بلّی، (کنڈے)
اک گھمیری گھرار سے گھومے سنگ اسپات کے سلگتے پٹ
سب قلابے گڑے گڑے رگڑے، گڑگڑاہٹ کی گونج سے گرجا
اری بس کا اتھاہ پیندا بھی۔
دیدۂ انتظار کی مانندیوں کھلے در، درونِ پہنائی
لشکر بادرفش بال کشا، علم افراشتہ گذر جائے،
فاصلہ وار ہوں مرتب خواہ صف بہ صف اسب، رتھ، قطار قطار،
برکشادہ و خاستہ برپا۔
جس طرح گلخنِ فراخ دہن، شعلۂ سرخ و دود بر آور،

دفعتہ "منظرِ عجب عکاس بحر کے رازہائے خفیہ کا---
بحر-- تیرہ، عمیق اور عتیق، خوب ذخار، بے حد و بے بُعد
جہاں ہو جائے شل زمان مکان، عرض طول ارتفاع کا احساس،
جہاں فطرت کے ابّ وامّ از خود--- قبل تکوین ولیلتہ الیلدہ--
رکھیں برپا نراجیت دائم۔
متواتر مصاف و ہنگامہ، قتل و غارت کے درمیاں قائم۔
خشک، مرطوب، گرم، سرد اربعہ پشتبانِ (عناصرِ فعال)
خبط میں فوقیت کے ہوں جن کے ریزہ ہائے جنیں در آویز۔
ہر دھڑا گرد اپنے جھنڈے کے، متعدد شعوب کُرد بطون،
ہلکے ہتھیار، اسلحہ بھاری--- تیز، چکنے، نکیلے، پھر تیلے،
تند، تیار، تولتے کندے بے شمار و کثیر یہ کیے۔
حارۂ سائرین و برقہ کے ریگ زاروں میں انت کے ذرات
متخالف ہواؤں کی زد میں تودہ بر تودہ تا بسیط بساط
ایک ہو جائیں کر کے اک ایکا۔
ہے خلل "اختلال" کا فتویٰ---وہی سلطاں (نظام سقہ سا)
تیل جلتی پہ ڈال دے، اس کی راج نیتی کا ڈھنگ ہے ہڑبونگ۔
سرپنچ اک "احتمال" البتہ، حکمراں بے شراکتِ غیرے،
اندروں اس اجاڑ اسفل کے۔
کوکھ ہے یا لحد یہ فطرت کی، تٹ نہ ساگر، پون نہ اگنی ہے۔
کل علل خلط ملط آبستہ، سر شوریدہ و ستیزہ کار،
حسبِ فرمان واجب الاذعان، امر باللہ آفرینش گار، (جمع زعن، اطاعت)

گھپ سیہ اس کے مادّے گہرے کائناتیں مزید خلق کرے
---اندروں اس اجاڑ اسفل کے----
چوکس ایسا کھڑا تھا وہ خناس نگراں برکنارۂ دوزخ
بیم و اندیشہ ہائے دور دراز۔
اب اسے جو عبور کرنی ہے وہ نہیں تنگنائے معمولی
حشر انگیز غوغا آرائی' شور سے کان ہو گئے بہرے'
(کہ ومہ کا موازنہ کیجے) جیسے پیلونہ (جنگ کی دیوی)
ضربِ آلاتِ حربِ مہلک سے شہرِ غدّار کو کرے مسمار'
آسمانوں کا ڈھے پڑے ڈھانچہ' ہو عناصر میں انتشار افزوں'
مستقر ارض چھوڑ دے محور۔
بہرِ پرواز آخرش اس نے شہپر اب بادبان سے کھولے'
اور اڈتے دخاں کے ریلوں میں فرشِ ارضی اٹھا وہ ٹھکرا کر'
کئی فرسنگ بے حساب صعود' ابر کی صندلی بنی رہوار'
پا گستہ ہوئی مگر یہ بھی --- تھا وہ اب اور وسیع الخالی۔
پنکھ بے کار پھڑپھڑاتا ہوا ایک دم سیدھ میں گرا' لاعلم'
دور نیچے وہ دس ہزار جریب --- رہتا اس پر وہی زوال اب تک
یک بیک سوئے اتفاق سے گر آگ شورے کا جی جلا بادل
نہ اسے اک شدید دھکے سے کالے کوسوں اچھالتا اوپر۔
جب فرو ہو گئی غضبناکی --- تو وہ ریگِ رواں کی دلدل میں دھنس رہا تھا --- یہ منطقہ جس کو
خشک ٹھہرا سکیں نہ تر لیکن اس پہ بھی وہ قدم زناں پیہم
روند تا پھاند تا پیادہ پا' یا پریدہ دبازت ادھ کچری

بادبان آپ' آپ ہی سکّان--- پیشقدمی کیے ہی جاتا تھا!
(شیر و شاہین تن) غریفوں جب پرِ پرواز سے بیاباں میں'
ڈاگ بھیڑ میں یا پہاڑی پر (دزدِیک چشم) آرماسیں کے (ف)
ہو تعاقب میں جو بہ عیاری لے اڑے تھے چھپا ہوا سونا'
رہ گئی تھی مگر دھری کی دھری سخت نگرانی و نگہبانی---
گامزن گامزن گگن پر تھا یوں لگن میں مگن مگن خناس۔
چھدری' گنجان اور ناہموار پر تگہ' آبنائے گِل آبہ' (پر تگاہ۔ ڈھلوان)
آئیں گڈمڈ بلند آوازیں' مچ گئی وحشیانہ چیخ پکار'
غلغلہ گنبدِ فلک انداز غل کہ گونجا ہو صور اسرافیل
ہلہ زن کھوکھلے اندھیروں پر تھا فغان و خروش گوش خراش
وہ بڑھا سوئے شورِ بے ہنگام کہ ملاقی ہو بالشافہہ اب
دیوتا' بھوت' پریت' جن جو بھی اسفل السافلین کی تہ میں
شورش و شرکنان اینڈتے ہیں۔
چاہتا تھا کرے یہ استفسار بحرِ ظلمت کی کونسی سرحد نور کے حاشیے سے ملتی ہے؟
تخت ہے اختلال کا دیکھو واں تلے گھور چھولداری کے'
(سائباں اک اتھاہ بنجر پر) ساتھ گدی پہ تن کے بیٹھی ہے
کالی پشواز زیب تن کر کے ملکہ شب' شریکۂ شاہی'
پاس ہی وہ نرک کے دونوں دیو آرقس اور ایڈس استادہ'
پھر اساطیر الاصل ہیبت ناک گورگان اور بعد ازاں ارجاف (انواہ)
اور پھر احتمال' پھر طغیان' اور پھر انتشار---ناچاقی'
تھے کشاکش میں مبتلا سارے' پھر نفاق اک ہزار منہ پھاڑے +

اہرمن بے جھجک ہوا گویا:۔

"اسفل السافلین کی روحو اور کرو بیو --- نہیں جاسوس'
شب یلدا و اختلال نہیں میں کسی ٹوہ میں یہاں نازل
یہ بھی نیت نہیں کروں پیدا میں پراگندگی ریاست میں'
مری آوارگی کی مجبوری' اور یہ بادیہ گھنا گھن گھور'
راہ اس کشورِ کشادہ سے سرحد نور تک گذرتی ہے--
میں جدھر عازمِ سفر تنہا' نابلد اور راہ گم کردہ
ہے تلاشِ صراطِ عرش مجھے ماورائے ثغورِ ظلماتی'
یا کہیں دوسری نواح میں ہے اسی جاگیر کا کوئی خطہ
کر لیا غصب ال لطیف نے جو --- بس مری وہ ہے منزلِ مقصود
واں تلک پُر محن تگ و دو ہے۔
کھل گیا مدعا مسافت کا اب مری رہنمائی فرماؤ
نذر دوں گا صلہ میں خاطر خواہ --- بازیاب اپنا ملک محروسہ'
اور غاصب جلاوطن ہوں گے' بول بالا قدیم ظلمت کا'
پاستاں رات کا بجے ڈنکا' آپ کے بھی جناب پو بارہ'
میرے بدلے کی آگ بھی ٹھنڈی۔"

اہرمن چپ ہوا تو یوں بولا پیر فرتوت وہ نراجی طیف:۔

(منہ پہ پھٹکار نطق میں لکنت) "اجنبی تجھ سے آشنا ہوں میں
کون ہے تو' وہی جلیل القدر' زور آور فرشتۂ سرخیل
جس نے شاہ فلک سے ٹکر لی۔ حال ہی میں (پہ کھائی تھی منہ کی)۔
ٹوٹ پھوٹا اٹوٹ سناٹا' رن سے بھاگی جوان گنت سینا'

بھگڈر ایسی مچی، وہ دھکّم پیل، ہلچل اتنی لرز گیا پاتال،
ستیاناش ناش فاش شکست، پیچ پیچیدگی میں پیچیدہ،
یوں لکھو کھا اجیت جنھوں کو آسماں نے اگل دیا در سے
کہ بھگوڑوں کو دم نہ لینے دیں۔
حدِّ فاصل پہ میں مقیم یہاں کہ یہ باقی بچی کھچی جاگیر تا بہ مقدور کر سکوں محفوظ،
ہے بدستور دخل اندازی، وائے اپنے یہ داخلی جھگڑے
زالِ شب کے عصا کو چاٹ گئے ---- دور دوزخ وہی ترا مجلس،
تا بہ حدِ نظر بسیط بسیط آسمان و زمیں مسلط ہیں مری اقلیم پر، نئی تکوین
جسے عرشِ بریں سے کرتا ہے ملحق اک رشتہ زرنگار و طویل،
تیرے تومان کا محلِ ہبوط، اس ڈگر پر ہے تو خرامیدہ،
جان مت دور خود کو خطرے سے پاس کیا، تو تو عین منہ میں ہے۔
جا رفیق الوداع تیز ترک گامزن، ہو سو ہو مرا اب حال،
پائمال، انفعال، یا انفال، +"
(لوٹ مار)

وہ رکا اہرمن نہیں ٹھہرا بہر پاسخ، اسے تسلی تھی،
ساحلِ بحر بے کرانہ کا کوئی امکان تو بنا آخر،
تازہ دم، مستعد، جری، کوشاں، سمتِ بالا بھری زقند اس نے،
ہو بہو اک منارہ آتش ناک ---- جوّ گردوں کنار گردو پیش
عربدہ آزما عناصر کی کش مکش کے شدید جھٹکے تھے۔
یافتہ راہ راہ پوئیدہ بیش دشوار و پر خطر اس سے
(پشمِ زرّیں کی چاہ میں جاسن) آرگو میں عبور کرتا تھا
باسفورس کی جب چٹانوں کو، متصادم بہم جو وقفہ وار،

یا الی سس (جوارِ اٹلی میں) بائیں پہلو دبائے کشتی کو
کری بڈس بھنور (کی صفّہ کو ترنوالہ جہاز رانوں کا
دے کے) خود صاف لے گیا کھے کر سیلِ گرداب کے شکنجے سے--
یوں بڑی دقت و مشقت سے پیش قدمی کو برقرار رکھا'
بیش تر دقت و مشقت سے---
اور کایا پلٹ ہوئی محسوس (آدمی ہو کبھی بہشت بدر)
ملک الموت و معصیت یکدم (حسبِ منشائے ایزدی) اس کے
نقش ہائے قدم پہ گامزناں' جادۂ عرض دارو کوبیدہ
گھور پاتال' طے کناں جس پر مشتعل کھولتی ہوئی کھاڑی
پل سنبھالے کھڑی تھی چپکے سے (رمحِ طالوت کے مساوی) طول
لبِ دوزخ سے ارضِ فانی تک۔
وہ کُرہ' وہ کُرہ بعید ترین جس جگہ بے دھڑک خبیث ارواح
آدمِ بے بقا کو بچلائیں' ان میں آجا کر ان میں گھل مل کر
اَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ---مگر وہ خوش فرجام
دامِ تزویر سے رہیں مامون جن کو تائیدِ آسمانی ہو
رحمتہ اللہ والملائکتہ۔
جھلملاتی حسیں جمیل سحر' افقِ عرش کی فصیلوں سے
ملگجی شب کے ژرف سینے میں نور افشاں اترتی جاتی ہے۔
یہاں پہلے پہل بذاتِ خود فطرت اب چھو رہی ہے قصویٰ کو' (اقصا: انتہائی دوری)
حلم پسپائی اختلال کو ہے اب ہر اک خارجی کمیں گہ سے'
وہ عدوئے شکستہ و پامال۔

شور غوغا کی گھن گرج مدھم، ضعف پرور عداوتی دم خم،
اہرمن کے لئے گراں --- کم کم،
نور نازک کی نرم نہروں پر وہ سبک بال و پر سے طیراں ہے،
گوشۂ عافیت ہو بندرگاہ جیسے طوفاں زدہ سفینے کو،
تار تار اس کا بادباں سکّان رسّیاں چرخیاں کباڑ بنیں۔
وہ بیابانِ ہیچ ارزش میں مثلِ بادِ نسیم پر تولے
غائرانہ نگاہ ڈالتا ہے دور عرش العروش پر بہ فراغ
عرض دار و فراخ و دَورہ دار، طے نہیں گول ہے کہ وہ چوکور
اس کے مینار دودھیا بلور، بام دیوار روکشِ صد نور،
در دریچوں منڈیر کنگروں میں ضوفشاں زندہ ارزقی یاقوت،
(یہ جنم بھوم تھی کبھی اس کی)۔
ایک تارِ طلا سے آویزاں (جیسے شعلہ سا اک لپک جائے)
وہ معلق کُرہ، کلاں جیسے کوئی تازا مگر بڑا کوتاہ بدر کے روبرو جسامت میں،
ساعتِ نحس زا میں وہ ملعون کینہ ور، کینہ توز، کینہ کوش.....
اس طرف برق پاروانہ ہے۔

فرہنگ

۵۲ (۳) مطرود --- لفظی معنی جلاوطن، یہاں انتہائی مظلوم
۶۹ (۱۰) عجب --- اتراہٹ لب --- دل و دماغ
۷۲ (۱۰) جھابر --- پانی بھری، نیچر لگانے کا کمیت
۷۲ (۱۷) ہڈرا --- یونانی دیومالا سو سرکا، آتشیں آنکھوں اور گرجدار آواز کا اژدھا
۸۶ (۳) بیڑ --- سوکھے تالوں سے پٹا بنجر علاقہ = ڈاک --- (پشتو) میدان

دفتر سوم

تلخیص

خداوندِ عظیم و برتر کرسیٔ معلّٰی پر تشریف فرما، ابلیس کو سوئے جہانِ نو پریدہ دیکھتا ہے، تو دائیں ہاتھ پر متمکن روح اللہ (حضرت عیسیٰ) کی توجہ مبذول کرا کے آگاہ فرماتا ہے کہ وہ بنی آدم کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ مگر انسان کو اپنے اعمال پر مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اس کی گمراہی سے عدل و منشائے ایزدی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ انسان کو لازم ہے کہ شعور کو بروئے کار لائے اور ابلیسی تحریص و ترغیب سے بچ جائے۔ تاہم رحمتِ کبریائی بے پایاں ہے۔ پس انسان کو اس امر کا فائدہ دیا جائے گا کہ وہ بذات خود نہیں بھٹکا بلکہ ابلیس کے جھانسے میں آگیا ہے۔ روح اللہ اس شان غفاری پر حمد سرا ہوتے ہیں۔

فرمانِ خداوندی ہوتا ہے کہ رحمت بندگانِ عاصی کو اپنے دامان میں لے گی تو ضرور مگر جب انصاف کے جملہ تقاضے پورے ہو لیں۔ ربوبیت کا دعویٰ کر کے انسان کفر کا مرتکب ہوا، اس گناہِ کبیرہ کی پاداش میں اسے موت کا مزہ چکھنا ہو گا، بلکہ اس کی نسل ہی سرے سے فنا کر دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ہستی کفارہ بن جائے اور بطیبِ دلی سزا بھگت لے تو قہرِ خداوندی تھم جائیگا۔ روح اللہ بطور فدیۂ انسانی اپنی ذات پیش کرتے ہیں۔ یہ قربانی بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوتی ہے۔ حلول کا عمل، ارض و سما میں امتیازی شان کے حامل ہوئے تو فرشتوں کو ارشاد کہ آپ کی مدح بیان کریں۔ ٹولیاں منقبت اور قصیدے گاتی ہیں۔

اسی دوران ابلیس برہنہ محدّب گولے کے خول پر اترتا ہے۔ گھومتا پھرتا ایک مقام پر پہنچتا ہے۔ یہ برزخِ انا ہے LIMBO OF VANITY۔ وہاں جس جس نوع کی مخلوق کا گذر ہے ان کا احوال، پھر دروازۂ جنت پر آتا ہے زینہ بہ زینہ ۔۔۔ اس کی تصریح اور کوثر و تسنیم کا بیان۔ یہاں سے وہ کرۂ شمس کا رخ کرتا ہے جہاں عورئیل سے ملاقی ہوتا ہے وہ اس خطہ کا مرزبان ہے، یہ فرشتے کے حلیے میں اسے صاف چکمہ دے جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اللہ میاں کی نئی بنائی ہوئی دنیا کے نظارے کی دھن لگی ہے۔ مرزبان بھولپن میں اسے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اتہ پتہ معلوم ہوا، تو ابلیس اطمینان کے ساتھ آرمینیہ میں کوہ نفت پر جا اترتا ہے۔

نور بالائے نور اللہ ہو'---
مَثَل نورہٗ لمشکواۃٍ' فی ہا مصباح' فی زجاجتہ'
الزجاجتہ کانّہا کوکب' دُرّیٌ' یوقدُ-- تجلی ہے
کل سماوات وارض کی---لاریب--

مرحبا اے تجلّیٔ قدسی' سرمدیت کی اولیں تخلیق'
لمع ہمعصر لم یزال ہے تو---میں تجھے کیوں نہ باصفا لکھوں'
بسکہ یزدان ہے سراجِ منیر' نور بالذات قائم و دائم'
اور تجھ میں حلول--ناپید اجوہرِ تابناک کے رخشاں بے تکلف بہاؤ' یا تو ہے
سلسبیل اثیر بے آمیخت' اثرِ جلوہ ہر طرف آویخت
جس کا منبع رہا ہے نادریاب--
قبلِ خورشید تھا وجود ترا---تھا سماوات سے بھی یہ ماقبل-
لبِ یزداں سے لفظ "کُن" سن کر گھور گھرے بحور سے اڈے
گیتی نو بہ نو' جسے ڈھانپے توعبا سے' جو تیرے ہاتھ لگی
خالی و بے معیّن ابداء سے- (آفرینش)
تجھ تک آیا پرِ توانا سے پار کر کے مہیب بیترنی' (ہندوؤں کا STYX)
تندیاں تازماں مزاحم تھیں' سونے بسرام میں پراگندہ
ظلمتِ نیمہ و نہایت میں' محو پرواز دھن میں دھیوت کی' (چھنار)
مختلف عودِ ارفیٔنی کی کھرج سے'---میں قصیدے لکھتا تھا
شب یلدا و اختلال کے جب (ارفیٔس نغمہ گر اساطیری)
آسمانی میوز کی شہ پر تارو تیرہ ترائی میں اترا اور پھر مائلِ فراز ہوا'

تھی مہم گرچہ طرفہ و دشوار،
بچ کے ہر آفت و مصیبت سے آن پہنچا تری زیارت کو۔
صاف محسوس کر رہا ہوں میں تیری جاں بخش منفرد قندیل،
کاش آنکھوں میں تو سما سکتا، متحرک یہ رائیگاں کہ تری اک سرایت کناں کرن ملتی،
پائیں لیکن نہ نور کا تڑکا۔
ہو گئی ہے دبیز ناخنہ سے پتلیوں کی چمک دمک زائل (موتیا کا مرض)
گہن آشوب سے لگا ان میں ہو گیا ہوں ضریر و نابینا (اندھا مگر پیدائشی نہیں)
میں نہیں پھر بھی کم خرامیدہ، (راقیاتِ فنوں) میوز جہاں
چشمۂ صاف، کنجِ سایہ دار، صحرِ مہر تاب پر مخمور (چنان)
حدیٔ سرمدی کی لذت سے محوِ گل گشت عام رہتی ہیں۔
بالخصوص اے زیون کے ٹیلے (پاک جاہیکلِ یہوداکی)
نیچے پھولوں بھرے ندی نالے دے کر اشنان تیرے چرنوں کو
ہیں رواں مست و زمزمہ پرداز۔
ہوں میں ہر شب ترا طواف کناں۔ (شہرہ آفاق گو نہیں ان سا)
میرے ذہن و گماں سے محو نہیں باختہ چشم ہم نصیب وہ دو۔۔
ٹمرس اندھا تھریس کا شاعر (جس نے سب راقیات سے کی تھی نغمگی میں مسابقت کی ضد)
اور سمرنا کا ہومرِ اعمیٰ۔۔۔ (اندھا)
ہیں پراچین دیومالائی یاد دونوں رشی بھی وہ مجھ کو۔۔۔۔۔
تھیبز کا کور چشم تھاریسہ، دیدہ رفتہ ستم زدہ فینیس (فال بیں ایک غیب داں دیگر)
ہے فنِ شاعری مراوہبی اور آمد کلام ہم آہنگ،
جس طرح گائے رتجگی کوئل گھپ اندھیروں کی آڑ میں چھپ کر

راگ کامود کی سنوار سریں۔
سال بیتے رتیں پلٹتی ہیں، دن مرا لوٹ کر نہیں آتا،
نہ ہی مجھ تک سبک خرام کبھی صبح آتی ہے شام آتی ہے۔
نہ تو خوش منظرِ بہاراں ہے، نہ گلِ تر کی عیدِ نظارہ۔
اب کہاں ہیں نظر نواز مجھے چلبلے ریوڑ اچپلی ڈاریں،
یا خد اخال خد رخ انسانی۔
ایسا محصور کر دیا مجھ کو ابر نے مستقل اندھیرے میں،
اب کجا میں کجا وہ رنگا رنگ اہلِ دنیا کے شوخ ہنگامے،
نسخۂ کیمیائے علم و فن ایک کاغذ مرے لئے کورا،
دلنشیں شاہکار فطرت کے میرے نزدیک غارت و مسمار،
فہم و دانش کا ایک دروازہ بند و مسدود ہو گیا مجھ پر۔
یہ ہٹوا۔۔۔ پر تجلیٔ قدسی تو مرے اندروں ضیا بھر دے،
بخش دے ذہن کو درخشانی، بار آور ہو جملہ استعداد،
کر بصیرت عطا، بباطن تو روزنِ چشم وا مری کر دے۔
تیرے دم سے چھٹے کثیف سواد، فرطِ ابہام منتشر ہو جائے،
دیں بجھائی معاملات کہ ہیں نظرِ بے ثبات سے اوجھل
میں جنہیں بے نقاب کر ڈالوں +
فوق سے ذاتِ باریٔ متعال، اس منزہ سپہر سے جس جا
ہے بصد تمکنت سریر آرا، ہمہ رفعت سے بھی رفیع علو،
پائیں کو اک نگاہ فرمائے تو وہ یکدم ملاحظہ کر لے
اپنے شہکاران کے شہپارے۔

عرشیانِ بہشت مثلِ نجوم گرد گنجان اژدحام کناں'
فیضیابِ تجلیاتِ لقا' وہ نزول نعم ہے۔ کیا کہیئے!
متمکن یمیں بصد اعزاز روح اللہ ۔۔ شبیہ تابندہ عظمت و شانِ کبریائی کی۔
کُرۂ ارض پر ہوئے پہلے رونما والدینِ پیشینہ'
ابّ و امِّ بشر' وہی دونوں باغِ شاداب میں قیام پذیر'
ثمرِ دائمی کے خوشہ چیں' عشرت و عشق میں بہم سرشار'
عشق یکتا و بے خلل عشرت ۔۔ حجلۂ خلوتِ صحیحہ میں۔
واں سے پھر جائزہ مکمل وہ دوزخ و برزخ میانہ کا۔۔
رات بوجھل ہوا پہ بھاری ہے۔
اہرمن آسماں کی گگر کے ساتھ رہگیر افتاں و خیزاں'
مضطرب پاو مضمحل بازو اب جھپٹ کر تیار اترنے کو
اس جہاں کے برہنہ بیروں پر۔۔۔۔
ارض محکم دکھائی دیتی ہے کسی آغوشِ وا میں بے آکاش' کون جانے پون کہ ساگر کی۔
اہرمن کا نظارہ فرمائے وہ ہمہ بیں ہیں آئنہ جس کو ماضی و حال ۔۔۔ اور مستقبل۔
روح اللہ سے پھر ہوا ارشاد:۔ "دیکھ تو فرطِ غیض میں کیسا
وہ ہمارا عدو روانہ ہے' نہ معین حدیں مزاحم ہیں'
نہ رکاوٹ جہنمی طبقے۔۔
نہ تو پابند رکھ سکیں اس کو آہنیں استوار زنجیریں
نہ اسے وہ ڈراؤنا' گھمبیر مہاپاتال روک سکتا ہے۔
سر بکف انتقام آمادہ نظر آتا ہے' ہر چہ باداباد۔
یہ الگ بات اچٹ کے یہ آفت آپ پھر اس کی جان پر افتاد۔

بندشِ قید سے رہا ہو کر وہ ہے نزدیکِ آسماں پرّاں'
ہے دواں نور کے حوالی میں ٹھیک سوئے جہانِ تازہ رس
گھات میں ---- ہیں مقیم جو بندے اس جگہ' یہ انہیں خراب کرے..
زور سے 'جھوٹ سے 'بہانے سے ہر برے سے براوہ ہتھکنڈا
کہ بھلے سے بھلے بھی ہو جائیں الضّالین اور مغضُوبین۔
مکر آمیز ہزل و ہرزہ پر اہرمن کے دھرے گا کان انسان
وہ حریصِ علیٰ و ما منع'۔ منحرف سہل "امرِ ربی" سے 'حلف سے بندگی کی رو گرداں'
پس گرے گا وہ قعرِ پستی میں 'وہ بھی 'بد کیش نسل بھی اسکی۔ یہ ہبوط اس میں دوش کس کا ہے
-- کانَ الاِنسانَ انّ کفوراً وَالظّلوم' و جہُول -- یہ انساں
اس پہ خوانِ کریم سے میں نے منّ و سلویٰ کی نعمتیں بھیجیں'
ہر دعا مستجاب فرمائی' ہر تمنا کو شاد کام کیا۔
میں تو لاریب آفرینندہ منصف و راست باز بندے کا'
صاحبِ اختیار جو اتنا خواہ اپنی مدافعت کرلے خواہ اپنے مقام سے گر جائے!
قدسیانِ اثیری و ارواح --- فائزین اور خائبین تمام
گر ہیں ثابت قدم تو از خود ہیں'
یا فتادہ ہیں گر تو دوں ہمت خود گرے ہیں نہیں گرائے گئے۔
لاقدر ---- یہ بہم تو پہنچائیں صاف بے لوث بندگی کا ثبوت۔
جذبۂ عشق صادق ان کا ہو' راسخ الاعتقاد ہوں یہ لوگ۔
گو بظاہر انہی سے سرزد ہیں یہ محاسن بھی خود نفاذ نہیں'
کیا انہیں اس پر آفریں کہیے 'کیا اطاعت پہ ہو جئے خوشنود۔
(وہ ہے ژولیدگی) ارادہ 'عقل --- (عقل بھی مقدرت کے تابع ہے)

(جب فضول اور خودنما دونوں) فرطِ بے رہروی سے ناکارہ۔۔
ایسے مجہول، تھے کبھی سرگرم تو فقط ذات کی ضرورت سے،
یہ نہیں ہیں مرے رضاجویا۔
وہ کہ خِلقاً" قبالۂ حق تھے، اپنے خالق سے سرگراں کیوں ہیں
اپنے ہونے پہ کیوں پشیمانی اور تقدیر سے گلہ کیسا؟
کیا قضاوقدر نے کرڈالا مسترد قوتِ ارادی کو، حسنِ تدبیر و عقل کو ماؤف؟
کچھ سہی جبر و قدر کی تاویل "گذرِ کوئے نیک نامی" میں،
لیکن آیا نہیں ہوں میں آڑے، بلکہ بالطبع وہ ہیں نافرمان۔
خبرِ غیب بالیقین مجھے، علمِ پیشیں مگر سند کب ہے،
ذالِکَ فی کِتابٍ مسطورہ؟
تھا بھی آگاہ گر مسبّب تو میں نہیں ہوں ہبوطِ آدم کا،
آگہی کی ہے جو بھی نوعیت، یہ نوشتہ نہیں مذلّت کا،
شامل اس میں نہ شمّہ بھر ہیجان، نہ یہ تقدیر کا تماشہ ہے
نہ ہی داعی مری رضا امرِ پیش بینی ہے امر بے تغییر۔
کرتا دھرتا وہ آپ اپنے ہیں، آپ کردار اپنے ناٹک کے۔
یو فکونَ الذّینَ، یصرِفونَ۔۔ ہے ودیعت انہیں تمیز و شعور
وہ بقدرِ مجال ہیں مختار۔۔۔۔ لیسَ الاِنسانَ ما سَعیٰ۔ اِلاّ!
مقدرت ہے انہیں بہ آں حالے کہ نہ ہوں آپ ہی سرا سیمہ،
ورنہ قادر ہوں میں ابھی کردوں بشریت کا اقتضا مقلوبؔ،
ازلی فیصلہ اٹل منسوخ ایک دم فسخ وہ اہم فرمان
قدری جس کی رو سے یہ ٹھہرے۔

پس یہ بھرنی ہے اپنی کرنی کی ہے خود آور جو انحطاط کہ ہے۔
غولِ اولیٰ (شطونگڑے بھتنے) آپ صیاد دام میں جیسے'
اپنی ہٹ دھرمیوں سے خوار' ذلیل' رجم و لعنت کے آپ مستوجب۔
راندگانِ ازل نے انساں کو خلد میں سبز باغ دکھلا کر
اس کے منصب سے کر دیا محروم (بے شک ان سے مواخذہ ہو گا)'
درگذر چاہیئے کہ یہ نافہم آدمی قابلِ معافی ہے۔
کرم و عدل کارواں سکہ آسمان و زمین پر ہو گا'
میری عظمت کو چار چاند لگیں' شان دو چند کبریائی کی۔
المعلّیٰ و علوی و اعلیٰ' لیکن اول سے تا حدِ آخر
مری رحمت کے مہرِ تاباں سے اک چکا چوند کا سماں ہو گا۔"

تھا وہ ارشادِ حضرتِ یزداں'
ملکوتی شمیم سے افلاک روضہ ہائے ارم مشام بنے۔
چیدہ و برگزیدہ سب عرشی مستی نو کے جذبِ وافر سے
ہوئے بے ساختہ بڑے سرشار--- روح اللہ' پرتوِ قدسی'
مظہرِ انعکاسِ لاہوتی' جلوہ آرائے ذاتِ یزدانی'
سب صفاتِ الٰہیاتی ہیں آشکارا متین بشرے سے'
لب کشایوں ہوئے حضور اس کے: "اے الہ جس پہ وحی ہے یہ ختم
وہ کریمانہ نصّ و آیت ہے نوعِ انساں پہ سرمدی احساں۔
اس کرم پر ہے وِردِ یا سبحان کل سماوات و ارض میں جاری'
دھوم حمدوں کی گونج بھجنوں کی' حصرِ کرسی کریں مناجاتی
لب پہ الحمدُ للہِ ربِّ العالمین الرّحیم' الرّحمٰن!

نسلِ آدم اگر تلف ہو جائے --- ابنِ آدم یہ احسن التّقویم'
یہ ترے خاص شوق کی تخلیق جو ترا آخری چہیتا ہے
اہرمن کی فریب کاری سے 'صفحۂ ارضیہ سے مٹ جائے'
یا رہے وہ ترے حضور سے دور' دور وہ یوں تری حضوری سے'
تو الہ عادل حقیقی ہے 'تیرے فیصل کی شان بالقسطِ'
شرع خیر الاُمور ہے تیری --- کیا عدو مدعا کو پہنچے گا
تیری منشا کو منہدم کر کے ؟ کیا بنا کر ترا کرم لاشئ
کینہ دوزی بر آئے گی اس کی ؟ لوٹ جائے گا نازاں و فرحاں
وہ گراں بار عاقبت کی طرف مطمئن کیا بزعمِ خویش --- ہوئی جذبۂ انتقام کی تکمیل!
یوں جہنم میں شان سے داخل آدمی سب رکاب میں 'کھو کر
اس کے حیلے سے مستقیم صراط۔
خود خداوند محو فرمائے نقشِ ہستی کو لوحِ عالم سے'
ہست ہو نیست اہرمن کے لئے
ہو وہ ناپید جس کی خِلقیت ہے سند تیری کبریائی کی'
کیوں بزرگی و برتری تیری معرضِ قیل و قال میں آئے۔
بے سبب ذاتِ پاک بے حرمت 'بھداڑے کُن فکاں کی بے توجیہہ ؟"
یوں جوابا" سخن طراز ہوا خالقِ اکبر:۔ "اے عزیز مرے
روح تجھ میں مری نہال نہال 'تو مرے دل جگر کی ٹھنڈک ہے'
تو مری درک ہے مرا کلمہ قوتِ کارگر کا سرچشمہ!
یہ تری گفتگوئے حقانی ترجماں ہے مرے خیالوں کی --- بازگشت مشیتِ ازلی
جملہ نوعِ بشر نہ بھٹکے گی 'کچھ رہِ راست کے تمنائی

بے ارادہ حنیف ٹھہریں گے میرے الطاف و در گذر کے طفیل،
میرا فیضان ---- عام اور عیاں
مضمحل ہو گئے قویٰ ان کے خیر میں وہ بحال کر دوں گا'
مقتضی ہیں اگرچہ بے انداز آرزوہائے سفلیہ ان کی کہ وہ محرومِ التفات رہیں۔
استقامت عطا کروں ان کو وہ برابر کے ہاتھ دکھلائیں اپنے ہٹ دھرم دشمنِ جاں کو۔
دوں یہ توفیق تجزیہ کر لیں ہستیٔ زار و بے حقیقت کا'
امر ان پر یہ منکشف ہو جائے بسکہ ان کی نجات کا رستہ
ہے مرا راستہ فقط میرا۔
ایک طبقے پہ فضل ارزانی، وہ مرے برگزیدہ بندے ہیں
اور یہ ایزدی مشیت ہے'
دوسروں کو پیام حق پہنچے ---- (بر رسولاں بلاغ باید و بس)
انہیں تنبیہہ ہو معاصی پر ---- درِ رحمت مرا کشود رہے۔
ہو بہ اندازۂ شعور و تمیز ان کے باطل حواس کی تطہیر'
کچھ شقی دل گداز ہو جائیں، متقی کچھ نفس پراگندہ'
کریں طوقِ عبودیت میرا زیبِ گردن نیاز مندی سے'
میری شانِ کریم کے شایان --- انفعال و ریاضت و طاعت'
عملِ نیک، نیتِ صادق ---- میں سمیع و بصیر ہوں لاریب'
نہ بہ حرفِ عطا گراں گوشی، نہ بہ صرفِ نظر حقیقتِ حال۔
ایک ثالث ضمیر البتہ متعین بھی ان کے اندر ہے
کان آواز پر دھریں اس کی، رہنمونی انہیں مہیا ہو ---
رہنمونیٔ نورِ رخشندہ، ضوپسِ ضوضیا پراشیدہ'

انتہا تک نگاہ پیوستہ کہ وہ منزل کو بے تکاں جالیں۔
کیوں مگر در خورِ نوازش ہوں، کیوں انہیں مہلتِ دراز ملے
حکم پر ناک بھوں چڑھائیں جو، اور پہلو تہی کریں مجھ سے؟
قلب پر مہر آنکھ پر پردہ (ختم اللہ علیٰ قلوبہم علیٰ ابصارہم غشاوۃ)
جو شقی ہیں سو وہ شقی تر ہوں، جو ہیں اعمیٰ فزادہم مرضاء!
ڈگمگائیں، وہ ٹھوکریں کھائیں، گہری کھائی میں منہ کے بل گر جائیں،
وہ سزاوارِ لطف و فضل نہیں --- آدمی ہے بڑا ہی نافرمان،
وہ ستم کیش صاف منکر ہے آسمانوں کی بادشاہت کا
حلف سے بندگی کی روگرداں،
ایسا خودبین شرک آلودہ، مدعیٔ ربوبیت، خاسر،
وہ دغاباز اور باغی ہے، اس خطا کا نہیں ہے کفارہ،
اس کی قسمت پہ مہر ثبت ہوئی۔
(بس قلم رکھ دیئے گئے لکھ کر، روشنائی تمام سوکھ گئی)۔
آدم و ذرّیات --- فیصلہ ہے بے اماں موت کا مزہ چکھیں،
یا وہ تلخابۂ اجل پی لے، یا شکستہ ہو عدل کا میزان۔
ابنِ آدم کا ہے کوئی ہمدرد، وہ بہی خواہ صاحبِ توفیق،
بخوشی جو عوض کرے بھگتان؟
ہو مکافات کا عمل پورا، القصاص انّ النّفسَ بالنّفسِ،
القضا، موت موت کے بدلے!
اے سماوی رجالِ غیب کہو ہے کوئی روح صاحبِ ایثار،
ہے کروبیٔ جاں سپار کوئی، کہ بنے وہ تلافیٔ مافات ابن آدم کے جرمِ سنگیں کا؟

داد گر کوئی جس کے صدقے ہو کسی بیداد گر کی جاں بخشی'
ہے سرِ عرش کیا کسی دل میں جذبۂ رافت بے بہا ایسا؟"
تھا یہ کتنا عجیب استفہام---
رہ گئی آسمان کی منڈلی گنگ جیسے زباں نہ ہو منہ میں'
لگ گئی چپ---- سکوت یا سکتہ۔
آدمی کے لئے نہیں اٹھا کوئی ہاتف شفیع یا حامی'
کوئی ایثار کیش جرأت مند لے پرائی بلا جو سر اپنے'
سہے پاداش یا بھرے تاوان'
نوعِ انسانِ بے شفاعت پر لگتا فتویٰ بڑی خرابی کا
خشنِ قسام کی عدالت سے' (غصہ ور)
ہو تامّلِ حال وہ فی النار' یا فنا اس کی عاقبت ہوتی'
سر اٹھا کر مراقبہ سے اگر پھر نہ تجدیدِ گفتگو کرتے
روح اللہ' عشقِ قدسی کا جن کی ذاتِ کرام معمورہ---
"اے الہ تیرا اذنِ عام ہوا' آدمی پر ترا کرم ہو گا'
رحم' مالانہایۂ رحمت---
رحمتِ حق بہانمی جوید' رحمتِ حق بہانہ می جوید۔
کیوں وسیلہ بہم نہیں ہو گا' آخرِ کار ایلچی پردار'
برق رفتار' رحمتِ حق ہی تیری مخلوق کی طرف' بے حد' بے دریغ اور بے طلب لائے،
پیشتر زاں دعا بہ لب آئے' درِ رحمت کھلا' مبارکباد۔
یہ بشارت اسے نہیں لیکن جو ہوا غرق بحرِ عصیاں میں'
کچھ ٹھکانہ ملا نہ ٹھور جسے۔

کب یہ مہلت کرے وہ کفارہ یا سزاوار نذر گذرانے
جان دادہ و زیر بار ---- کوئی حامی و ناصر و شفیع نہیں۔
دیکھ مجھ کو قبول فرمالے، عوضِ آدمی ہوں میں حاضر،
پیش ہے جاں بجائے جاں --- تسلیم، مجھ پہ نارِ غضب فرو کرلے۔
ابنِ آدم کا ہم کفو بن کر بخوشی الوداع میں کہدوں
دل کدے کو ترے، کروں رخصت وہ الوہی تجلی و اقبال
جو مجھے تیرے بعد زیبا ہے۔
جان قرباں کروں گا میں طوعاً" جو ہے گمراہ اس بشر کے لئے (بخوشی)
اے بسا درد کاں ترا دارواست!
مجھ پہ بے شک اجل کرے خالی ترکشِ تیرہائے سم آلود،
مجھے اس کی دبیز تاریکی کرسکے گی نہ مستقل معدوم
آپ تو نے کیا امر مجھ کو فیض سے تیرے "لایموت" ہوں میں۔
موت چندے جو پائیگی غلبہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گا۔
ہوں جو زائل فنا پذیر اجزا، یہ تو ہے فرض سے سبکدوشی،
کب گوارا تجھے رہوں اس کا گورِ ویراں میں صیدِ بے چارہ،
کب یہ برداشت یوں خرابی میں مری بے داغ جاں اسیر رہے۔
زیر میں فتحمند کو کرکے ــ سرخرو کامران اٹھوں گا،
کرکری ہوگی اس کی سب شیخی
وار اجل کا اجل پہ وہ کاری، چت گرے گی دھڑام تا ہنجار،
ڈنک موذی بنے گا تا کارہ۔ فاتحانہ کھلی فضاؤں میں
لے کے نکلوں گا مبتلاؤں کو، طوق دوزخ کے در گلو ہیہات،

اور دوزخ بڑی جحیم، حریق --- میں کروں گا یہ آشکار آخر
ہے عبث شورہ پشتیٔ ظلمات، آئے گا خوش طلوع نظارہ....
تو انہیں آسماں سے جھانکے گا اور بے اختیار ہنس دے گا۔
فیضِ تائیدِ ایزدی سے میں خاک کردوں گا لشکرِ طاغوت،
اجلِ نابکار سے نمٹوں، گاڑ دوں اک گڑھے میں لوتھ اس کی۔
پھر ہمارا نجات یاب انبوہ داخلِ جنتِ عدن ہو جائے۔
مدتوں کے غیاب کے مابعد لوٹ آئے ترے حضور میں یہ،
لقاءاللہ کی سعادت ہو، وجہ اللہ کی زیارت ہو، (چہرہ)
اے الہ تیرے روئے اقدس پر کوئی پرچھائیں غیض کی نہ رہے،
بلکہ آئے سلامتی کا پیام، سب پہ تیری تحیّتہ اور سلام،
کچھ جوازِ غضب نہ وجہِ عتاب،
سب تری بارگاہ میں حاضر شادمانی کے مستحق ہو جائیں"۔
بات حضرت کی یاں تمام ہوئی،
لیکن ان کی فروتنی گویا متکلم سکوت میں بھی رہی ——
جذبۂ عشقِ بے تغیر سے مردمِ بے ثبات تھے سرشار،
کس طرح مخلصانہ طاعت تھی، کس قدر والہانہ قربانی
کیا رضائے الٰہ کے پابند ---- سب فلک مرحبا سے گونج اٹھا۔
تھا اچنبھا، معاملہ کیا ہے، تان ٹوٹے گی اب کہاں اس کی۔
کہ ہوا بارگاہِ ایزد سے جلد ہی یہ جواب میں ارشاد:۔
"بہرِ مقہور نوعِ انسانی، تو نے کونین میں اماں ڈھونڈھی،
تو بدیہی طمانیت میری۔

ہے بخوبی تجھے خبر اپنی صفت اک ایک ہے مجھے محبوب،
ابن آدم بھی کم عزیز نہیں، آفرینش میں گو سہی حادث۔
فی امان اللہ دستِ راست، جدا دل سے تجھ کو کیا بشر کے لئے،
الم تلخیٔ فراق سہی --- کہ وہ گمراہ نسل بچ جائے،
اے نجاح و نجات کے ضامن۔
بس تری طبعِ خاص میں ان کی طبع کا امتزاج ممکن ہے،
ارض پر مردمانِ خاکی میں آدمی گوشت پوست کا ہو، جا،
ہے معین وہ ساعتِ مسعود (امر مرہون وقت ہوتے ہیں)،
جب کنواری کے بطن سے ہو گا معجز آثار مظہری مولود،
گلِ رعنائے گلشن آدم۔
ایک ہی شاخ کا سہی لیکن تو گلِ سرسبد بہ رعنائی!
جس طرح پھر ہر اک بشر کے لئے موت کا ایک دن معین ہے،
تو بھی زہرابِ مرگ چکھے گا --- مرگ میراثِ ابنِ آدم ہے،
فیض سے تیرے بخششیں ہونگی،
پائیں گے بے شمار اہلِ جہاں رستگاری تری شفاعت سے،
سہوِ آدم کا شاخسانہ ہے، وہ گنہگار نسلِ انسانی مکرمت سے تری بری ہوگی۔
سب نکو کار بد خصال انہیں اک نئی زندگی عطا ہوگی
ہو کے وابستہ تیری ذات کے ساتھ۔
شرطِ انصاف ہے کہ انساں کی کوئی انساں صفائی پیش کرے۔
ابتدا "محاسبہ باید، پھر اسے موت آئے معمولا"
کلٌّ مِن فان مات ثمّ بعث --- دے وہ جانِ عزیز فدیہ میں،

پھر بہ ہنگامِ رستخیز و نشور، جی اٹھیں بھائی بند ساتھ اس کے،
صادقانہ محبتِ علوی بغضِ سفلی پہ غالب آجائے
موت کر کے قبول، پیش کرے بخوشی بیش قدر نذرانہ،
بغض سفلی جنہیں کرے تاراج، نزع میں مخلصی کا وہ ضامن،
پھر نہیں خاص ڈر، نہیں پروا گر بدستور ہو بھی وہ درپے،
ہوں وہ تائب تو فضل فرماؤں۔
حقِ فطرت سے بھی زیادہ ہے حسنِ سیرت میں تو بر آوردہ،
تو مؤثر ترین صالح ہے، تو معزز تریں مشرف ہے۔
عشق تیری عظیم ہستی میں دبدبہ سے وفور میں وافر،
پھر تری یہ فروتنی تجھ کو بشریت کے ساتھ کر دے گی
سربلند اس رفیع کرسی تک
متمکن وہاں مرے اوتار تو جہانوں کا حکمراں ہو گا،
ترے تابع خدائی اور بندے اے جگر بندِ آدم و یزداں کہ خدای جہاں مطاع مسیح!
اختیارات کل ودیعت ہیں، پادشاہت تری دوام رہے۔
ترے اوصاف کے کھلیں غنچے، اور ماحول این و آں مہکے،
کر دیئے میں نے والیٔ والا تیرے زیرِ نگیں تمام سریر،
کشور و ملک و سلطنت سارے،
باادب کورنش بجالائیں ساکنانِ زمین و عرش حضور،
اور تحت الثریٰ کے دوزخ میں جو رہائش پذیر ہیں --- وہ بھی۔
تو معلّیٰ مقام سے جس دم جلوہ آرائے آسماں ہو گا،
در جلو اک ہجومِ مشتاقاں،

ہاتفِ غیب تیرے ایما پر یہ منادی بہ بانگِ صور کرے
الیٰ یوم الجزاو یوم الدّین'
یک بیک ہر جہت سے سب زندہ' یک بیک ہر زماں کے سب مردہ
جی اٹھیں' سوئے عاقبت لپکیں'
وہ کڑاکے کا ہو کڑاکڑ کا' ابدی گہری نیند اچٹ جائے'
صف بہ صف جمع اسقف و مطراں'
اور میزانِ عدل قائم ہو--- شرپسند انِ خاکی و نوری
جو بھی مستوجبِ مواخذہ ہوں وہ پہنچ جائیں کیفرِ کردار'
پاکر اب اجمعین اٹ جائے' یہ جہنم سدا کو پٹ جائے،
اسی دوران جل بجھے دنیا' اور بھوبل سے لیں جنم اس کی نیا آکاش اور نئی دھرتی۔
ویلُ--- یومِ تبدّلُ الارضِ غیرِ الارضِ وَالسمٰوٰتُ---
سب نکو کارواں فروکش ہوں۔
بیتے گھورے کی رات طولانی دن سنہرا طلوع ہو جائے،
پریم' سچائی' اور دھیرج کا بول بالا ہو' گُن پھل ہو جائیں۔
یہ عصائے شہی پرے رکھ دے' اب عصائے شہی ہے بے مصرف'
اب سراسر ہے عالمِ حق اک' اک سماں لاالہ الااللہ۔
تم تمام اے مقربانِ جلیل آج اس کے حضور جھک جاؤ'
جاں کی بازی لگائی ہے اس نے' بہرِ اتمام اسے سلام کرو'
سرِ تسلیم خم بہ روح اللہ'
جیسے حاضر مری جناب میں ہو اس طرح اس کا احترام کرو+"
لبِ گفتارِ قادرِ مطلق بند جونہی ہوئے' تو جمِ غفیر--

اتنی تعداد جو ہو لاتعداد ---- تھا فرشتوں کا نعرہ زن ایسا
ہو اگر دون گنبدِ گلبانگ --
لحن شیریں 'نوا سروشانہ 'گونج اظہارِ شادمانی کی-
جشنِ بہجت کا عرش معمورہ'
تیز احسنت کی صداؤں سے تھے مضافاتِ جاوداں معمور-
پیشِ ہر دو سریر تعظیما" جھک کر آداب وہ بجالائے'
مخلصانہ نیاز مندی سے اپنے دیہیم خاک پر رکھے وہ مرصع' طلائی دیسم کے- (تاج)
گلِ دیسم سدا بہار' مدام شجرِ زندگی کے تھانولے میں سرِ فردوس لہلہاتا تھا'
پھر بہ پاداشِ لغزشِ آدم اڑ گیا سوئے عالمِ بالا'
وہ نمو گاہِ اولیں اس کی' وہ جہاں اب بھی پھلتا پھولتا ہے'
شیتل امرت ندی میں جھولتا ہے'
درمیانِ فلک جہاں کامل مہربانی کی سلسبیل رواں
کہربائی بسنتی دھاروں سے منہ بہشتی گلوں کے دھوتی ہے'
آشنائے خزاں نہیں یہ پھول' چن کران کو پروئیں کرنوں میں
زلفِ تاباں کے واسطے حوریں
گاہ لڑیاں' پراندیاں' موباف' گاہ گجرے گتھے گتھے گوندھیں
اور لہرائیں بے حجابانہ-
آسمانی حسیں گلابوں سے جگمگائی ہوئی روش گلگوں'
متبسم بسانِ قلزمِ یشب'
ناز سے سر پہ خوبصورت تاج' ساز اداؤں سے ہاتھ میں زریں'
مستقل رس پہ تال میل کئے ---

بربطیں پہلوؤں میں نور فشاں ترکشوں کی مثال آویزاں۔۔
دلربا لے سے وہ مدھر مکھ بند سنگ میٹھے بھجن الاپ کریں۔
مستی و وجد و کیف طاری ہو۔
مدغمِ رنگ آہنگ اب آواز کوئی ایسی نہیں کہ باقی ہو'
اس قدر عرش میں ہے دم سازی +
سب اک آواز حمد خواں پہلے: قادرِ مطلق اے الہ ترے'
لم یزل' بادشاہِ بے ہمتا' العلی العظیم وال قیوم'
لایحیطون' ہستیٔ لابد' غیر محسوس نور کا مبدا۔۔ مالکِ کلّ شے' بلا شرکت
رونق افروزِ مسندِ سرمد' بہ شکوہے کہ دسترس سے بروں۔
رونمائی کا جب ارادہ ہو' انتہائے فروغ سے معمور
تیرے دامان آشکارا ہوں سائبانِ سحاب سے چھن کر۔
جو ہے چوگرد ہالہ دار حجاب مثل دیوار بارگاہِ منیر۔۔
گرچہ فرطِ ضیا سے تیرہ ہے آسماں سے نگاہ خیرہ ہے
وہ چکاچوند ہے کہ چندھیائے ہے بجوہر جو خلق نورانی'
الملائک پھٹک سکیں نہ قریب
بلکہ دونوں پروں کی جھلملیاں ڈال کر موند لیں نگاہوں کو
نظر انداز کر کے موجودات' یہ ثنا خوان ہیں ترے اول
روح اللہ' شبیہہ ربانی' بے کدر تیرے باصفا رخ پر ہیں الوہی تجلیات عیاں۔
پر کسے ہے مجالِ نظارا' ذات پر ثبت پاک چمکارا'
روح میں ہے نفوذ کثرت سے وہ مقدس روانِ رخشندہ'
آفریدہ نواحِ شخصیت' سقفِ عرش العروش و مافیہا

قوتیں تیرے واسطے تسخیر۔
دم قدم سے ترے ہیں پابستہ متمنیٔ اقتدار و ہوس۔
تو نے اس دن نہیں کیا صرفہ آزمائی بلائے رعدِ الہ
رتھ کے روکے نہ جب اگن پہیئے' لرزا چرخ مشیّد الارکان' (مضبوط ستونوں کا)
منتشر جنگجو شیاطیں پر بے محابا چڑھائی اور دَوِش'
جب تعاقب سے فتحیاب آیا' تیرے جملہ قوی حلیفوں نے
نعرہ ہائے فلک شگاف بلند تری توصیف میں کئے پیہم '
تو ہے شہزوریٔ الہ کا امین۔
سر میں سودائے انتقام شدید اس کے اعدائے پر فتن کے لئے'
چشم پوشی کرا بنِ آدم سے -- کینۂ غیر کا یہ مارا ہے --
اے مجسم کریمی و اکرام' اس سے سنگین باز پرس نہیں
بلکہ ہو التفات فرمائی -- روح اللہ' عزیز اکلوتے!
یہ ہے منشائے ایزدی آدم موردِ باز پرسِ سخت نہ ہو'
وہ ہے خِلقا" ضعیف بے چارہ' در گذر در گذر کریمانہ!
رام کرنا ہے قہرِ ال قہار' روکنا ہے کشاکشِ باہم رحم و انصاف میں جو پیدا ہو'
صاف صاف اس طرح -- ہویدا ہے جو ترے پُر جلال چہرے سے۔
اس سعادت سے بے نیازانہ کہ ترے بعد وہ یگانہ ہے'
سر ہتھیلی پہ رکھ کے لے آیا'
کسی عنوان ہو یہ جاں دادہ آدمی کی خطا کا کفارہ۔
اے عدیم النّظیر جذبِ شہود' اے محبت جہاں ہے تو موجود
ملکوتی و قدسیاتی ہے!

—

آفرین، آفرین روح اللہ -- ناجیٔ نسلِ آدم و حوا۔
نہ کرے گا مرا سرود کبھی تیری مدحت سرائی سے پرہیز،
اب مری مثنوی سدا تیرے نامِ نامی کے ذکر سے لبریز
اور حینِ حیات آیندہ ذکرِ حمدِ الٰہ سے ربط آمیز+
انجمستاں سے ماورا سرخوش تھے وہ مشغول حمد خوانی میں،
یوں گذرتی تھیں چین کی گھڑیاں عرش پر پاک خو فرشتوں کی۔
عین تب مستدیر دنیا کا غیر شفاف استوار کُرہ
---اولیں جوف سے جدا جس کے سفلیہ نورپاش سیارات
فتنۂ اختلال سے مامون، شبِ یلدا کی گھات سے بیرون--
اہرمن کی فرودگاہ بنا۔
کالے کوسوں جو تھا بظاہر دور وہ کُرہ اب دکھائی دیتا تھا
بیکراں برِّ اعظم تاریک، چینِ شب سے اجاڑ، گھپ، بنجر،
بے ستارہ وفاش، پے در پے خوفناک اختلال کے منہ زور
وہ تھپیڑے کہ جی دہل جائے۔
چرخِ نیلوفری ستم راں ہے، زیرِ دیوارِ عرش، اوٹ میں دور
نظر افروز تھا گھنا سایہ ــــ
رخِ بادِ نسیم، سوزدمیں حسبِ معمول تند طوفاں کی۔
بے دھڑک اس جگہ نڈر خنّاس صاف میدان میں روانہ تھا۔
جیسے پروردۂ امس کرگس--(کوہ برفوںؔ ہمالہ سے سلسلہ منجمد شمالی تک۔)
چوٹیاں برف پوش جس کی ہیں سدِّ راہِ تتارِ دشتِ نورد--
اک تہی صید گاہ سے نکلے بوٹیاں زہر مار کرنے کو

نرم لیلوں کی تازہ بتّوں کی گھاس سے پُر گھنی تلہیٹیوں میں۔
ریوڑوں کی ہری چراگاہیں۔
(برّ کوچک کے دو بڑے دریاؤں) گنگ و جہلم کا رخ کرے۔ لیکن
غیر ہموار اڑان میں یک لخت
ہانپ کر راہ میں فرود اترے سنکیانہ کے ریگ زاروں میں'
جہاں صرصر سے بادباں والی بہلیاں بانس بید کی چینی
ہلکی پھلکی 'اڑائے پھرتے ہیں۔
بس اسی طور بحر خشکی پر آندھیوں کے جھکور جھکڑ میں
ہوسِ صید میں بلند و پست پھر رہا تھا کھدیڑ تاخناّس
اب جریدہ ---وہاں فقط وہ تھا' کہ ابھی دَور نیستی کا تھا---
تھی نہ موجود اور مخلوقات کوئی بھی جاندار یا بے جاں'
بعدہٗ مثلِ ابخراتِ اثیر پھر اسی سرزمین سے پرّاں
جوق در جوق آئیں گی اس سمت ہیچ بنیاد عارضی اشیا'
اور ہو گا گناہ ٹھسے سے حاوئی کاروبارِ انسانی۔
لیسَ بالشّے فریق اک ان میں 'ایک طبقے کو خام حرص و آز
ہم چنیں ہیچ' ہیچ پوچ' پہ سوچ مال اقبال نامِ نامی کی'
آرزو جاہِ جاودانی کی' خوبصورت حیاتِ ثانی کی۔
پائے لیکن وہ اجر جیتے جی--- رنج دہ وہم و لغو جوش کا پھل---
ہو تمنا جنہیں ستائش کی ٹھیک ان کو ملے صلہ --یعنی
ٹھوٹھ 'اپنے کیے ہوئے اعمال -
دستِ قدرت کے سب نمونہ جات مہمل و ناتمام 'ادھ کچرے'

راچھش ان گھڑ، کریہہ ملغوبے ہو کے تحلیل بھوم دھرتی میں
اس طرف کو فضول لپکیں گے یاں تلک بس دیہانت ہو جائے۔ (مرجائیں)
خواب دیکھا کریں پڑوس میں یہ خوش نما چاند پر نہ اتریں گے،
کہ سکونت پذیر تو ہوں گے چاند نگری کے سیم زاروں میں
حضرت ادریس و حضرتِ الیاس، جو اٹھائے گے نبی زندہ--
ثقلان ایسے بین بین بھی جو نیم خاکی ہیں نیم نوری ہیں (جن آدمی)
شاد آباد چاند پر ہوں گے۔
دیگر اس سمت لائے جائیں گے دوغلی نسل بیٹیاں بیٹے (گوت کنیاؤں دیوتاؤں کی)،
عہدِ پیشین کے بزرگ تمام، دیو پیکر گرامی و نامی
کارناموں پہ بے تکاغرہ، ایسے مہمل، قبولِ عام رہا حاصل اس وقت تک کہ جیتے تھے۔
آئے باوقر قریۂ ثنعر بابلِ سال گشت کے بانی--
حسبِ مقدور سازوساماں سے جس کے ویراں کھنڈر پہ گاہ بگاہ
فاخرانہ، جدید طرزوں کے۔ نئے بابل کئی بنائے گئے۔
پھر یکے بعد دیگرے پہنچے:۔ ا۔ یمپی ڈوکلز دیوتا خود زعم
کہ جوالا مکھی میں ایٹنا کے بے دھڑک کود کر خراب ہوا۔
"فائدہ" خواں کلمبروتس بھی، نظری جنتِ فلاطوں کی ہوسِ خوش میں ڈوب کر جس نے
ایک ساگر میں خودکشی کرلی۔
سلسلہ وار مدتوں وارد--ادھ بنے بال، گاؤدی گھامڑ
پادری، راہب، اسقف و شماس دلق خاکستری سفید سیاہ،
(کارمٹ، ڈومنگ، فرانسسکی) منزل افتاد ٹیم ٹام کے ساتھ۔
گولگوتہ کے گرد گرداں ہیں قافلے بدعقیدہ زائروں کے

مدفن اس کا سراغ کرتے ہوئے جو بہشتِ بریں میں زندہ ہے۔
لوگ یہ مبتلائے خوش فہمی بس انہیں ہے بشارتِ فردوس'
زیب تن وقتِ مرگ کرتے ہیں کچھ تو ڈومنکی خرقۂ خاشاک
(جیسے انسان دوست انجیلو پولزی آنو---شاعرِ اٹلی)'
کچھ فرانسسکی روپ دھارتے ہیں (جیسے گیڈو ڈمانٹی فلٹرو)۔
رہگذر پر ہیں سبع سیارے' پھر ثوابت ہیں' پھر بلوریں سپہر
جو ترازو ہے اہتزاز کے ساتھ (اہتزازِ مسیرِ شمس کہ ہے
باعث اعتدالِ لیل و نہار حکمائے قدیم کے نزدیک)۔
پھر دہم چرخ پر رودان کا--وہ نخستیں محرکِ ابداع'
(دور سب آسمان باقی ہیں اسکی گردش کے ہم قدم ہو کر)۔
--کنجیاں لے کے منتظر پطرس بابِ جنت کی چور کھڑکی پر--
آسمانِ بلند کے نیچے ڈالتے ہیں کمند پا اوپر
ہوسِ اوج انہیں مگر دیکھو کرۂ باد میں جداگانہ
تند و رزاں مخالفی جھکڑ جا پٹختے ہیں دور ہر تٹ پر
اینڈے بینڈے ہزار ہا فرسنگ--ایک حیران کن تماشا ہے۔
کلہ و جبّہ خلعت و دستار اڑتے پھرتے ہیں دھجیاں ہو کر'
ٹھوکروں میں تمام جامہ زیب'
یہ تبرک وہ مغفرت نامہ' سندِ عفو و محضرِ پاپا' شُقّہء خلد و دانہء تسبیح
ہیں کھلونا ہوا کے ہاتھوں میں'
ان سے اٹکھیلیاں کرے پہلے' پھر جہاں کے عقب میں جا پھینکے۔
وہ کشادہ و بے کراں اعراف حمقا کی جسے کہیں جنت۔

وقت اس کھیل میں ہے کچھ باقی---ہُو کا عالم ہے' یہ مقام ابھی
آمد و رفت سے نہیں پامال---کوئی آدم یہاں نہ آدم زاد+
تیرہ و تار یہ تمام کُرہ خوب خناس دیکھتا گذرا'
دیر تک ناحیہ میں سرگرداں۔
آخر اس کے قدم تھکے ماندہ موڑتی ہے کمال سرعت سے خاوری نور کی کرن اس رخ'
نظر آتی ہے منزلوں بالا' دور عالی شکوہ اک تعمیر'
آسماں بوس' سقف و بام تلک و منبّت' مرصّع و منقوش'
سامنے جس کے ایک دم پھیکا زرد الماس کا جڑاؤ کام
درو رو کارِ کوشکِ کے پر۔
خوش نما' آبدار' تابندہ ایسی بھرمار تھی نگینوں کی
جگمگاتا تھا صدر دروازہ---وہ عدیم النظیر' موئے قلم
عکس اس کے نہ مثل اتار سکے تا زمانہ وجودِ ارضی پر۔
نردباں ہو بہو--- نبی یعقوب جن پہ کرتے رہے۔ تھے نظارہ
عرشیوں کا دمِ ہبوط و صعود' پرے برّاق نگہداروں کے۔
وقت ہجرت سوئے دیارِ لوز پدن آرم ز جانبِ ایسو۔
وہ کھلے آسمان کے نیچے رات بھر خواب دیکھتے رہنا'
ہو کے بیدار پھر پکار اٹھنا یہ ہے عرش بریں کا دروازہ'
پھر مجازاً" کہیں جسے زینہ کب ہمہ وقت جا بہ جا موجود'
تھا بہ افلاک یوں صعود اس کا اس جگہ او جھل اس جگہ اوٹل'
— نیچے سیال یشب و ابرق کا یم رخشندہ موجزن تا دور —

جو پدھارے بدیر دھرتی سے وہ سوار آئے ایسے بجروں پر
جو فرشتے پروں سے کھیتے تھے۔
بعض پانی کے راستہ وارد، بعض پرواز جھیل پر کر کے،
مست، رتھ پر براجماں جیسے لے کے سرپٹ اڑے اگن گھوڑے،
سیڑھیاں پھینک دی گئیں نیچے، سہل چڑھ آئے باندھ کر ہمت۔
اور خناس تلملائے کھڑا کہ اسے یوں نکال پھینکا ہے
مہا آنند ورش سے جیسے بال مکھن سے، دودھ سے مکھی۔
تحت رہ سوئے ارض کھلتی ہے سامنے عین فوقِ تختِ ارم،
مرصد اس سے فراخ، جو مابعد سرِ کوہِ زیون سے ہو کر (چوڑی سڑک)
ارضِ موعود میں گزرتی ہے۔ (وہ کشادہ صراط پاکیزہ خاص یزدان کی پسندیدہ)،
حسبِ ارشادِ عالیٰ ایزد اکثر و بیشتر طواف کناں
جہاں کروبیاں زیارت کو اہلِ اقبال و یمن جرگوں کی۔
تھی جو اقلیم آنکھ کا تارا
پانیئس سے (وہ منبعِ اردن) تا بیئرا السباء (مغرب میں) (کنواں)
سرحد ارضِ مقدسہ کی جہاں قلزم و مصر سے ہے پیوستہ،
اس قدر وہ کھلا ہوا موکھا
جہاں ساحل پہ موج کٹ جائے، تام ظلمت کی صف لپٹ جائے۔
اہرمن اس جگہ سے چلتا ہے پہلی سیڑھی یہ پاؤں دھرتا ہے،
درِ جنت کی سمت بڑھتا ہے، زینۂ زر قدم پہ چڑھتا ہے،
دفعتہ "اس کی چشمِ حیرت پر منظرِ دہر ایسے کھلتا ہے:
یک بیک جس طرح کوئی مخبر

گھپ گھنیرے اجاڑ رستوں پر، جان جوکھم میں رات بھر چل کر
صبحدم آخرش کھڑا پائے، آپ کو اک پہاڑی چھجے پر،
ہو نہ اس کو گمان تک لیکن آنکھ میں واں چڑھان سے جھلکے
اک بدیشی تعلقہ، بھرپور عمدہ و خوشگوار امکاں سے،
بھوم پہلے پہل نظر آئے، راجدھانی ہو یا کوئی جس کے
جھلملاتے ہوئے کگر مرغول، جگمگاتے ہوئے کلس جن پر
چڑھتا سورج بکھیر کر کرنیں آب سونے کی پھیر دیتا ہو،
وہ نظارہ کہ دم بخود کر دے۔
خلد کا سیر بیں فرشتہ کب لائے کوئی بہار خاطر میں،
تھا مگر اس جہاں پہ وہ جو برہ رشک آئے نہ بن پڑے اس کو۔
چار سو جائزہ لیا اس نے، سہل تھا یہ کہ ایستادہ تھا
رات کے مستزاد سایوں کے گھیر منڈپ سے وہ کہیں اونچا۔
شرق میزان کے دقیقہ سے نجمِ پشمیں (حمل) کی نکڑ تک
اوقیانوسیہ بحور سے دور، اندرومادتارا منڈل ہے۔
جس جگہ سب عیاں نظر آیا قطب تا قطب اب اسے عرضا"۔
جھٹ وہ دنیا کے پہلے خطے پر بے تکاں، بے درنگ بجلی سا
ٹوٹ پڑتا ہے بھر کے فراٹا۔
نرملی دودھیا ہواؤں میں تیز کرتا ہوا سفر آڑا
ان گنت تارا جھرمٹوں میں سے
دور تارا سے جو دکتے تھے پاس دنیائیں اور ہی نکلیں،
جابجا جھنڈ جھنڈ میوہ زار — عہدہائے عتیق کے معروف

باغ جیسے طلائی سیبوں کے (راکھیاں جن کی ہسپری بہنیں)۔
کھیت زرخیز، وادیاں گل ریز، کنج گنجان سہ گنا شاداب،
ہاں یہاں کے فرو کشوں کو نہیں احتیاجِ سوال ہوتی ہے۔
ماسوا، اس کی چشمِ حیراں کو موہ لیتا ہے زرفشاں سورج
آسماں رنگ جگمگاہٹ سے۔
شانت آکاش میں سے بال کشا وہ اسی سمت روبہ منزل ہے،
(یہ تعین محال اگرچہ تھا یہ سفر ہے فرودیا بالا
اور مرکز گریز، مرکز جُویا بہ طول السّماء اندازہ)۔
اس کرُے کو الگ تھلگ یکسر ہے جو گنجان تارا منڈل سے،
باہمہ بُعدِ چشم پر تمکیں اپنی رفعت سے نیّرِ اعظم بے تحاشا فروغ بخشتا ہے۔
رقصِ اجرام میں اضافہ ہے
جس کے تخمینے کیا درست مگر عددِ روز و ماہ و سال کے ہیں،
اس چراغِ نظر فروز کے گرد گرد شیں تیز و مختلف ان کی،
مثلِ آہن رباچمک اس کی ہر کسی کے لیے سبیلِ خرام۔
کس قدر معتدل حرارت سے سینکتا ہے وہ کائنات تمام
اس طرح انگ انگ میں کرلے گرم مگھّم ملائمت سے نفوذ
کہ رچے خوب الوپ گُن گہرا،
طرفہ قائم ہے مستقر اس کا۔۔ تاباں و تابناک و تابندہ+
اس جگہ پر اترتا ہے خناس، خطہء بے مثال، مثل اس کا
نہ کیا ہو مشاہدہ شاید اہلِ ہیئت (گلیلیو) نے ہنوز
صیقلی دوربین نلکی سے قرصِ خورشیدِ نور آگیں میں۔

واں کی تابانیوں کا وہ نقشہ کھینچ سکتا نہیں تھا لفظوں میں'
ویسے پتھر نہ دھات دھرتی میں انہیں تشبیہ جن سے دے سکتا
جوڑ یکسر جدا جدا لیکن عکس ضو ریز کی سرایت سے
ایسے مقرون تھے کہ آتش میں آہن اخگر بساں دہکتا ہو۔
دھات اگر مانئے یہ جزو و کل نصف سونا تھے نصف چاندی تھے'
کہئے پتھر تو شب چراغ تمام' ورنہ پکھراج لعل' لہسنیا
جیسے چار آئینہ میں ہاروں کے ان ثنا عشر کے لئے ہوں گے'
یا کوئی اور قیمتی جوہر جو برونِ خیال ہو نایاب' وہی پتھر خواص کا حامل
حکما کھوج میں رہے جس کی مدتوں ہی فضول سرگرداں--
(سنگ پارس کی) بے نتیجہ کھوج۔
تھی مہارت وہ کارگر فن سے ماریں کشتہ نچنت پارے کا۔
پیرِ فرتوت بحر بے زنجیر کہے لبیک بانگ پر ان کی'
سو انگ جو دھارتا ہے رنگ برنگ'
یہ قرنبیق میں کشید کے بعد اصل اس کی نتھار دیتے ہیں۔
کچھ اچنبھا نہیں وہاں سوتے نرمل امرت کے پھوٹ بہہ نکلیں
کھیتی کھیتی میں نگری نگری میں۔
ندیوں میں پگھل پگھل سونا یوں رواں ہو کہ اوک میں بھر لیں'
اور ہم سے بعید تر سورج کیمیاداں' مہوّسِ مشاق (کیمیاگر)
اک موثر مساس سے جس میں کیفیاتِ زمین آمیزہ'
متشکّل کرے اندھیرے میں ایسی اشیائے بے بہا' جن کا
رنگ نیرنگ خاصیت خاصہ۔

مادّہ اب نیا نظر بھر کر دیکھا ابلیس نے مگر اس کی
آنکھ جھپکی ذرا، نہ چندھیائی۔
آنکھ منظر نمائے بے پایاں، کوئی پائے نظر میں خار نہیں۔
چھپ گئی چھاؤں، دھوپ چڑھ آئی، وہ سماں تھا بھری دوپہروں میں
عین نصف النہار پر سورج جب خطِ استوا پہ پڑتا ہے۔
تھیں عموداً بعینہٖ کرنیں، پرفشاں، مستقیم سمت الرّاس۔
پڑنہ سکتی تھی اردگرد ذرا ٹھوس ٹھیگر دھڑوں کی پرچھائیں،
جوِ شفاف تھی کہاں ایسی،
بصری تھی کرن کرن تادور، ہو گئی چیز چیز آئینہ
دائرے میں نظر کے عکس نما اک فرشتہ اسے ہوا محسوس،
وہ علو مرتبہ جسے دیکھا دھوپ میں پاک باز یحییٰ نے
خوبصورت شعاعوں کا سر پر اک سنہرا مکٹ دھرا تھا گول،
شانۂ پر برآمدہ پہ عجب گیسوئے تابدار کا عالم،
نور ہی نور موج موج زناں،
ایسا معلوم ہو رہا تھا اسے ذمہ داری اہم تھی اک تفویض یا وہ غلطان تھا تردد میں۔
وہ اسے دیکھ کر نہال ہوا، یہ بندھی شرشرار کی ڈھارس (بدروح)
تھکی بھٹکی ہوئی اڑانوں میں مل گیا کوئی ڈالنے والا راہِ فردوس پر اسے سیدھا،
ابنِ آدم کا مستقر فردوس، منزل اس کے سفر کی، اور آغاز
دکھ بھرے جگ میں اپنی بپتا کا۔
تاہم اب کینچلی اتارے گا، روپ کوئی بھرے گا موزونی،
ورنہ امکان تھا مہم اس کی دیرودشوار سے مکلّف ہو۔

کی سحروش حسیں کروبی سی اس نے کایا کلپ' انوپ انوپ
کہ نہ ہو عہدِ عنفوان ابھی--- چہرۂ صاف پر نمایاں تھی
ملکوتی شباب کی رونق--- بانکپن عضو عضو سے ظاہر
وہ نمودو نموئے رعنائی' روپ بہروپ کامیاب اترے۔
تاجکِ زرنگار سر پر تھا' بال بکھرے ہوئے تھے شانوں پر
کاکلیں کھیلتی تھیں گالوں سے' پنکھ (جیسے دھنک ہو) رنگا رنگ'
اور چھڑکا ہوا برادہ بور روئیں روئیں پہ کندنی' اجلا'
ٹھیک ملبوس کی تراش خراش' چست ایسی کہ برق پائی میں
مطلقاً" بھی نہ ہو خلل انداز۔
وہ کمر بند میں کمر بستہ' ہاتھ میں ایک نقرئی سوٹی کہ نہ ڈھلوان پر قدم رپٹے۔
پاس آیا مگر نہ بے کھٹکے--- وہ جو پہنچا' فرشتۂ نوری
جھٹ خبردار ہو کے مڑتا ہے۔
چہرۂ ضوفشاں یہ کس کا تھا' کون تھا سامنے' لیا پہچان'
وہ رئیس الملائکہ عورئیل' یکے از ہفت عرشیانِ جلیل'
دست بستہ حضورِ یزداں جو باادب باملاحظہ حاضر
ہیں سدا کرسیٔ رفیع کے پاس--- ذاتِ یزداں کے دیدۂ بینا'
آشکارا ہے مہ سے تاماہی' از سماوات تا سمک ان پر'
ایلچی جو پیام لے جائیں بحر و بر' خشک و تر پہ ہاتھوں ہاتھ۔
اہرمن نے پسِ علیک سلیک بات عورئیل سے یہ اب چھیڑی:۔
"سات نور آفریں فرشتوں میں' ہیں حضورِ الہ جو استادہ
سامنے کرسیٔ معلّٰی کے تیرا اولیٰ مقام ہے عورئیل'

تو نقیبِ مشیتِ برحق پیکِ عرشِ رفیع، موجودات تری جانب ہیں سب ہمہ تن گوش۔
حسبِ منشائے ایزدی تجھ کو ہے مقدر شرف کہ در آئے
اور یزداں کی چشم وابن کر عالم نو کی سیر فرمائے۔
ایک ناقابلِ بیاں خواہش لے کر آئی کشاں کشاں مجھ کو
کہ تماشائے کائنات کروں،
خود کو میں واقفِ معمائے کارگاہِ عجائبات کروں،
یہ تجسّس ہے خوش نصیبی سے ابنِ آدم کا ہو مجھے دیدار،
جس سے یزداں کو شادمانی ہے، جس پہ ہر لطف و مہربانی ہے،
باعثِ آفرینش و ایجاد ہے جو قدرت کے کارخانے کا۔
دور کروبیاں کے حلقہ سے آن نکلا ہوں میں اکیلا ہی
اے کروبیٔ تابناک بھلا یہ تو معلوم ہو مجھے آخر
وہ چمکدار ان کرّوں میں کہاں مسکن اپنا بنا کے رہتا ہے؟
جاگزیں گر نہیں ہوا اب تک وہ چمکدار ان کرّوں میں کہیں
پھر ارادہ کدھر کا رکھتا ہے؟
کچھ کھلے حال، میں اسے ڈھونڈوں، جی میں کیا کیا ہے وہ اگر مل جائے
اوٹ سے دیکھئے نظر بھر کے، مرحبا بالمشافہ جا کہئے۔
ذاتِ باری نے ابنِ آدم پر رحمتوں کا نزول فرمایا،
مرحمت کر دیئے اسے کونین،
آفرینندۂ زمان و مکاں ہے سزاوارِ مدحت و تمجید،
بے شک اس نے بجا دھکیل دیئے سرکش اعدا عمیق دوزخ میں،
اور نقصان کی تلافی میں فرخ انسان کر دیا تخلیق،

جو اطاعت گذار بندہ ہے۔
عالم الغیب ہے، حکیم ہے، وہ اپنی حکمت میں کیا عظیم ہے وہ +"
اس قدر کہہ کے ہو گیا خاموش وہ دغاباز الوپ بہروپی۔
یہ نہیں آدمی کے بس کا روگ، نہ ہی توفیق یہ فرشتوں کی،
جو ریا کی نشاں دہی کرتے، عام ہے گو، عیاں نہیں یہ عیب،
بھانپ سکتا ہے بس اسے یزدان،
وہ بھی از روئے حکمِ بے مانع جو زمیں آسماں پہ چلتا ہے،
گرچہ اکثر خرد بھی ہے بیدار،
بدگمانی ضرور سوتی ہے اس کی چوکھٹ پہ تان کر لمبی
اور خود فرضِ منصبی اپنا سونپ سادہ دلی کو دیتی ہے۔
جب بظاہر نہ شر نظر آئے سوئے ظن طبعِ نیک کیوں کرتی۔
تھی کچھ ایسی ہی کیفیت عورئیل بھولپن سے فریب میں آیا،
گو اتالیقِ شمسِ رخشاں تھا، اور سب قدسیانِ عرشی میں
دیدہ ور کوئی تھا نہ اس ایسا۔
اس نے مکروہ مکر خوٹھگ کو صاف گوئی سے یوں جواب دیا:۔
"قدسئ خوبرو تری خواہش کہ تو قدرت کے کارخانے کو
دیکھ کر اس عظیم صانع کی مدح و حمد و ثنا بیان کرے،
کوئی ایسی زیادتی بھی نہیں،
بلکہ یہ امر تو ہے مستحسن جس قدر ہو زیادتی اس میں۔
جستجو یہ بڑی مبارک ہے جو تجھے کھینچ لائی ہے تنہا،
قصرِ فردوس سے بچشمِ خود ان مناظر کا ہو تماشہ بیں

شاد جن کی کہانیاں سن کر جو فرد کش ہیں عرش پر حضرات
کے شنیدہ بود کہ چوں دیدہ 'صنعتِ کردگار کیا کہنا'
حیرت انگیز واقعی ایسی دیکھئے تو نہال ہو جائیں
یہ نمونے ہیں شان کے شایان 'خوشنما' دل پذیر' چشم آرا
کہ انہیں چشم و دل میں بھر لیجے' پیار بے اختیار انہیں کیجے
ان گنت ارب کھرب وہ اتنے کہ احاطہ نہ کر سکے ادراک'
نہ ہی حکمت کو ہو شمار ان کا لاکھ وہ اپنے آپ میں نرانت (بہت زیادہ)
گرچہ یہ سب اسی کی ہیں ایجاد کنہ ہے کن فکان کی علت
یاد ہے کن فکان کا اعجاز بے ہیولیٰ یہ مادّہ جس وقت ـــــ
اینٹ گارا جہاں کے ڈھانچے کا ـــ ٹھوس صلصال کا بنا تودہ۔
جب سنی ابتری نے وہ آواز آیا قابو میں تند ہنگامہ'
ہوئی محدود اپار تا بے ڈول' (جو پار نہ ہو)
اور دیگر جو حکم فرمایا تیرگی چھٹ گئی دھواں ہو کر'
دھند سے روشنی چمک اٹھی اور گڑبڑ سے قاعدہ نکلا'
یہ عناصر کڈھب ہوا مٹی آگ پانی بڑی ہی پھرتی سے
اپنے اپنے دوار کو لپکے'
عنصر خامسہ اثیر لئے اڑ گیا عرش جانب افراز'
حرکی ہیکلیں تھی نوع بہ نوع' جو مدوّر گھمیریاں کھا کر
بن گئیں بھانت بھانت کے تارے جو تجھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔
محوِ گردش سب اپنے محور پر طے محل' طے شدہ مداران کے'
دیگر اجرام رقص سے چادر تان دیتے ہیں کائنات کے گرد۔

جھانک کر دیکھ وہ کُرہ نیچے' اس جہت کو ہے کس طرح جگ مگ
پرتوِ نوریاں سے پڑتا ہے'
وہی خطہ' وہی جگہ ہے زمیں' آدمی کا وہیں ٹھکانہ ہے۔
روشنی اصل میں وہاں کا دن جبکہ برعکس رات کی زد میں کُرہ نصف گھور رہتا ہے'
ایسے عالم میں گاہ البتہ پاس سے چاند کی کمک پہنچے'
(چاند وہ دیکھ دور اس جانب اخترِ خوشنما کو کہتے ہیں)
گردشیں چاند کی یہ ماہانہ اب ہوئیں ختم' اب شروع ہوئیں درمیاں آسمان کے پیہم۔
روشنی مستعار وہ یاں سے لے کے چہرے میں آب بھرتا ہے'
(پورنماشی' ہلال' اماوس کے) تین حلیوں میں اور بکھیرتا ہے
کہ زمیں نور میں نہاتی ہے۔
اپنی اقلیمِ زرد میں ایسے روک لیتا ہے رات کی یورش۔
دیکھ اشارہ مرا' وہاں بالکل وہ ہے فردوس' مسکنِ آدم۔
ہے وہیں ان دراز سایوں میں اس کا خلوت گزین کاشانہ'
وہ ترا راستہ ہے لگ اس پر اور میں اپنی راہ لیتا ہوں۔"
یہ کہا اور چل دیا عورئیل۔
اہرمن نے بھی جھک کے تعظیما" لی اجازت کہ عرش پر آداب
ہیں یہ اعلیٰ ملائکہ کے لئے،
وہاں حفظِ مراتب و درجات خاص ملحوظ رکھی جاتی ہے۔
رخ کیا سوئے ارضِ دوں اس نے دورۂ آفتاب کے نیچے'
دل میں امید کے دیئے روشن' مست صہبائے کامگاری سے'
تیز سیدھی اڑان سے گذراں' چکروں سے ہوائی عالم کے
دم نہ لینے کو وہ رکا دم بھر'
آن اترا بلند چوٹی پر کوہ نفت کی---(آرمینیہ میں)

دفتر چهارم

تلخیص

ابلیس جوارِ عدن میں ہے' اس پر شکوک و اوہام ریلا کرتے ہیں۔ عجیب جذبات و احساسات۔۔۔ خوف' حسد' نومیدی' لیکن انجام کار وہ بدی پر کمربستہ عازم فردوس ہوتا ہے۔ فردوس کا بیرونی منظر اور محل وقوع۔۔۔ سرحدات پھلانگ ابلیس ماہی خور کے روپ میں شجرِ حیات پر جا بیٹھتا ہے کہ بلندی سے گردوپیش کا جائزہ لے۔ فردوس کا بیان۔۔۔

ابلیس آدم و حوا کو ڈونڈھ نکالتا ہے۔ ان کے سڈول پیکر اور شاداں ماحول کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے۔ تباہی کا تہیہ پختہ ہوتا ہے۔ ان کی بات چیت پر کان لگاتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ان پر شجرالعلم کا پھل حرام ہے' چکھ لیں تو موت ان کا مآل بنتی ہے۔ یہ منصوبہ بناتا ہے کہ کسی طور انہیں اس ثمر چشی کی ترغیب دے۔ تاہم سردست وہ آدم و حوا کو اپنے حال پر چھوڑ کر اور سن گن لینے کی نیت سے آگے بڑھتا ہے۔

ادھر عورئیل کرن پر سوار' رضوانِ فردوس جبرئیل کو آگاہ کرتا ہے کہ ایک پلید پریت پاتال سے بھاگ کر دوپہر کے وقت اس کے علاقے سے گذرا ہے جس نے فرشتہ کا روپ دھار رکھا ہے۔ رخ اس کا فردوس کی طرف تھا' ایک پہاڑی پر اترا تھا جہاں اس کی بیہودہ ترکات نے اس کا پول کھول دیا تھا۔

جبرئیل صبح سے پہلے اس کو ڈونڈھ نکالنے کا عزم کرتے ہیں۔ رات پڑ چکی ہے۔

آدم و حوا ہنستے بولتے گھر کو روانہ ہیں' ان کی رہائش گاہ کی تفصیل' اور عبادت گذاری کا منظر۔ جبرئیل شب کے محافظ دستوں کو چار طرف دوڑاتے ہیں۔ دو فرشتے آدم و حوا کے کاشانے کی نگرانی پر مامور ہوتے ہیں مبادا وہ پلید انہیں سوتے میں گزند پہنچائے۔ کیا دیکھتے ہیں ابلیس خواب میں حوا کو پریشان کر رہا ہے اور عین ان کے کان سے لگا بیٹھا ہے۔ فوراً" دبوچ لیتے ہیں۔ کشاں کشاں اسے جبریل کے حضور لاتے ہیں۔ وہ باز پرس کرتے ہیں تو یہ اکڑ کر جواب دیتا ہے اور مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ یہاں اشارۂ غیب سے خونی بحران ٹل جاتا ہے اور ابلیس وہاں سے دم دبا کر بھاگ لیتا ہے۔

اوندائے مہیب تنبیہی 'عرش سے آئی جو علی الاعلان
عالمِ کشف میں (یوحنا کو دور پیموس کے جزیرے میں)'
دوسری زک اٹھا کے جب اژدر آگ پھنکارتا' غصیل' ہوا
پھر نمودار' آدمی کے خلاف' سر میں سودائے انتقام لئے۔
(وائے اے ساکنانِ خطۂ خاک)
اپنے جدّینِ اصل کو بروقت مطلع کر دیا تھا۔۔ آئے گا
پھر عدو' مارِ آستیں ان کا' ہو گیا تھا بچاؤ گو اک بار'
بچ گئے تھے وہ خوش نصیب اس کے جاں ستاں زہرناک پھندے سے۔
تاؤ بھٹی میں اہرمن ہو کر لال پیلا زمین پر نازل۔۔۔ چوں بلائے کز آسمان رسید۔
ابنِ آدم کے حق میں تحریصی اور بہتاں طراز' بھاگا تھا
دم دبا کر بجانبِ دوزخ' منہ کی پہلے پہل جو کھائی تھی۔
مدعی اب کہ اس ہزیمت کی سب تلافی یہ بالضرور کرے
یہ بھلا مانس آدمی۔۔۔۔ بودا۔
گامزن تھا مگر نہ آسودہ' لاکھ جیوٹ بھی' اور دوری نے
بے دھڑک بھی بنا دیا' تاہم تھا مباہات کا ہرن نشہ'
ہوسِ جاں گسل میں دیوانہ' ہے جنم سے جو اضطرابانہ
سینۂ ملتہب میں جوشیدہ۔
توپ طاغی دغے کہیں جیسے پراچٹ کروہیں پھٹے گولہ'
ہول و شک سے کڈھب خیالوں میں بوالعجب انتشار ایسا تھا۔
تھی جہنم درونِ ذات سعیر' تھا جہنم بجان و دل بے پیر'
دو قدم بھی تو جا نہ سکتا تھا وہ جہنم کے جوف سے اڑ کر'

ترکِ ماحول حل نہیں ہوتا بسکہ ہے ذات سے فرار محال۔
غرفۂ یاس تو مقفل تھی، دستک اس پر ضمیر دیتا ہے،
تلخ یادیں بحال ہوتی ہیں۔۔۔ آہ کیا آن بان تھی اسکی،
یک بیک ہو گیا یہ کیا، اس پر وسوسہ یہ کہ اور کیا ہو گا،
گر ہے بد تر عمل، جزا بد تر!
ہوسِ خوش نظارگی میں گاہ فکرِ باغِ عدن میں آوارہ،
وائے ویران چشمِ بے جلوہ!
گاہ سوئے فلک نظر پراں قرصِ خورشید کی تماشہ بیں،
جو بصد آب تاب حجلہ نشیں برجِ نصف النہار میں فی الوقت۔
یونہی گردان اور سرگرداں، لِ گرفتہ وہ یوں ہوا گویا:۔
"اے کہ تو صد شکوہ و شان کے ساتھ اپنی اقلیمِ بے شریک سے ہے
گیتی نو پہ دیوتا کی طرح، تاج بر سر، فرود چشم نما
دیکھتے ہی جسے ستارے سب ننھے مکھڑوں پہ ڈال لیں گھونگھٹ،
تجھ سے روئے سخن ہے جو میرا، تلخ اسلوبِ گفتگو ہو گا،
نام آیا زبان پر خورشید آج تیرا تو واشگاف کہوں
بارِ خاطر تری شعاعیں ہیں۔۔۔ کہ مرے حافظہ میں ان سے ہے
صاف اجاگر ہبوط کا منظر۔۔۔۔ ہائے وہ عالمِ عروج مرا
اوج وہ ہیچ روبرو جس کے آشیانہ بلند یہ تیرا۔۔۔ کبرِ بے جا کے شوخ زائیدہ!
وائے منحوس امنگ کی ترغیب آسماں کے عظیم والی سے
دو بدو پنجہ آزمائی کی۔۔۔۔ کوئی پوچھے کہ مدعا کیا تھا؟
اپنے ہی آفرید گار کے ساتھ یہ رویہ تھا ناروا، بے شک

کہ اسی کی عطائے وافر سے شرفِ امتیاز مجھ کو تھا'
منصب اعلیٰ و مرتبت والا' آنکھ کوئی اٹھا نہ سکتا تھا'
یہ صلہ تھا نیاز مندی کا۔۔۔ طاعت و عبدیت تو آساں ہے'
کبریا کی ستائشیں گاؤ۔۔۔۔ کرمِ بے حساب کے بدلے
شکر اس ذات کا بجالاؤ' صرف اس کے حضور جھک جاؤ'
بندہ پرور کی بندگی واجب۔
خسروانہ وہاں تلطف تھا' میرا ردِّ عمل تھا خصمانہ'
خون میں گھل گیا سمِ طغیاں' وہ ضلال البعید و استکبر۔
انحرافِ وفا کی خو کیسی' صاف سودا مجھے ہوالاحق
اس عظیم و رفیع ہستی سے سبقت لیجئے بعنوانے
طرفۃ العین میں پرے پھینکوں اس کے فیضان کا جڑ ابو جہل'
ہو کر آزادِ عروۃ وثقیٰ۔۔۔۔ بے حد احسان مندیاں بے باق۔
گرچہ اس کا اُدھار ہے دلچسپ' جوں کاتوں ہے ادا ہزار کرو۔
میں بھلکڑ مجھے نہ دھیان آیا' ذات اس کی غنی و مستغنی'
نہ یہ پلے پڑا' دلِ ممنوں دادنی بھی مگر نہیں مدیون۔ (مقروض)
فیض جاری' ادائیگی جاری' قرض بھی ہے حساب صاف بھی ہے۔
زیر بازی کا پھر محل کیا ہے؟
(اوہ) یومِ ازل مجھے کرتی گر مقدر وہ مقتدر تقدیر
ثانوی حیثیت ملائک میں کس قدر قلب مطمئن ہوتا'
بے تحاشا امید کیوں بنتی تازیانہ سمندِ شوق پہ یوں'
واقعہ کچھ نہ کچھ مگر ہوتا۔

ہوسِ جاہ میں کوئی شہزور علمِ سرکشی اٹھالیتا۔
میں کم اوقات و مصلحت بیں تب ہمنوائے شریر ہو جاتا'
گو وہاں دوسرے متین بزرگ کبھی ہوتے نہ شاملِ تحریک'
قعرِ پستی سے محترزوہ تو' کارِ ذلت سے معتذر' ڈٹتے
بے محابا مقابلِ فتنہ' باطنا" بھی بداہتہ "بھی خوب'
کاش یارا مجھے بھی یہ ہوتا'
کوئی ثابت قدم' نہ بے قابو لغزشِ پا کا مرتکب یوں ہو'
اب کسے موردِ خطا کہیئے؟
عرش پر لطفِ بے درنگ روا ایک سب سے سلوک رکھتا ہے'
مجھ سے لیکن یہ دور' میرے لئے مہر یا قہر اب برابر ہے۔
جان کے واسطے سدا کا روگ' عشق و وارفتگی خرابی ہے۔
پڑے (ابلیس) تجھ پہ ہی پھٹکار'
کہ خلافِ رضائے یزدانی جب ترا ہی جنون کھل کھیلا'
ہے اگر اب تو ٹھیک پچتاوا۔۔(قتل کے بعد ہے پشیمانی)۔
میں فلاکت زدہ کدھر بھاگوں' اس ہلاکت سے اب بچوں کیسے'
کس طرف پر لگا کر اڑ جاؤں؟
ہر طرف سامنے جہنم ہے' آپ بالذات بھی جہنم میں'
ہے نگلنے کو کھائی منہ کھولے گہرے پاتال سے کہیں گہری'
دہشت انگیز ہولناک ایسی کہ جہنم بھی روبرو اس کے
عین جنت دکھائی دیتی ہے!
ہو اب انجام کار مہر نما' ہو گیا بند کیا درِ توبہ'

درگذر کی کوئی سبیل نہیں کیا صراطِ متابعت کے سوا؟
بس یہ لفظِ متابعت اس سے سخت نفرت مجھے' یہ مانع ہے
سخت مانع کہ میں پلٹ جاؤں۔
اور پھر اس پہ مستزاد مجھے آرہا ہے خیال سبکی کا
ان زبوں مرتبہ فرشتوں کے سامنے اس قدر پڑوں ہیٹا'
وہ جنہیں سبز باغ دکھلا کر' مسلکِ بندگی سے بچلا کر
لاف افگن' زمین و گردوں کے میں قلابے سدا ملاتا تھا۔
کہ ہے کس بل خدائے قادر کو دم زدن میں پچھاڑ کر رکھ دوں'
من کہ ہستم' نہیں انہیں معلوم یہ انا دل پسند ہے مجھ کو
لن ترانی عبث سہی میری۔
اندر اندر گھناؤنا گھُن ہے بے طرح جو گھلائے جاتا ہے'
جب حواری ہیں جاں سپار مرے' تختِ دوزخ پہ جلوہ فرما ہوں
گر زوالکلیل سے ہوں سرافراز' کس لئے پھر یہ روسیاہی ہے'
کیا قیامت ہے میں دھڑام ایسے سر کے بل گر گیا ہوں پستی میں
کیوں بدستور گر رہا ہوں یوں؟
شومئی بخت میں نمایاں ہوں' ہے یہ آنند بھی لگن کا نیگ!
میں جو بالفعل توبہ کار بنوں' عرقِ انفعال میں ڈوبوں'
بار پاؤں گا بزمِ ساقی میں' کیا عطا بادۂ کرم ہوگی؟
زود تر فکر کو بلندی پر مرحمت ہے بلند پروازی'
جو تفنن سے منتیں مانیں' گو بظاہر نیاز مندانہ'
آج ان کا بھرم نہ کھل جائے۔

عہد و پیمان جو کئے دکھ میں سکھ انہیں یاد کیوں کرے، وہ تو
بحرِ ہیجاں کے تھے خزف ریزے۔
گھاؤ نفرت کے لگ چکے گہرے باہم اب کیا مصالحت ہوگی۔
جب یہ لچھن ہیں، جو فضیتا ہو، اور افتاد بدترین سہی،
میری پیزار اب خریدتی ہے ایسے دونے عذاب کے بھاؤ مختصر اور پر خطر مہلت۔
سب عیاں ہے مرے محاسب پر
محترز وہ اسی قدر بہ عطا، معترض جس قدر ہوں میں کہ گدا
بن کے مانگوں امان کا صدقہ۔
خاک میں مل چکے ہیں سب ارمان، ہم اچھوت اور جلاوطن بیتے،
آفرید اب عوض ہوئی اپنے نوعِ آدم، قرارِ جاں اس کی،
چشم و دل کے لئے سرور نیا، یہ جہاں بھی اسی کی خاطر ہے
اسلئے الوداع اے امید، ساتھ امید کے وداع ہراس
الوداع اے خجالتِ نازیب خواہشِ کارِ خیر رخصت ہو،
اے بدی ساز گار ہو مجھ کو، کارنامہ نہیں یہ کم تیرا
والئی عرش کی بٹی جاگیر، آگئی کچھ مرے تصرف میں،
شاید اب نصف سے زیادہ ہی میرے زیرِ نگین آجائے۔
ابنِ آدم پہ، تازہ عالم پر، دیر لگتی نہیں، ابھی یہ ایک
نکتہ باریک فاش ہوتا ہے+"
تھیں یہ واہی تباہیاں اس کی،
فرطِ ہیجان سے پڑا تھا ماند رنگِ رخ تین مرتبہ ---ماندہ،
طیش و نومیدی و حسد سے ہوئی صورتِ مستعار بے رونق،

چشمِ بینا بغور اگر دیکھے ڈھول کا پول صاف کھل جائے۔
آسمانی طبائع ہموارہ مکرِ مکروہ سے معرا ہیں۔
جعل ایجاد نے ہر اونکل پر اوپری شانتی کا خول مڑھا (ٹھیٹھ بے کلی)
کس بلا کی دسیسہ کاری تھی،
بانیٔ مسلکِ دغابازی، سنت بہروپ را کھشس دھارے،
دشمنی پر ادھار کھائے ہوئے، حلفِ سخت انتقام اٹھائے ہوئے۔
فن میں کایا کلپ کے گھاگ نہ تھا، ایک غچا تو دے گیا، لیکن
ہو کے عورئیل اب ذرا محتاط راہوارِ نظر کو ڈالے تھا
پیچھے سرپٹ جدھر وہ جولاں تھا۔
آخرش کر لیا اسے دریافت دور اشوری پہاڑ (نفّت) پر۔
اس کی ہیئت کذائیاں ہیہات۔
کب فرشتہ خجستہ فال کوئی اس نمونے کا آشکارا ہے،
چہرے مہرے پہ بدحواسی تھی، ہر اشارے کنائے میں وحشت
اور اپنے تئیں یک و تنہا، ہر نظر سے بچا ہوا اوجھل،
منزلیں مارتا ہوا دھن میں وہ ریاضِ عدن میں آدھمکا۔
حصرِ فردوس اراضیٔ اخضر جس طرح چار سوئے دہ تودہ
سبز کھیتوں کی مخملیں قوسیں، اک بیابان کے کڑاڑے پر،
جس کے جھبرے اغل بغل خودرو جھاڑ جھنکاڑ، ٹھنٹھ جھورا جھنڈ (ف)
خوب گنجان، نارسا، پیچ میل۔
دور بالا بلند سایہ دار دیودار و صنوبر و شمشاد،
سروِ خصبی، نخیل روئیدہ قدرتی دشت و در کا پرتو زار

حسن ترتیب گوں، فراز فراز، صف بہ صف اور سایہ بر سایہ،
پر تکلف نظر نواز سماں سارے جنگل میں جیسے منگل ہو۔
باوا آدم، ہمارے ابِّ عمیم لائیں سارے بروئے کار ذرائع،
بہرِ جاگیر تاکہ سبز فصیل از قریں تاکراں فراخ کریں۔
دائرہ دائرہ قطار قطار پیڑ اونچے منوہرانت سپھل،
زربکف، پھول پھل وہ الغاروں شوخ مینائی، ہفت رنگ حسیں
بعدِ بارانِ رحمت اتنی کب وہ جھلک ہے سہاونی دھانی
سانجھ بدلی میں جو ابھرتی ہے سیلی سیلی دھنک میں پڑتی ہے،
کتنا دلکش وہ منظر ستاں تھا۔
آمد آمد ہے، اب لطیف ہوا آرہی ہے لطیف تر ہو کر،
لطف و راحت بہار آلودہ جاگزینِ دل و نظر ہوں گے۔
زنگِ افسردگی نہیں زنہار، یاس کی اک رمق سی ہے، گر ہے،
بادِ آہستہ رو معطر پنکھ جھل کے دیسی مہک اڑاتی ہے،
کر کے سرگوشیاں بتاتی ہے
وہ مفرح غنیمتیں اپنی کس جگہ سے چرا کے لائی ہے۔
ہو بہو یہ وہی تماشا ہے--- راس امید سے پرے بجرے
جب موزنبیق سے گزرتے ہیں، اتری پوربی پون لے کر
السبائی بخور کی لپٹیں عربی ارض میں یمن کے خاص
ساحلِ صد مسالہ آگیں سے، دور ساگر پر آنکلتی ہے،
مطمئن، شادکام، ست خرام جرمِ تاخیر بے مضائقہ ہے۔
بھینی بھینی مشامِ جاں بو باس مست و مخمور کرتی جاتی ہے۔

ہولے ہولے رواں کئی فرسنگ۔ بحرِ پیرانہ سال خنداں ہے۔
نکہت و رائحہ سے عطر فشاں کی جو خناس کی پذیرائی
وہ گزندی ہوا بڑا مسرور۔۔۔ آسمو ڈوئی سے بھی افزونی'
وہ نجس روح جو اتاری تھی جلی مچھلی کی دھونیاں دے کر
ابن توبت کی زوج سے جس پر وہ بجان و جگر فریفتہ تھا۔
(یہ رفاعل کا ٹھیٹھ ٹونا تھا)۔
جذبۂ انتقام کی خاطر پابہ زنجیر کر دیا محبوس
دور زندانِ مصر میں جس کو' میڈیا کی ثغور سے باہر+
اہرمن اور وہ سرابالا'
ٹھاڑ او گھٹ چڑھان پر گپ چپ ہانپتا کانپتا روانہ ہے'
راہ ملتی نہیں رواں آگے گنجلک پیچ پیچ الجھیڑے
باڑ جیسے اٹوٹ کھنگر کی گلجھڑی جھاڑ' جھاؤ' جھانگی کی'
گھور' گتھواں' گھنی گھئی گنجان۔۔۔ تھی کٹھن ایک ایک پگڈنڈی
آدمی جانور کوئی ذی روح اس طرف سے گذر نہ سکتے تھے'
پار پورب کو دوسری جانب ایک رخنہ ضرور تھا۔۔۔ لیکن
وہ مہاچور رواں سے جاگھستا اس کا اتنا ہیاؤ ہی نہ کھلا'
ہاں لگا کر کمال نخوت سے ایک ہلکی چھلانگ کود گیا
کوہساری جدارِ حاجز کو اور اس سمت ڈٹ گیا اندر.....
ٹوہ میں گرگِ گرسنہ جیسے کسی تازہ کمین گاہ کی ہو'
تاک میں کس مقام پر محفوظ' کون سے جال دار باڑے میں
بالدی ریوڑوں کو سانجھ سے ہانک دیتا ہے۔۔۔ پھر بآسانی (چرواہا)

وہ احاطہ میں جا دھمکتا ہے، بھوک سے تنگ الانگ کر جنگلہ۔
یا کوئی چور اس تہیہ سے ہاتھ اک مالدار شہری کے جمع اندوختہ پہ صاف کرے،
گو حویلی کے سارے پٹ پھاٹک خوب سختی سے بند ہوں مضبوط،
سب اریب آگلیں لگائی ہوئیں، بلیاں کنڈیاں چڑھائی ہوئیں،
سیندھ ہلے کا ہو نہ اندیشہ۔۔۔ پھر بھی چڑھ آئے وہ دریچے سے
یا منڈیروں منڈیر آن گھسے۔
اولیں سارقِ کبیر ایسے گھس گیا سلطنت میں یزداں کی۔
(اس روایت سے راہ یاب ہوئے پھر کلیسا میں بد قماش اجیر۔)
شجر الخلد پر لگا کر جست بیچ او نچا برا جمان ہوا روپ بہروپ بھر حواصل کا (ف)
نہ مکرر ملا پہ نوشابہ زیست کی لذتِ حقیقی کا،
تھا یہ خلجان اہلِ ہستی کو ہمکنارِ اجل کرے اب وہ،
کچھ نہ اس کے خیال میں آئی سدرۂ زیست بخش کی تاثیر،
حدِ امکان کا تردد یہ گر سلیقہ سے کام میں لائیں
ابدیت کے تھے خواص اس میں۔۔۔ بسکہ سب نابلد ہیں، ہیچ مدان،
وحدہ، لاشریک اللہ کی کل صفت ذات ہے علیم خبیر۔
کوئی موزوں پرکھ نہیں سکتا خیرِ درپیش کی افادیت،
بد نہادی سے بہترین اشیاء مصرفِ بد تریں میں آتی ہیں،
کس دنائت سے برتی جاتی ہیں +
پائیں اس نے نگاہ دوڑائی، دیدنی تھی شدید حیرانی،
ہو گلہ مندِ تنگ دامانی، تھی وہ فطرت کی نعمت ارزانی،
حسن افزوں، طلب فراوانی، خوش و خرم شعورِ انسانی،

خوبصورت زمین کا عرشہ عرش کا فرش بن گیا جیسے
خود بنفسِ نفیس یزداں نے مثل فردوس میمنت آثار
سیر حاصل چمن لگایا تھا۔۔۔ عین شرق عدن میں حرّاں سے
بے بدل خسروی مناروں تک یادگارِ ملوکِ یونانی
درعروس البلادِ سیلوقہ (شہ سلوکس کا پر تکلف شہر)
تائی لیسر تلک۔۔۔ مقیم جہاں عہدِ پیشین میں تھے عدنانی'
رشکِ مینو سواد خطے میں جب ہوا "من یّشائے" ربانی
اک خیابان لہلہا اٹھا' خوش نظارہ' نشاط سامانی۔۔۔
خاک زرخیز' نخل گوناگوں'
بے تکلف نہال ہوتی تھی ذائقہ' شامہ' باصرہ۔۔۔ ہر حس'
شجرالخلد تازہ و پُربار درمیاں میں بڑا نمایاں تھا
سبز سونے کے اس پہ امرت پھل'
شجرالعلم ساتھ استادہ ہستی و نیستی ثمر آور
کیا غضب ہو جو شر سے آگاہی خیر کی معرفت گراں نکلے۔

مستقل طاس پر جنوبی رخ تھا اباسین درمیانِ عدن موج در موج خوش خرام رواں۔ (ف)
تھی گزرگاہ' جابجا جیسے کوئی کاریز جس کے دو رویہ جھاڑیوں سے اٹے اٹے ٹیلے۔
فنِ قدرت کا شاہکار کہیں' کوہ شاداب' باغ راغ آسا'
متلاطم بہاؤ سے اوپر۔
اب مسامی زمین میں کر کے وہ فرو تشنگی وریدوں کی
مثلِ تسنیم سینچتا جائے' چشمہ چشمہ' ندی ندی بٹ کر' ہر تلیٹی' ڈھلان' پھلواری'
پھر پراکوہ سے اتر آئیں وہ کفِ دست صاف میداں میں' (ف)

سیلِ زیریں میں جاگریں مل کر جو نمودار یک بیک ہو جائے
واں اندھیری ڈگر کو طے کے۔
چار دریاؤں میں بٹے، جن کے اپنے بھی پاٹ چوڑے چوڑے ہوں،
سو بسو وہ کئی دوابوں میں مملکت مملکت بہے، گھومے،
عام معروف تذکرہ جن کا گر کریں زیبِ داستاں ہو گا۔
ہاں مگر اس قدر ضرور کہے ہے اگر قادر الکلام کوئی۔۔۔۔
نیل نیلم نژاد ہے، کیسے تازگی بخش موجزن جھرنے
دُرِ شرق و ریگِ زریں پر، رم کناں، پیچ پیچ، آوارہ،
زیرِ صد سایہ ہائے آویزاں، جامِ آب حیات دیتے ہیں۔
سبزہ و نخل، سب سرِ راہے، درخورِ خلد گل ثمر غنچے،
نوش کرتے ہیں یہ مئے اکسیر، خوشگوار آبِ لطف کی تاثیر،
عام معجز اثر کہاں پانی خاص سیراب کیاریاں تھالے گرچہ فن پیشہ باغبان کرے!
یہ ہے قدرت کا وہ عطیہ خاص جو بہ افراط باندھ کر تانتا
کوہ و دشت و دمن میں جاری ہے۔
مہر گرمی جسے دکھاتا ہے، صبحدم وہ بسیط مزرع بھی،
مسکنِ برگ پوش بھی جس کو دوپہر میں شدید کھڑ سا کی چھتر گھنگور چھاؤں کجلائے،
آبیاری سے مشترک۔ شاداب۔ (غالباً" سرگزشتِ دجلہ ہے)۔
طرب انگیز خوش مقام ہے یہ، خوبصورت مضافِ دیہاتی،
متنوع، نفیس نظارے، کنج زاروں میں بینظیر اشجار،
گوندلاسہ کے سوندھے سوندھے نیر، اوس جل کے سمان ٹپکائیں۔
پھل معلق دگر درختوں پر جھم جھماتے ہوئے طراوت ناک۔

متواضع برائے کام ودہن ۔۔۔ سیبِ زریں کے ہسپری قصے
جی کو لگتے ہیں گرانہیں چکھیں' ذائقہ وہ لذیذ و شیریں ہے۔
دوب تختے ہرے بھرے اندر' سبز ہموار مرتفع میدان'
نرم ہریالیاں چریں ریوڑ' مستزاد اور بھی مخل منظر....
ایک پر نخل ٹیکری' ٹیلہ' ایک شاداب وادیٔ گل پوش
یاں نمائش حسیں ذخیرے کی' پھول واں رنگ رنگ کے زینت
اور کانٹا نہیں گلاب میں ہے۔
ایک جانب خنک خنک گوشہ ملگجے کھوہ کھائیاں' جن پر
گدّرانگور قرمزی بیندھے تاکِ دوشالہ دار۔ باافراط' بیل جس دم سہج سہج رینگے۔
سرسراتے ہوئے ندی نالے گھاٹیوں میں ڈھلان سے اتریں'
جھیل بن جائیں پھیل کر جل تھل'
دھارے آئینۂ بلوری میں منہ دکھائیں کھڑے کنارے کو'
جس پہ مہندی کے نرم پتوں نے ٹانک دی ہو کلابتوں دلکش۔
یہ جگہ ندیوں کا سنگھم ہے۔
زمزمہ سنج ہمصفیر طیور' بادِ فصلِ نشاط نرم خرام
سانس میں کنج و کشت کی مہکار' زخمہ زن برگہائے لرزاں پر
ہے خداوندِ عالمِ فطرت' پان' آفاق گیر رقصیدہ (دیوتا)
آٹھویں سر پہ سازِ وقت کے ساتھ۔
جرسِ غنچہ کی صدا آئے قافلہ نوبہار کا ٹھہرے۔
نہ حسیں مرغزارِ ایناقہ (صقلیہ میں) پری سرا اپنی ہے جہاں محوِ شغلِ گل چینی'
وہ کلی نرم لاجونتی کی (جو وسیریز کے پیار بگیا کی)

دیو یمراج لے اڑا جس کو (گل بکاولی کو جیسے تاج ملوک)
ڈس، پلوطان راونِ بد روح،
سیریز افسوس مامتاماری کھوج میں چھانتی پھری سنسار
گھور گھٹنا ابھاگنی بھوگے۔

نہ سرور آفرین پر بارہ (شام میں) برکنارِ اور نطیز۔ (ف)
ڈافنی (اس مرول ساگر کا) نہ ہی قسطالیہ کا عینِ عیاں۔
مبتلائے کشاکشِ مہمل سب ریاضِ عدن کے روکش ہوں۔
نہ ہی (طونس میں) سیلِ طرطوں سے نانصہ کا گھرا ہوا ٹاپو،
جہاں پیرانہ سال چام (کہ حام) صائبینی حدیث کا عموّن
ہوا روپوش املطیہ کے ساتھ،
اور باخوس، نورِ عین اس کا، اک جواں لاابالی ورعنا،
ریحہ سوتیلی ماں کے پاس سے یوں، جس نے اغوا کیا کہ منہ اس کا
دیکھتی رہ گئی تھی بے چاری۔
نہ جبل عامرہ، جبل جس پر حبشہ کے ملوکِ عالی نے صدیوں تک کڑی نظر رکھی
(اس جبل عامرہ پہ قائم تھا نسلِ شاہی کا تربیت خانہ)
یہ کہاوت کہو کہ ہست ہمیں ہست فردوس گر بہ روئے زمیں،
بر سرِ نیل زیرِ ایتھوپی جگمگاتی ہوئی محیط چٹان، ہو نہ اک دن میں سروہ قلّہ کوہ
تھی بڑے فاصلے پہ، دور دراز، دلکشا گلبنِ اشوری سے
وہ حدیقہ مماثلِ فردوس۔
اور خناس نے نظر بھر کر ناخوشی سے نظارہ یہ دیکھا۔
سرخوشی عام تھی یہاں کتنی، جملہ مخلوق کس قدر بشاش،

اجنبی بادی النظر میں۔۔۔ عجیب::

دو تھے وہ، چھب نفیس پڑتی تھی،

وضع عالی، بلند تھی قامت، راست یزداں بساں۔۔۔ الف ننگے

طنطنہ میں وہ جامہ زیبائی آبرومندیٔ طبیعی سے۔

تھے الگ سب میں سربرآوردہ، باعثِ فخر، قابلِ تکریم۔

روشن و پاکباز آنکھیں تھیں عکس پرداز اپنے خالق کی،

راستی و طہارت و دانش، سخت صبر آزما و بے آمیز

سندِ کل مجازِ انساں کی۔

تھے وہ دو، بیش و کم بحیثیت، بلحاظِ قبیلِ صنف جدا،

وہ یلِ پیکر شجاعت تھا اور یہ لعبتِ بہار اندام،

بہرِ یزداں تھے وہ فقط، یہ تھیں بہرِ یزداں پہ ذات میں ان کی۔

تھا بھرم بھاؤ کاو جیہ انگلیٹ، تھی علو ہمتی میں خودرائی، (بدن کی کاٹھی)

موئے خوشخط و رائے پیشانی، مانگ کی سر میں مستقیم لکیر،

تھا قفا پر فراخ شانوں تک کالا پٹھوں کا مستدیر پرا

شانِ مردانگی کا آئنہ دار۔

جب حسینہ نے ناز سے جھٹکا بے سنوارے سنہری زلفوں کو،

ٹھیک نازک کمر تلک آئیں جیسے باریک ریشمی پشواز،

گھنگھریالی لٹیں نپٹ چنچل لہلہائیں سمیٹ لیں جیسے

نرم جفتے ہری امربیلیں۔۔۔۔ اور بیگانگی، گریز، نہ رم۔۔۔ (انگور پوش)

یہ سراپا سپردگی ہی سہی، چاہیے احتیاط حسنِ طلب

بہ تکلف حوالگی لیکن بہ تصرف حصولِ سعیٔ مرام،

وصل آمادگی حجابانہ، شرمگیں ناز---- پیشدستی میں
متامل بصد سلیقہ ہے، شوق تمکین آزما کہیے!
ستر میں تھے نہ عضوِ پر اسرار، بے حجابی شمارِ عیب نہ تھی،
دستِ قدرت کے وہ نمونے خاص باعثِ عار ابھی نہیں ٹھہرے،
اب تو بے حرمتی ہے حرمت کی۔
دیکھ تو اے گناہ پرورِدہ کردیا کونسی نمائش میں نوع انساں کو مبتلا تو نے؟
نیکیوں کا یہ کاروبارِ ریا،
ابنِ آدم کی زندگی سے جدا خوش نصیبی کی زندگی کردی۔
ہائے وہ سادگی و عفتِ اصل!
تھے خراماں برہنہ تن، ان کو تھا نہ احساسِ چشمِ نامحرم،
ہوں ملائک کہ حضرتِ یزداں،
جانتے تھے شعائرِ فطرت قابلِ اعتراض امر نہیں۔
چشمِ بددور کب بہم ہوگا پھر طرحدار و خوبرو جوڑا گرم آغوش میں محبت کی!
یہ تو آدم ہیں مردِ لاثانی جملہ ابنائے دہر میں تاحشر،
اور وہ کل بناتِ عالم کی خوبصورت تریں پری---- حوا،
سبزۂ تر پہ محوِ سرگوشی نرم چھتنار کے تلے رہرو چشمۂ دلکشا کے پاس رکے۔
باغبانی کے شغل میں پر لطف کی بقدرِ ضرورت اب محنت،
تا خنک بادِ خوش خرام چلے۔
کی مزے سے بڑے مزے سے فرو تازگی بخش تشنگی اپنی،
بھوک خوانِ کرم کی شکر گزار، منّ و سلوی، فواکہات لذیذ،
چاشنی گیر ٹہنیوں نے رکھے ماحضر میں رسیلے شفتالو۔

شانت پہلو کے بل وہ نیم دراز
گل ولالہ کی جامدانی کے گدگدے مخملیں گریوے پر، (ف)
نوش جاں سوندھے گودے کا قلیہ
تلخیٔ تشنگی مفرح تھی چھلکے چھلکے کی رس تلّی سے۔
نہ سخنہائے رازدارانہ، مسکراہٹ نہ دلربایانہ، نہ ادائے جمالِ نورستہ،
فرطِ ہیجاں، نہ پریم کے مارے دولہادولہن کا والہانہ پن،
دن مرادوں کے شب امنگوں کی، مہر، ایجاب، بیاہ کا بندھن
یہ تکلف نہ تھے انہیں درکار،
کہ ابھی تو سماج بننا تھا، کہ ابھی تک تو صرف وہ دو تھے۔
دابتہ الارض اردگرد ان کے شغل و تفریح میں کلیل کریں،
بن میں صحرا میں دشت میں بھٹ میں گوشت خورے شکار بازو حوش،
پاشناؤں پہ شیربازی گر ایک پنجہ میں تھام شیر بچہ
پیار سے دے رہا تھا ہلکورے۔
سب ---- سیہ گوش، ریچھ، چیتے، باگھ تھے مضافات میں زقند کناں،
مشغلہ مندگج تفنن سے بل لچکدار سونڈ میں ڈالے، (ہاتھی)
کائیاں سانپ پاس پیچیدہ دُمِ موباف مثلِ دنبالہ
یوں کرے گانٹھ گانٹھ گرڈی اس جیسے پکی گرہ لگاتا ہو۔
قاتلِ جاں فریب کاری کا بے محابا بہم ثبوت کرے۔
گھاس چر کر بہیمتہ الانعام لگ گئے چین سے جگالی میں۔ (چرندے)
سورج اب ڈھل رہا ہے جلدی ہی یہ بہ معمول ڈوب جائے گا
بحر آراستہ جزیروں میں۔

آسماں کے بلند پلڑے میں ٹمٹائیں گے ان گنت دیپک،
شام کے پاسباں حسیں تارے۔
اہرمن کا تو اب یہ عالم تھا، دیکھے ٹک ٹک مگر نہ دم مارے
لگ گیا تھا زبان کو ٹانکا۔
جب مگر اپنے آپ میں آیا تو یہ کہنے لگا وہ بھّرا کر:۔
"اے جہنم یہ کیا تماشا ہے، بہرِ چشمِ ملولِ نم آلود،
یہ ہمارے نعیم خانہ میں ہے شرف یاب کون سی مخلوق،
برتر و ساختِ دگر بوتہ؟
غالباً "خاک زادو خاک نہاد، خلَق مِن سلالتہ مّن طین!
کب فرشتہ نژاد ہے لیکن آسمانی منوریں قدسی خود سے جانیں اسے نہ کم اوقات:
ہے مرا رخشِ فکر اب رو میں متجسس یہ اصل آدم کا۔
دستِ قدرت نے شکل میں اس کی بھر دیا ہے وہ سحرِ رعنائی
ہے یہ امکاں عجیب ہستی کی ملکوتی شباہتِ تاباں
باعثِ گرمئی خیال بنے۔
کاش جانے یہ چاند سی جوڑی گردشِ وقت ان کے درپے ہے!
اے بھلے مانسو اچانک یہ گذراں ساعتِ سکوں تم کو
نذرِ فرطِ ملال کردے گی، جیسے اب فرطِ شادمانی ہے۔
یہ مسرت بجا، مسرت کی جانشیں ہے مضرّتِ جاں کاہ جو مسلسل محیطِ دل ہوگی۔
گرچہ عالی جناب ہے آماج، غیر محفوظ ہے کہ گردوں بھی
سدِّرہ بن سکا نہ دشمن کایاں جو در آنہ آج در آیا۔
"عمداً" کچھ مجھے عناد نہیں، میں تو غمخوارگی کا قائل ہوں،

یہ تمہاری مہیب تنہائی، کوئی میرا بھی ہم جلیس نہیں،
آؤ ہم عہدِ ایتلاف کریں، آؤ، ہو ہمدمی کا سمجھوتہ،
ہوں بہم دوست۔ دست و دستانہ۔ غمگسار و انیس ہم باہم،
آؤ ہوں ایک جان دو قالب۔
گھر مرا، وہ مرا غریب کدہ اس بہشتِ بریں کے مثل نہیں،
ساکنانِ جہان کے قابل، وہ تمہیں کیا پسند آئے گا،
ساختہ پر تمہارے خالق کا جیسا کیسا بھی ہے قبول کرو،
جو مجھے مرحمت ہوا صاحب بے تکلف وہ پیشِ خدمت ہے۔
آؤ دونوں کہ گرم جوشی سے خیر مقدم کے واسطے دوزخ وا کرے گی فراخ دروازے،
واں ملیں گے بہ اشتیاق کئے الملا فرشِ رہ دل و دیدہ،
بلحاظِ دگر سہی مذموم ہے جہنم بسیط گنجائش
اے کثیر العیال انسانو!
یہ قلیل اور مختصر رقبہ جائے تنگ است و مردماں بسیار۔
یہ کرم بھی انہی جناب کا ہے
کہ صف آرا کیا خلاف مجھے کچھ مرا واسطہ نہیں جن سے،
ہوں تو اس کا گزندیا بندہ اور تم سے مواخذہ طلبید،
پاک معصومیت تمہاری تو یہ سزاوارِ دلگدازی ہے
اب جو طرزِ عمل بھی ہے میرا۔
تاہم از روئے کلّیہ مجھ کو یہ وقار آشنائی خود بینی
بہ تقاضائے انتقامِ شدید کہ جہانِ جدید ہو تسخیر،
و مبدم کر رہے ہیں بر انگیخت کہ میں تکمیلِ کارِ شر کر دوں،

خواہ میں اس رکیک حرکت سے ہوں لعینِ رہینِ نفریں بھی۔"

بک رہا تھا جنون میں خناس'

اس ستمگر کا۔۔۔ التزام کے ساتھ ۔۔۔ اعتذار آج ہر خبیثانہ

کاروائی کا پردہ پوش بنا۔

وہ تناور درخت پر اپنی انتہائی بلند اٹاری سے

اب فرود آیا۔۔۔ چارپایوں کے چار سو تھے کھلنڈرے گلّے۔

کی یکے بعد دیگرے پُرکار قلب ماہیت اس طرح اس نے

کہ وہ مطلب برآریاں کرلے۔

پُرفن و ناشناخت حلیے میں آنا کانی سے پائے کچھ سُن گُن

ان بچاروں کی' دانت تھے جن پر

کام میں جب لگے ہوں بے پروا' یا کسی بات چیت میں بے دھیان۔

آتشیں چشم وہ ابھی ان کا شیر کے روپ میں طواف کرے'

یا ابھی ایک تیندوا' تاڑے کومل آہو بچے اچانک دو

بن کنارے مگن کلیلوں میں'

تاک میں تیر سا بڑھے اکڑوں جو کمیں گاہ سے دبے پیروں

کہ گڑو کر وہ ایک اک پنجہ یوں دبوچے' نہ بچ سکیں دونوں۔

رجل اولیٰ جنابِ آدم کی بات حوانسائے اولیٰ سے

لب کشا وہ بہ لہجۂ شیریں یہ بہ تمکینِ دل سراپا گوش۔

"میری محبوب' انیسۂ یکتا' انبساط و سرور کی محرم

جزوِ لاینفک اے عزیز تریں!

رَبِّکَ ذَوالجَلال وَالاِکرام' سب مناجات اسی کی ہے' جس نے

آفرینش ہماری فرمائی اور حسبِ طلب ہمارے لئے
کائنات استوار کی بھرپور۔
جس کا فرمان ذالکَ نجزی مَن شکَر' ذات پاک ہے لاریب
خیرِلامنتہا' مجسم خیر' صاحبِ جود' مہرباں کلّی شان لاانتہائے خیرلہٗ ۔
خاک تھے ہم شرف عطا کر کے ساکنانِ بہشت فرمایا'
کب سزاوارِ لطف تھے اتنے؟
کیا بساط اس کریم مغنی کی ہم کماحقہٗ کریں توصیف؟
داور و لاتکلّفْ نفسا" طالبِ یک عبودیت ہم سے'
سہل ہے پس کسل نہیں درکار' کچھ نہیں ہے جوازِ سرتابی۔
یہ شجرہائے بارور بسیار بے تکلف ثمر چشاں ہم ہوں'
شجرالعلم کا نہ پھل چکھیں'
شجرالخلد کے قریب ہے جو اے مری جان نخلِ ممنوعہ'
حکمِ "لاتقربا" مقدم ہے' فتکوناَمِن الظّالمین!
موت کی اصلیت سہی کچھ بھی' زندگی کی مگر یہ ہمسایہ فی الحقیقت ڈراؤنی شے ہے۔
صاف صاف اس پہ مطلع پاداش خوفناک اس عدولِ امر کی ہے۔
اس ثمرنوشِ ناشکیبا کے حق میں یزداں کا فیصلہ ہے۔ موت۔
منطقی اک دلیلِ عبدیت'
تزک وپادشائی کے طغرے ورنہ کیا مرحمت نہیں ہم کو
وہ تلطف کہ برتری بخشی۔ بحروبرّوفضا کی لااحصا جملہ مخلوق پر ہمیں اس نے۔
کیوں لہٰذا گراں سبک بندش' کس لئے ہو کبیدگی رنجش،
متنوع نعم سوا حاصل' راحتیں بے شمار' بے تخمین'

چند در چند اور گوں در گوں جن پہ ہم کو ہے دسترس کامل'
عقل بھی دنگ کیا پسند کرے کہ ہر اک چیز انتخاب ملی۔
ہے یہ زیبا ستائشیں اس کی عاجزانہ سدا بیان کریں'
شکرِ فضل و عطا بجالائیں۔
شوق سے کام پر کمربستہ ۔۔۔ کانٹ چھانٹ ان نہال پودوں کی
دیکھ بھال ان جمیل پھولوں کی ۔۔۔ خوش دلانہ یہ فرض نمٹائیں'
گر یہ ٹنٹا کٹھن بھی ہو پیاری تیری صحبت میں خوشگوار لگے۔"
ہوئیں حوا سخن سرا بجواب'
"اے کہ میرے وسیلۂ خِلقت' تری مرہون ہے مری ہستی'
یہ وجود اس وجود کا مضغہ'
میرے سر تاج تیری ذات سے ہے اس مرے تن کے انگ انگ میں رنگ۔
بر محل بر ملا ترا ارشاد سب صفت سب ثنا اسے زیبا
فرض ہم پر ہوں روز سجدہ ریز'
میں تو ہوں رہنِ امتنان سوا کہ مرے روز و شب ہیں دلآویز۔
ایک سنگیں ممانعت کیا ہے'
تیرے پہلو میں ہم جلیس مری زیست آرام سے گزرتی ہے'
اپنی قسمت پہ ناز کر تو بھی مجھ سی ہمبر تجھے میسر ہے'
آج بھی آنکھ میں فروزاں ہے وہ سہانی سحر کہ پہلی بار
ہوئی بیدار نیند کی ماتی' تر و تازہ گلوں کی مسند پر
سایہ گاہِ سکون افزا میں' دم بخود میں یہ دیس کونسا ہے
اور میں کس نگر کی باشی ہوں؟

کون ہوں میں کہاں سے آئی ہوں، طے سفر کس طرح ہوا واں تک؟
پاس اک آبجو روانی سے زمزمہ سنج تھی، مقطّر آب
دہنِ غار سے بروں آکر منتشر تھا رقیق میداں میں،
ست رو اس طرح کہ ساکت ہو،
اسے کسفا" مِنَ السّما کہیے ---- عرشِ بلور کا حسیں لکّہ!
کبک رفتار میں خرامیدہ اس طرف، ذہن خام، پُر ابہام، رک گئی بر کنارِ رکنا باد،
اخضری ساحلِ کشادہ سے چادرِ آب میں ذرا جھانکی
صاف، چکنی، نظیف، چمکیلی جھیل تھی یا بساطِ مینائی،
نظر آیا عجیب نظارہ روبرو سطحِ آئینہ رو پر،
اک حسینہ کمر میں خم ڈالے نگراں تھی ادائے ناز کے ساتھ،
ہٹ گئی میں جھجک کے جب پیچھے، جھینپ کر اوٹ میں ہوئی وہ بھی،
اک تماشائے دلفریب رہا۔
متبسم جو میں قدم رنجہ، تھی پدیدار وہ بھی خندیدہ،
مدھ بھری آنکھ شوق زامیری، چشمِ مست آفرینِ ذوق اس کی،
تھی بہ جلوہ نمائی کیفیت وہ عجب مختصر یہی کہیئے
بے خودی پر نہ میر کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں۔
یک بیک اک ندا نے چونکایا:
اے پری وش یہ منظرِ رنگیں، دیدہ آراستہ، بہار افشاں
پرتوِ حسنِ ذات ہے تیرا، پیکرِ رنگِ پیکِ ہستی یہ عکس منت کشِ حقیقت ہے،
تیرے دم سے طلوع یہ تصویر ورنہ معدوم مثلِ نقش بر آب۔
آچلیں ایک منظرستاں میں

جس جگہ یہ طلسمِ خال و خد ہو نہ تیری شبیہہ کا مرہون'
جس کا ممنون ہو گداز آغوش وہ حرارت فزا بدن محسوس
نازک اندام کا ترے مبدا۔۔۔ باہم اس سے معاملہ گویا
اوہمہ توشدہ' شدی تواو۔۔۔ لطف بالائے لطف بے شرکت'
وہ کہ مخطوظِ وصل اسے کر کے تو جنم دے گی اپنے نک سک پر
اتنے آدم نژاد۔۔۔ نام ترا مادرِ نسلِ اِنس ہو مشہور۔"
تھا کہاں وہ پکارنے والا' کون تھا' کچھ پتہ نہ چلتا تھا'
کوئی چارہ نہ تھا' کہا لبیک اور پیچھے میں اس ندا کے چلی۔
سامنے تب گھنے چنار تلے ایک گھبرو دراز قد دیکھا'
چھب نہ گرچہ وہ جل پری کی سی' وہ کشش تھی نہ حسنِ زیبائی
وہ لطافت' ملائمت نہ گداز'
میں پلٹ کر چلی کہ تو بولا لوٹ آ اے بہارِ جاں' حوا'
اے مری دلنواز محبوبہ کیوں رمیدہ ہے صورتِ آہو
چاہیئے مجھ سے کیوں گریز' کہ تو آفریدہ مرے ہی دھڑ سے ہے'
پیدا میرے تنِ مرئی سے تو گوشت ہے' خوں ہے' استخواں میری'
کہ بپاسِ وجود' جانِ من' چیر کر دل کو' خاص پسلی سے پیش مثبت حیات کی تجھ کو'
کہ مرا پہلوئے تہی پُر ہو' آئے جی کو قرار آیندہ۔
اے مری روح کے حسیں پرتو ہوں بصد جاں فریفتہ تجھ پر'
چشمِ من روشن و دلِ من شاد' آ مری زندگی کے آنگن میں
نصف بہتر مسلّمہ میری۔"
یہ محبت بھری کتھا کہنا' ہاتھ میں ہاتھ تھامنا میرا'

لاج آئی نہ کسمسائی میں بلکہ چپکے سے ہار مان گئی'
ہائے اس کیفیت کا اندازہ!
خوبصورت نسانیت سے کہیں شانِ مردانگی زیادہ ہے'
ہے فضیلت لطافتِ زن پر مرد کی دانش و وجاہت کو
واقعی حسنِ واقعی یہ ہے::"

یہ وہ امِّ عموم فرما کر' بے نیازِ ملامت آنکھوں میں
وصل کا اشتیاق شائستہ' جدِّ اولیٰ کی سمت وا آغوش---
عالمِ خود سپردگی میں جھکی---اے خوشا زندگی کی گود بھری۔
متلاطم گداز نیم افشا سینہ سینے کے ساتھ پیوستہ'
(رائیگاں) سعیٔ ستر پوشی میں عنبریں گیسوئے پریشاں کا جھلملاتا ہوا رواں سونا۔
خوشہ چینِ جمالِ نورستہ' ہر رضا جوئی کنایہ پر
مسکرایا وفورِ شوق سے یوں
ابرِ نیسان گل چکالہ میں جو پٹیر جوں جوان جو نوپر۔ (قطرے)
پیار سے ثبت کر دیئے اپنے لب عروسی لبوں پہ---یہ پہلا---
بوسہ---معصوم اور پاکیزہ!
اہرمن بکشتۂ حسد' بریاں شعلۂ دشمنی میں' دور کھڑا
تند' دزدیدہ' اتہام آمیز ترچھی نظروں سے دیکھے جاتا تھا'
بک رہا تھا' بہک رہا تھا یوں---
"کیسا مکروہ ہے یہ نظارہ---بسکہ آشوبِ چشم کا باعث'
خلدِ آغوشِ پُرشباب میں ہیں جنتِ خوش مقام میں دونوں
مستِ ہم بستری و ہم خوابی مابہ الابتہاج عیش کناں۔

میں بر انگندۂ جہنم ہوں۔۔۔ یہ کھنڈریاں لگاؤ لاگ کہاں، قحطِ شادی و شادمانی ہے۔
تا بہ ایں حال، تشنۂ تکمیل اک تمنائے وحشیانہ ہے
دیگر آزارِ جاں کے منجملہ،
سوز بے تابیٔ طلب بن کر سخت سوہانِ زندگانی ہے۔
پر میں حرزِ فرو گذاشت نہیں، لی ہیں کنسوئیاں جو کچھ میں نے
صورت اک فائدے کی پیدا ہے۔
ایک رازِ نہاں تو فاش ہوا وہ نہیں حاویٔ حوالی ہیں،
شجر العلم سے ہلاکت کی کوئی تدبیر بن بھی سکتی ہے،
جس ثمردار ہوش پرور کا ذائقہ تک حرام ہے ان پر۔
علم ممنوع، بے تکی بندش، بدگمانی کی انتہا، حد ہے
رشک مولا کو اور بندے سے، یہ مبادا ہو عارفِ اسرار،
آگہی معصیت جواز بنی، موت اس کردنی کا خمیازہ،
کنہ ہستی ہو جہل میں ملفوف، کیا یہی نفسِ مطمئنّہ ہے؟
بہرِ طاعت یہ شرطِ کلّی ہو!
ہے تماشہ نظر فریب تمام، قصرِ کسریٰ فقط خرابہ ہے،
بسکہ تعمیر ہی میں مضمر ہے ایک صورت یہاں خرابی کی۔
میں چتر بانک یہ چر تر کروں،
ذوقِ ہل من مزید علما" سے ذہنِ انساں کو مرتعش کر دوں،
ایڑ دوں اشہبِ تجسّس کو۔
منکرِ امر ہو کے نصّ اس کی متقاضی ہے وہ حقیر رہے،
اے مقیمانِ عالمِ بالا خوب معلوم شد سخن فہمی،

علمِ دانش فزا سے یہ خدشہ!
بہرہ یاب آدمی کہیں ہمسر اہلِ افلاک کا نہ ہو جائے
قدسیان و خدا کا ہم پایہ۔
خیر معراج کی توقع میں یہ چشیدہ ثمر فنا ہو جائیں'
احتمالِ مآلِ دیگر چیست؟
چاہیے گھوم پھر کے میں پہلے باغِ جنت کی چھان بین کروں'
ٹوہ' پڑتال کونوں کھدروں کی' شاید اک اتفاق سرزد ہو
کوئی قدسی ملے سرراہے محوِ گلگشت برلبِ تسنیم
یا گھنے سائے میں بہ قیلولہ ۔۔۔۔ اخذ ہوں کچھ مفید معلومات،
ساقی و رندیہ عروسانہ بادۂ وصل نوشِ جاں چندے
جب تلک میں نہ آؤں' مہلت ہے۔
ثابت آخر یہ کلّیہ ہو گا' لطف کوتاہ' رنج طولانی۔"

بات کہہ اہرمن رعونت سے حیلۂ حزم و احتیاط کے ساتھ
اب قدم پھونک پھونک کر دھرتا' چال چیتے کی فاخرانہ چلا۔
بن میں' بنجر میں' تل تلہیٹی میں گشتِ بے سلسلہ شروع ہوئی۔
دور اس وقت نزدِ طول بلد فلک و بحر و ربعِ مسکوں کے نقطۂ اتصال کے نیچے
مہر' وقت غروب' تدریجاً" ڈھل گیا' ٹھیک ٹھیک کینڈے سے
سانجھ کرنیں بکھیر کر ہموار سُورگ کے پوربی کواڑ کے ساتھ۔
سیل کھڑبی کی اک چٹان وہاں تابہ دامانِ ابر تودہ وار
کوسہا کوس سے نمایاں تھی۔ تھی رسائی کو ایک پگڈنڈی
تنگ بل دار' ورنہ زینہ سی اوج پر سنگ بر سرازیری (ڈھلوان)

یوں معلق تھی، راہ پیمودن تھی زمیں سے وہاں تلک دشوار۔
سنگلاخی عماد کے مابین آمدِ شب کے منتظر جبرئیل
پاسباں، عرشیوں کے سرسالار،
منہمک آس پاس تھے غلمان رسنمیں لعب میں نہتے ہاتھ،
تھے قریں بے شمار آویزاں آسماں کے سلاح خانہ میں
تیغ، ناچخ، کمان، خَود، سپر۔ (نیزہ)
سرپٹ اسوار موجِ شمسی پر لپکا عور ئیل اس طرف جیسے
ایک ثاقب شہاب اجڑی ہوئی رات کی مانگ نور سے بھردے۔
یا فضا سوز آتشیں ابخر کہ ہوید اجہاز ران پہ ہو
دیکھ کر جو بغور قطب نما فورا" آگاہ ہو کہ طوفاں خیز
تند جھکڑ کدھر سے آئیں گے +
جلد گھبرا کے یوں کلام کیا۔۔۔ "تو ہے جبرئیل صاحبِ مقدور
سنتری، گارد، پہرہ، چوکیدار ہے حفاظت کا بندوبست کڑا،
پاس پھٹکے نہ ہو سکے داخل کوئی بد روح خرّمستاں میں۔
آج لیکن بگرد و پہرے کو اک کروبی مرے محال اندر
آن وارد ہوا، بڑا شوقین صنعتِ کردگار کی بابت تاکرے اور کسب معلومات،
متجسس تھا مستزاد ملے کوئی اس کو نشان آدم کا۔
فنِ یزدان کا وہ نقش تمام۔
سب کنگھالی ہے رہگذر میں نے برق پا وہ جہاں روانہ تھا
تاک رکھی طریقِ طیراں کی۔
غالبا" اس کا مہبطِ مقصود ہے شمالِ عدن میں اک ٹیلہ۔

صاف غمازِ بے تکی کرتوت ملکوتی تھی اور نہ لاہوتی'
اس کے مصنوع چہرے سے ظاہر اک پراگندہ شور سفلہ پن۔
متعاقب نظر کو جُل دے کر وہ کہیں اوٹ میں ہوا او جھل
کھا گئی ہے زمیں اسے شاید' آسماں ہی نگل گیا ورنہ۔
دھیان آتا ہے وہ یکے از آں اژدحامِ جلاوطن ہو گا'
کوئی تحت الثریٰ کا زندانی' کوئی گستاخ ادھر نکل آیا'
ہے جہاں بھی وہ اب حسِ محتاط لامحالہ اسے تلاش کرے +"
یوں جوابا" اسے یلِ پردار'
"چشمِ بینا ضرور اے عورئیل مہر کے حلقۂ منور میں
دائما" تو جہاں فردکش ہے تا افق صاف دیکھ سکتی ہے۔
بابِ فردوس کے دروں لیکن متعین ہیں دیدباں چوکس
یاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔
ہاں یہاں قدسیانِ محرم کی آمد و رفت پر نہیں قدغن'
گو مری یادداشت میں اب تک کوئی مخلوق بعدِ نصف نہار
اس طرف آئی ہے نہ گزری ہے' لیکن امکاں ہے کوئی روح پلید
سوانگ بھر کر کسی فرشتے کا' فاسد افکار کی ہوا باندھے'
بالارادہ حدودِ ارضی تک ہوئی ہو مرتکب تجاوز کی'
یوں کہ مشکل تجھے شناخت رہی۔
مادّہ ہو لطیف تو کیسے بندش اس پر کثیف اثر انداز؟
جمع خاطر رہے کہ یہ راہیں ---- یہ خیابان و شارعِ پہنا'
اندر ان کے محیط میں کوئی ہو کسی بھیس میں کہیں روپوش'

تو ہے ہلکان کھوج میں جس کی
سات پردوں سے کل سویرے تک دیکھنا میں نکال لاؤں گا+"
ایسی پختہ یقیں دہانی پر
منصب اپنا سنبھالنے کے لئے مطمئن عور ئیل لوٹ گیا'
تیز گام اس شعاعِ نوریں پر لے چلی نوکِ مرتفع جس کی
ڈھال پر سے اسے نشیب نشیب --- تابخورشید' جو غروب ہوا'
پار نزدِ جزائرِ عزرس (اوقیانوس کے سمندر میں)
(یا تو سورج) وہ قرص اولیٰ تر فرطِ رفتارِ بے حساب کے ساتھ
دن دہاڑے ادھر ڈھلک آئی' یا بگردش یہ خاکداں تیرہ
(نسبتاً" جو رواں ہے آہستہ) مختصر سے مدار پر چل کر
سمتِ مشرق ہوا بہ اندازے'
چھوڑ کر مستقر پہ صف بستہ قرمزی و طلائی دَل بادل
عکس انداز غربِ اقصا میں' اس کی مسند کے پاس حاضر باش۔
(بطلموس و کوپرنیکس کے اصول' جرم گرداں ہے آفتاب کہ ارض)+
شام گم سم ہے' ہر کہ و مہ کو دور نزدیک' اور فرو بالا
سانولے سانولے سے آنچل میں دھیرے دھیرے شفق چھپاتی ہے۔
چھا رہا ہے نچنت سناٹا' جانور سب --- چرند اور پرند
چل پڑے ہیں گیاہ زاروں یا آشیانوں کی سمت ستانے'
سب' مگر عندلیبِ شب بیدار عاشقانہ ہے زمزمہ پرداز'
خامشی خوش ہے' آسماں روشن نورِ یاقوت ہائے ارزق سے۔
اژدحامِ نجوم کا سرخیل' کوکبِ شام' شہسوار اسپرس

خیرہ کن، تابدار، رخشندہ، پڑچلاماند---چڑھ گیا جس وقت
ہلکی ہلکی گھٹامیں آن سے چاند
اور چندن انوپ رانی نے ڈال چاندی کی چاندنی اجلی
نانگے انمول روپ سے پھیلی گھور پر چھائیوں کو ڈھانپ لیا::

آدم اب ہمکلام حوا سے:

"اے مری خوبرو شریکِ حیات! آئی شب، ساعتِ فراغ ہوئی،
دست کش کاروبار سے دنیا خلوتِ پرسکون میں سمٹی،
استراحت پہ طبع مائل ہے---نیند بھی بندگی ہے آسوئیں!
متواتر جنابِ یزداں سے مثلِ لیل و نہار مختص ہیں
بہرِ مخلوق کام یا آرام۔
کیا سبکدست اور خواب چکاں وقتِ موزوں پہ نیند کی شبنم
موندتی ہے ہماری پلکوں کو۔
اور مخلوق تو مگر دن بھر ہے تو بے مدعا ہے سرگرداں
کچھ اسے حاجتِ قرار نہیں-- آدمی کے لئے مقدر ہے
کاوشِ کار--ہے برائے بدن اک مشقت برائے ذہن دگر۔
مزدِ محنت ضمانتِ عظمت۔
سرِ تسلیم خم بلاحجت پیشِ قسام ہے یہ بے چارہ،
ذی کسالی ہیں غیر ذوی العقول، ان سے یزداں کی باز پرس نہیں،
اولیں آمدِ شعاع کے ساتھ
سحرِ نو دمیدہ کھینچے گی شرق میں کل لکیر رو پہلی
لاجرم آینہ النہاریہی--مبصرۃ لِتبتغوا فضلا"۔

تازہ دم ذوق شوق سے سرشار ہم اٹھیں گے سنوارنے کے لئے
وہ پرے کنج ہائے گل انبار' اور گلیاریاں زمرد زار'
دوپہر میں جہاں رہے تفریح۔
ٹہنیوں کی بڑھوتری بے ڈھنگ کھاد کی جز رسی پہ چشمک زن'
بیش بالیدگی ہے بے ہنگم' ہم سے ممکن کہاں تراش خراش'
رطل در رطل ہے تراوشِ صمغ' ہے شگوفوں کی ریزشِ خروار' (گوند)
ہیں مددگار بیشتر درکار' ہاں کئی کارکن مہیا ہوں
تب کہیں صاف ہو اثار رستہ' تب کہیں لطف دے چہل قدمی۔
اب دگر ادعائے فطرت ہے' اذنِ شب مل گیا' چلو لیٹیں۔"
بکمال التزامِ صد عشوہ شوخ حوا بگفتہ دُر سفتہ:
"اے مجازی بدن طراز ندہ' میرے تحویلدار حاضر ہوں
بہرِ تعمیل خواہشِ خوش کن' بسر و چشم ہے یہ قال اللہ'
تو مرادین و دینِ تو یزداں
ہو نہ حرصِ اضافہ' ادراک یہ ہے درکِ سعید زن کے لئے'
بس یہی وصف زیور اس کا ہے۔
پیار کی تجھ سے رس بھری بتیاں' جائیں سپنوں میں بیت یہ رتیاں'
پری وقت تیز اڑان کرے' کسے فرصت مگر کہ دھیان کرے'
موسموں کی اس آمد و شد میں اک مزہ' اک سرور' اک لذت۔
شکر افزادمِ سحر گاہی' حسن انگیز دن کی انگڑائی'
پو پھٹے طائروں کی چہکاریں --- سورج آنکھوں میں نور بھرتا ہے'
شرق سے جب نئی نویلی کرن اس پیا دیس میں بکھرتی ہے'

کیا سہانا سماں اُمڈتا ہے۔
بوٹی بوٹی پہ، بوٹے بوٹے پر، کونپلوں پر، پھلوں پہ، پھولوں پر
اوس موتی سے ٹانک دیتی ہے۔
ہلکی ہلکی پھہار میں زرخیز نرم مٹی کی سوندھی سوندھی باس،
بس رہی ہے مہک سی سانسوں میں۔
معتدل، مطمئن، مسرت مند آمدِ شام، پھر شبِ خاموش
رین سکھیوں کے سنگ آئی ہے شبھ شگن، پنچھیوں کی ڈار مگن
چاند روپا کا تھال اور گگن، ہیرے موتی کا اک جڑاؤ لگن
خوب تاروں بھرا کھلا آنگن۔
لیکن اے ماخذِ سکونِ حیات، صبحِ تازہ نفس تجلی زا،
یہ سحر خیز اور سحر طراز جوقِ مرغانِ خوشنوا ہم وقت۔
دیدنی روئے ارض خوش منظر جب ہو قندیلِ آفتاب طلوع،
ثمرو سبزہ و گیاہ و گل، رقصِ لولوئے شبنمیں ان پر،
بوئے ابرِ بہار پروردہ، شام گلگوں، شبِ سیہ کاکل،
بلبلِ خوش صفیر و سنجیدہ، دوشِ ماہ و تابشِ انجم
دلکش و دلکشا سہی بے شک، تو نہ ہو تو کسی میں لطف نہیں،
بارِ خاطر نہ ہو گر استفسار --- کیوں بہ ہنگامِ شب یہ ہنگامہ،
یہ تماشائے قدرتِ تامہ،
اہتمامِ وفورِ تابانی، یہ بکثرت چراغ سامانی
سب تکلف ہے کس نظر کے لئے
نیند نے جب تمام آنکھوں۔ کے نرم و نازک کواڑ بھیڑ دیئے؟"

ہوئیں شیریں مقال حوایوں گوش بر تابِ جدِ امجد، تو
بجواب آپ نے یہ فرمایا:
"گرچہ بنت البشر ہو تم حوا، ہو مجسم کمالِ یزدانی۔
جلوہ پرداز، شب چراغ اجرام، سرِ گردوں مدار پر گرداں،
ارضِ کروی کے گرد فردا تک سفران کو تمام کرنا ہے....
ملک تا ملک، خطہ در خطہ، بہرِ آسائشِ ملل کہ ہنوز
باغِ ہستی میں نادمیدہ ہیں، نور کا اہتمام کرنا ہے۔
ہے یہی حکمتِ طلوع و غروب، کہ مبادا قراولی کر کے
ظلمتِ بیکراں جہان محیط بطریقِ عتیق ہو جائے،
سرد فطرت کو، بلکہ ہر شے کی زندگی کا چراغ گل کر دے
ہم دگر جو مدام رکھتی ہیں یہ نحیف اگنیاں فروزندہ،
جملہ اجرام کو ہمہ تاثیر مہر آگیں تپش سے سینکتی ہیں،
برخہ برخہ تپاں تپاں، اکثر کو کبانہ خواص کے ضم سے،
یہ ہے نشو و نما کا سرِ نہاں۔
کلما مما تنبت الارضِ، آرزومند نامیہ خود ہے
کہ توانا شعاعِ شمسی سے ہو میسر تمام کو اتمام۔
بطنِ شب میں کرے یہ رخشندہ چشمِ نظارہ بین سے محروم
رائیگاں بھی نہیں ہیں نور فگن۔
بسکہ اک شاہدِ عدم موجود نقصِ مشہود کا ثبوت نہیں،
آخر اس باب میں گماں کیوں ہو حسن منت کشِ مشاہدہ ہے۔
چرخ اہلِ شہود کا محتاج یا طلبگارِ حمد یزداں ہے۔

ارض پر گرم سیر غیر مرئی ان گنت سرمدی خلائق ہیں
--ہم ہیں بیدار جب کہ خوابیدہ--متواتر--شبانہ روز بہ دل
فنِ قدرت کے ہیں ستائش گر، جس طرح وہ نظارا کرتے ہیں۔
تھاہ سے گونجتی پہاڑی کی، اوٹ پیچھے سے جھنڈ جھاڑی کی،
خود کلامی و ہمکلامانہ گفتگوئے لطیف نغمانہ،
اک مناجاتِ صدق مندانہ ہاں سماعت نواز ہوتی ہے۔
گوشدار اں و انجمن سایاں گوشہ گیران و دشت پیمایاں
ان کا مضراب ضربِ قدسی سے ہم طرب زمزمہ بپا کر کے
ساعتِ شب کو بانٹ دیتا ہے۔
زمزمہ خیز سازِ ہم آہنگ، جو ہمارے حسیں خیالوں کا
ہم پر و بال و ہمسفر ہو کر آسمانوں کی سمت اڑتا ہے+"

سوئے کاشانۂ سعادت گنج

دست در دست، خرم و خوشنود تھے سخن راں بہم خرامیدہ۔
انتخابِ حسین حسن مآب، خاص آباد سازِ کبریٰ کا،
بہر انسان وضع فرمائے فرحت آگیں سہولتوں کیلئے جب مواہب نفیس و بوقلموں۔ (تحفے)
گنجلک سائبان کی چھت پر، چھاؤں کی تار پود میں پیوست
برگہائے حنا و زنبق گل، سرو و شمشاد قد شجر چوں کے برگہائے معطر و سالم
سوبسو شوکتہ ببول آسا، مہکی مہکی گھنی گھنی شاخیں باڑ سی بام بام گسترده۔
کس قدر پھول پھول تھا سندر، روپ ونتی کلی کلی کیسی۔
واہ واسو سن کثیر اللّون (آسماں فام و ارزق و آزاد)،
نسترن، یاسمین، گل، لالہ خوب جوبن پہ در میاں ممتاز،

کارچوبی کا خوشنما منظر۔
گل بنفشہ و سنبل و کیسر -- زعفران، ارغوان نیلی گوں،
زیرپا فرشِ پُر تکلف پر بیش قیمت مرصع آرائش،
تاک پر عقدِ کہکشاں جھلمل، خاک پر جیسے خردۂ مینا،
کیا مجال آسکے دروں حیواں -- حشرۃ یا درندیا طائر
دبدبہ آدمی کا ایسا تھا۔
مستقر برگ پوش و پُر سایہ -- متبرک یہ عافیت خانہ
حیلہ و جعل بر طرف ورنہ پان وسلنوس کو میسر کب
آئی ہوگی یہ استراحت گاہ (یہ خداوندِ دشت وراعی وہ)۔
نہ ہی آسیب ساں یہاں بسرام کر سکے دیو فونسِ بزپا۔
یا پرئی بحیرہ و ۔بنبوع۔
کنجِ برنگ میں عروسانہ، سیج آراستہ حجابانہ
کر رہی ہے بیاہتا حوا، پھول، گجرے، مہک بھری خس سے،
رت سہانی سہاگ رینا ہے، منڈل آکاش شبھ منڈھا گائے۔
کامنی -- کام دیو کا ہے کو -- پیارے سولہ سنگار میں عریاں
(دروپدی کے سمان) لایا تھا یوں حرم میں ہمارے "قبلہ" کے۔
اس پنڈورا سے وہ ادھک کومل،
دیوتاؤں نے بھینٹ کیں جس کو انت کی بھانت بھانت سوغاتیں،
ہرمس ابتر بجوگ دگدا میں جس الفتا کو لے کے آیا تھا (چھنال)
جافثِ دیوزاد کے بیٹے گیدی مورکھ اپی تھیٹس کے لئے،
(پتر آکاش بھوم کا جافث اور ہرمس زیوس کا بیٹا)۔

وائے صندوقچہ کاواہونا' مبتلائے فتن ہوئی دنیا'
بسکلِ ناوکِ نگاہ بشر عشوہ و ناز کا اسیر ہوا!
بھوت ہر مس کے سر چڑھا کہ یہی منتقم' خون خوار حرافہ
مشتری کے کنشت میں کردے دزدِ نارِ قدیم کو فی النّار+
خانہ باغِ نفیس کے باہر احتراما" رکے عقید تمند'
پھر کھلے آسماں تلے بہ خضوع پیشِ یزداں سجود اور رکوع'
خالقِ عرش و فرش و خلد و خلا-
وہ کرہ چاند کا چمکتا ہوا' قطب تاروں بھرا دمکتا ہوا'
ٹکٹکی باندھ کر نظر ماری' حمدِ باری بہ لب ہوئی جاری:
"قادر و آفرید گارِ عظیم!
آفرینش تری شبِ رعنا' روزِ روشن تری عنایت ہے'
دن گذارا معین و مامور بہ خلوصِ معاونت باہم'
بس بہ پایاں رسید کارِ مغاں' کامیابی ہوئی محبت سے'
یہ محبت ترے ہدایا میں اے کریم ایک ہدیۂ عظمیٰ'
زاید از احتیاج ہے بسیار یہ بہاریں مقامِ عشرت مند'
روضۂ ماءِ نہر ہا سلسال- (صاف شفاف لہریں مارتی ندی)
یہ فروانیٔ کرم اکرام خوشہ چینوں کی خواست گار بھی ہے-
رطل ہائے شرابِ ناخوردہ ورنہ بے کار در رگِ تاک است-
مژدۂ خوش رسید' پشت بہ پشت بہ طفیلِ تناسلِ وافر
تنگ پڑ جائے گی بساطِ زمیں-
بخششِ بے حساب کے مولیٰ ہم حدیثانِ شکر خواں اب ہیں'

مل در نسل ہم زباں ہو گی' در ہمہ کیفیت وہ ہوں بیدار
یا تری بارگاہِ عالی سے آرزو دارِ خوابِ نوشینہ' (ف)
نعمت اب جس کے ملتجی ہم ہیں"۔

یک زباں یہ دعا بہ طیب دلی' بر طرف سب رسوم بے مصرف'
صدق پرور یہ بندگی سادہ کہ ہے یزداں کو احسن المرغوب۔
ہاتھ میں ہاتھ پیار سے تھامے حجلۂ خاص میں ہوئے داخل'
ہے جواب جامہ پوشیٔ دق دار' بے نیازانہ راست افگندہ'
انگرکھا' پیرہن' شلوکا سب۔۔۔
شاد پہلو سپردۂ پہلو مسندِ نرم پر دراز ہوئے۔
تھا بعید از قیاس آدم کا اس رفیقہ کے پیکرِ خوش سے
باہمہ قرب دسنکش ہونا۔۔ محرمانہ و دلنوازانہ
زوجیت کے شعائرِ تن سے تھا نہ کچھ اجتناب حوا کو۔
جو کیا ہے مباح یزداں نے یہ عبوست زدہ ریازادے
پاکی و عصمت و جواز اس کا معرضِ قیل و قال میں لائیں۔ (ف)
مضحکہ خیز ردو کد واللہ
مستحب بہرِ ہر کس و ناکس اور معدودِ چند پر واجب۔
خالقِ آفرید گار' کریم' مصر افزائش و تعدد پر
ضبطِ تولید کا ہے جو داعی بالیقیں نسل کش ہمارا ہے'
سخت بد خواہِ آدم و یزداں۔
مرحبا حُبِّ عقد پروردہ چیستانی شریعتِ فطری'
مصدرِ راستِ نسلِ انسانی۔

تیرے جملہ حقوق ہیں محفوظ ورنہ فردوس میں تمام اشیاء مشترک ملکیت میں داخل ہیں۔
تو عناں گیرِ نفس امارہ، نسلِ انساں سے منتقل تو نے
کی بہائم کے مست غولوں میں فاسقانہ ہوائے نفسانی۔
بلحاظِ اصابت رائے تیرے دم سے قرابتیں پیدا'
باوفا و عزیز و پاکیزہ بے غرض شفقتیں نمو پرور
اولیں بار باپ بیٹے اور بھائی کے پر خلوص رشتوں میں۔
یہ قلم ہو نہ روسیاہ مرا معصیت بدنما تجھے لکھوں۔
اس مقدس مقاربت کو میں کیوں سقیمانہ بے محل کہہ دوں؟
خانگی سکھ کا جاوداں چشمہ، غیر آلودہ و مصفّٰی طاس'
قاضیٔ لم یزل کے فتویٰ سے
یہ شراب طہور تا بہ ابد شیخ و درویش پر حلال ہوئی۔
عشق کا دیوتا--- کیوپڈ---جب تیرِ زرین زہ پہ رکھتا ہے
شمعِ جاوید شعلہ زن کر کے ارغواں پنکھ پھڑپھڑاتا ہے۔
بولتا ہے اسی کا یاں طوطی'
جشنِ مستی و سرخوشی برپا مستقل بے مثال ہوتا ہے۔
کیف انگیز اس قدر کب ہے غیر مانوس بے طرب بے مہر
بیسواؤں کا مول تول ٹھٹھول' حظ نوازی سو محض ہنگامی
(الزّنا یخرج البنا کہیئے)۔
بسکہ یوں انبساط خیز نہیں سرِ دربار آشنایانہ رنگ رلیاں' نہ لاابالی
نہ ہوسناک رقص نیم شبی' ناچ لے کر بغل میں یا مخلوط'
نہ کسی کنچنی کے گت توڑے' نہ کدارا' بگیسری' ہنڈول'

نہ سرودِ شبینۂ پر سوز بر لبِ عاشقِ فراق زدہ
بہرِ معشوقِ خود پسند -- مگر نذرِ بے اعتنائی ہو جائے::

عندلیبوں کی مست لوری سے دونوں آسودگان، ہم آغوش
خوابِ شیریں سے ہمکنار ہوئے۔ سقف اعضائے بے لباس پہ تھی
برگ گل پاش --- تازہ پھولوں کے صبح پیوند پھر لگائے گی
شاخ کے زخم زخم پر ہر جا۔

اے نصیبے کے خسرو و شیریں، نیند جادو ہے رقیتہ النائم (سونے والے کی ساحرہ)
خوش نصیبوں کے آستانے کی شادمانی کنیزِ ادنیٰ ہے۔
سعیٔ تسکینِ محض ترک کرو -- اور جانو کہ اور مت جانو::

رات اٹھائے کثیف مخروطہ گنبدِ تحتِ ماہتابی میں
سفرِ جان کاہ طے کر کے نیمۂ راہ تک نکل آئی۔
(زیرِ مہرِ کلاں بہ ہیئتِ عکس، کرۂ ارض خورد سمت الرآس)
مسکنِ عاج سے بروں نکلی صفِ کروبیان احیانا"
چلتہ بر سینہ تیغ در پہلو پہرہ پر اس طرح، جبیرہ کوئی (گروہ)
چست سرہنگ جنگجوؤں کا۔
حکم جبرئیل نے دیا اپنے مستعد نائب الامور کو تب:
"عزبل جاؤ نصف نفری کو متعین کرو جنوب کے ساتھ
اس طرف سے کڑی نگاہ رکھے پھیل جائے شمال میں دیگر
صورتِ نیم دائرہ تا غرب، یوں کہ گھیرا مکمل اک دم ہو۔"
مثلِ شعلہ وہ شق ہوئے فورا" نیمہ نیمہ یمیں یسار رواں،
ڈھال کے ہاتھ، ہاتھ نیزے کے --

دو قوی و سبک فرشتوں کو عزیل نے الگ طلب کر کے
اس فریضہ پہ یوں کیا مامور--- "طیفن و عشریل ہوا ہو جاؤ
خوب اس باغ کی تلاشی لو، کونے کھدرے کھدیڑ کر رکھ دو،
دیکھنا بالضرور وہ موقع ہیں رہائش پذیر وہ ہر دو
خوب دیدہ و نیک فرد جہاں--- ہر بلا سے بزعمِ خود محفوظ۔
ساعتِ نیّرِ زوال پذیر کوئی مخبر شتاب پہنچا ہے،
پرچہ جس نے عجب لگایا ہے، تھا نہ اصلاً گمان بھی جس کا
جامغول اک تہِ جہنم سے توڑ کر آتشِ سلاسل کو (بہت بڑا غنڈا)
اس علاقہ میں آہوا روپوش، شیر پر کین پر کمربستہ،
وہ جہاں ہو اسے پکڑ لاؤ، طوق و زنجیر میں جکڑ لاؤ۔"
یہ کہا اور آپ کوچ کیا--- تھیں عقب میں وہ مستنیر صفیں
چاند کے حسن کو جو شرمائیں،
ٹوہ میں نابکار کی سرپٹ چل پڑے ٹھیک یہ بھی منڈپ کو۔
کھوج مل ہی گیا کہ بیٹھا تھا آلتی پالتی وہیں مارے
ایک مکروہ غوک سا دیکھو کان کی کو کرو میں حوا کی۔
کوتک اس کے وہی خیشانہ، شبد اشلوک پھونک چھو منتر،
کہ دل و ذہن آئیں مٹھی میں، بسہولت جہاں تراش سکے
وہ دبادب سراب خواب آسیب، واہمے، شعبدے، چھلاوے، چھل،
تندئ کینہ شدتِ ہیجان ہو نمو یاب خونِ صالح سے
جیسے شفاف روئے دریا پر نرم پرواز بھاپ خیزندہ۔
تاکہ احوال سے کم از کم کچھ اور بھی کیفیت نمائی ہو---

مثلاً" --- فکر مختل اور ملول' بے حقیقت توقعاتِ فضول'
بے نتیجہ عزائمِ مجہول --- خواہشاتِ کثیر و بو قلمون
یہ خیالی پلاؤ کا دھندا' یہ تماشا ہوائی قلعوں کا'
نخوت انگیز' تمکنت پرداز۔
عالمِ انہماک میں اس کو غیر محسوس انی سے نیزے کی
عثریل نے دیا ٹھوکا اک!
چین آشفتۂ سماوی کا کون باطل حریف ہوتا ہے'
ہوں مبارز اگر کوئی ہم اصل دوبدو ہو مقابلہ خونیں۔
چشمِ جویا پہ فاش یوں ہو کر بھونچکا وہ اچھل پڑا' جیسے
اک شرارہ بھڑک اٹھے یکدم خشک بارود کے ذخیرے میں'
وافراک میگزین آتش گیر
بہرِ جنگ عظیم پھیلی ہوں جس کے بارے میں عام افواہیں۔
کالا چکٹا وہ روگلا ذرہ ایک رنجک سے جھٹ بنے لوکا'
بھک سے اڑ جائے یوں دھماکہ خیز کہ فضا شعلہ زار ہو جائے۔
فرطِ ہیئت کذائی میں خناس چونک کر اس طرح بھڑک اٹھا۔
وہ فرشتے جمال وش دونوں رہ گئے دھک سے ناگہاں پاکر
روبرو اس مہیب راون کو۔
جھٹ سنبھل کر مگر بڑھے آگے اور للکار کر کہا بے خوف:
"از شیاطیں تمرّدی فی النّار' تو وہی ہے جہنمی بغلول'
کون ہے' نام کیا ہے' راہِ فرار بند محبس سے مل گئی کیسے'
اور بگلا بھگت کلپ کلایا' سوئے ہیں جو نچنت کیوں ان کے

تو سرہانے براجمان ہوا' ازلی' اے عدوئے بد اندیش ؟"
طنزیہ اہرمن نے تب ان کی سمت روئے سخن کیا: "اخاہ
بن رہے ہو نیاز مند سے یا واقعی بے کفو ہوا ے یارو'
ہو تمہیں یاد یا نہ اب ہو یاد' تھے بہم آشنا کبھی ہم تم'
تم مقرب نہ تھے مگر ایسے' متمکن بلند میں واں تھا
بالِ عنقا بھی جل گیا ہوتا،
تم بچارے حقیر' ہیچمدار' تم وہاں باریاب کیا ہوتے ؟
مجھ سے نا واقفی ثبوت مگر ہے تمہاری ہی حیثیت مہمل
کیا بھلا اہلِ آگہی کو یوں سخنِ لغو زیب دیتا ہے ؟
بے سروپا فضول استفہام' جہل کیا صاف گاؤدی پن ہے۔"
تب جواب الجواب طعنہ زن ظیفن اس طرح ہمکلام ہوا:
"عرش پر تو کبھی رہا ہو گا راست کردار' عکسِ راست خدیو'
تو کہاں اب وہ بزمِ سعد کہاں'
سلب ہے جوہرِ نجستہ فال' وہ طلسمِ جمال ٹوٹ گیا۔
یوں نہ بن اپنے منہ میاں مٹھو -- ریختِ آں بادہ' آں قدح. شکست
درِ میخانہ تجھ پہ بند ہوا --- تو ہے اب اور حسرتِ دیروز۔
ذات تیری ترے گناہ کا خول' تیرا اڈہ فقط وہ سوءالدّار۔
خیر زحمت ذری تجھے ہو گی' پیش ہو روبرو ذرا چل کر'
جس مدارالمہام کے حاجب ہم بہ تعمیلِ حکم حاضر ہیں۔
چل وہی ہے یہاں کا دیدہ باں
کہ نہ داخل ہو کوئی ناہنجار ان کے حق میں جو ہو گزند رساں۔"

یوں کروبی ہوا سخن پیما، تھا قیامت جمالِ نورستہ،
لبِ رنگیں سے سرزنش سنگیں،
کاٹ لہجے میں اک بلا کی تھی، تنک انداز قاتلانہ تھا۔
خجل ابلیس پر ہوا القادبدبہ یہ وقار نیکی کا،
تک رہا تھا کھڑا ہوا مبہوت راستبازی کا چاند سا مکھڑا۔
کی فرومائیگی پر ایک نظر جھانک کر آپ جب گریباں میں
ہو گیا شورہ پشت کا دل خون اور سینے پہ سانپ لوٹ گیا۔
آب و تابِ گذشتہ یاد آئی ---وہ بہارِ پریدہ رنگ افسوس!
بل بے کس بل مگر نہ بل آیا اک ذرا سا جبینِ ہمت پر
دانت اپنے نکوس غرایا:
"بات پہنچی ہے سر بھڑانے تک ہاتھ دو دو گورو سے ہو جائیں
کہ مہاپاپ ہے مہااتم --ہو ستمگر سے فیصلہ دو ٹوک
نامہ بر کی نہ ماریئے گردن۔
جیت جاؤں لگے پر سرخاب، ہار ہو گر تو ہارنے والا
لنگکے زیرو لنگکے بالا، کیا غمِ دزد، کیا غمِ کالا--"
زہر خنداب یہ منچلا ظیفن:
"خوف سے جو تری بندھی گھگی، ہم چلو امتحان سے چھوٹے
طشت از بام ورنہ ہو جاتا کہ دغاباز کا کوئی مخلص
غرق کرتا ہے کس طرح بیڑا، کس طرح جھوٹ کی کلائی کو
اینٹھ کر سچ مروڑ دیتا ہے، نیک، بد زور توڑ دیتا ہے،
راستی موجبِ رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست۔"

اب سنی ان سنی کئے خناس چپ رہا' تاؤ جھاؤ میں جز بز'
توسنِ بالجام پر منہ زور' تمکنت سے قدم زناں لیتا
کچکچی آہنی دہانے پر۔
ہاتھاپائی دکھائی دی بے سود اور راہِ فرار سب مسدود'
رعب سے اختلاجِ قلب ہوا' اور تو خاص تھی نہ حیرانی۔
رفتہ رفتہ پہنچ گئے وہ لوگ مغربی گوٹھ میں' جہاں ان کی
ہوئی مٹھ بھیڑ پہرہ داروں سے تھے جو مصروفِ گشت قوس بہ قوس'
جھٹ انہیں وہ حصار میں لے کر مستعد اور گوش بر آواز
حکیم دیگر کے منتظر ٹھہرے۔
بانگِ جبریل اولیں صف سے---"اے رفیقو سڑک سے پھرتیلی
کان پڑتی ہے پیڑ چال' شتاب ہو روانہ کوئی ادھر جیسے
لو جھلک آشکار ہوتی ہے نظیفن و عثریل کی اوٹے سے
تیسرا بھی ہے ہم رکاب ان کے'
طنطنہ چال ڈھال سے ڈھلکے' طمطراقی میں گو ہونّق پن'
طرز تیور طریق طور روش کہ جہنم کا سربراہ لگے۔
کہہ رہی ہے چڑھی ہوئی تیوڑی کہ بجز زور آزمائی وہ
دفع ہو گانہ یاں سے---ڈٹ جاؤ' ڈھیٹ کا ڈھب مزاحمانہ ہے۔"
بات منہ ہی میں تھی کہ آپہنچے' مجملاً" کہہ سنائی کل روداد--
کون مفروز لائے تھے پابست' ہاتھ آیا کہاں وہ مستغرق'
سوانگ کیا اور نشست و شست تھی کیا۔ تب مخاطب ڈپٹ کے یوں جبرئیل:
"اہرمن یہ ڈھٹائی لعنت ہے' بے جھجک یہ مداخلت بے جا'

اس علاقہ میں جو ہے ممنوعہ 'اور امرِ مفوّضہ میں مخل.
اہلِ قل کے جنہیں نہیں برداشت کوئی حرکت خلاف ورزانہ'
جو سراسر تراوطیرہ ہے۔
صاحبِ حق و اختیار کریں باز پرسی دخل در معقول'
کیوں فتوران متین بندوں کی نیند میں 'تو کرے خراب یہاں
جو فروکش بہ اذنِ یزداں ہیں۔" اہرمن اس کو چین برابرو:
"یار جبرئیل تو سرِ افلاک ہوشمندی میں خاص تھا ممتاز'
خود مری کور تجھ سے دبتی تھی --- بے تکی آج ہانکتا کیا ہے'
خیر ہے کچھ خلل ہوا تجھ کو 'یا ترا پول کھل گیا آخر؟
کوئی منطق مری مہم میں نہیں --- دوزخِ آتشیں ہے بٹس مہاد
وہ جو تکلیف سے مکلّف ہو' روگ جس کے لئے بجوگ نہ ہو
ایسے مثویٰ میں وہ قیام کرے۔
خوبیٔ بخت سے ملے موقع جس کسی واژگوں مقدر کو
کیوں نہ وہ سب محاصرے توڑے اور چل دے جدھر کو منہ اٹھے؟
سر پہ تیرے گر آسماں ٹوٹے 'کوئی ایسی ہی ناگہانی آئے
تو ففرّوا اسی طرح ہو گا سینگ تیرے جدھر سمائیں گے
ایک مبہم امید کے ناتے کہ افاقہ عذاب میں ہو جائے'
کوفت سے مخلصی کی صورت ہو -- یہی درویش کا تصرف ہے --
طلبِ خیر میں ہوں آوارہ 'میرے دکھ کی دوا کرے کوئی!
خطا ا۔ بخا سخن شناس نہ گوشۂ عافیت کے دلدادہ'
تو کہ مانوسِ برِ کامل ہے' تجربہ ہی نہیں تجھے شر کا

ہے طلبگارِ مردیہ بیشہ، بر مخنّث سلاحِ جنگ چہ سود؟
ترا شغلِ قدیم اللہ ہو، تجھے تابِ مقاومت کیا ہو،
میں کھٹکتا ہوں خار سا جس کو، خوش ہے کر کے جو فی التعیر ہمیں،
ضد اسے ہے اگر رہیں غلطاں ظلمتِ جاوداں میں ہم ـــ اس کو
مری جانب سے کہہ کرے مرصوص اور ابواب کو جہنم کے،
یہ تری پوچھ گچھ کے بارے میں، ماجرا اور جو بیان ہوا،
وہ بجا ہے، جہاں بتایا ہے، میں بلاشک اسی نواح میں تھا
کیوں مگر یہ مراد لو اس سے میرے مدِّ نظر تشدد تھا،
یا بہ دل میں شرارت آمادہ!" تھی یہ ملّاحیاں غرض اس کی
اب نبردہ ملک بڑھا آگے،
تھا اسے کسرِ شان یہ ہر گاہ، پھر بھی خندیدہ پُر شکر پاسخ:
"کیا زیاں کارِ عرش ہے افّوہ
کہ دیا ہاتھ سے وہ افلاطوں کا ملا" جو عیارِ دانش تھا۔
اہرمن کا ہبوط، ثابت ہے، اک حماقت کا شاخسانہ تھا،
سجن سے یہ فرار دزدیدہ، فتنہ سامان یک نہ شد، دو شد،
مبتلا حیص بیص میں اب تو بے خرد یا خرد منش سمجھے،
نرغہ انداز محتسب تجھ سے جو جوازِ عدول پرساں ہیں۔
یہ ڈھٹائی ہے یا نڈرپن جو متجاوز بلا اجازت ہے
تو مقرر شدہ حوالی میں؟
ترے نزدیک عین دانائی عالمِ درد سے گریزیدن،

ڈھیٹ ڈیوٹ یہ ابلہی قائم تا بجدّے عذاب نازل ہو
جب عقوبت میں بیش سات گنا' پاگریزی کا تلخ خمیازہ۔
ہو تری عقل پر خدا کی مار' شیخ چلی دھکیل دیں تجھ کو
آتشیں گرز پھر جہنم میں' تب یہ منطق پڑے ترے پلے
خواہ ایذا ہو جان گیر' نہیں وہ مساویٔ خشمِ برانگیخت'
تو اکیلا ہے یہ بتا آخر تیرے ہمراہ توڑ کر دوزخ
کیوں نہیں سب کے سب نکل بھاگے؟
رستگاری کے وہ نہ تھے خواہاں کیا اذیت خفیف ہے ان کی'
یا ہیں کمزور بس ترے اعصاب'
خطرستان سے فراری میں سورما تیرا پہلا نمبر ہے۔
چھوڑ آیا جنہیں دغادے کران سے مذکور یہ اگر آتا
تب زروئے دلیل تو ملعون
یوں نہ پھرتا خراب و سرگشتہ کسمپرسی میں اب تنِ تنہا۔"
ناک بھوں تب چڑھا کے وہ خناس یوں بصوتِ کرخت بنکارا:
"یہ نہیں اے اہانتی عرشی مجھ میں ناقص ہے جو ہرِ برداشت
سخت جانی سے ہے مجھے اغماض'
دشمنِ صعب اڑا تھا-- ہے آگاہ-- سرِ میداں تہوار نہ کون
جب ہوا ہلہ زن ستیز ندہ شہ پہ رعدِ سریع بال کی تو؟
رمح کے سخت وار میں مدغم تند بوچھاڑ تھی دھماکوں کی
تھا نہیں تو کسی سے ترسیدہ۔
خوب معلوم ہے مرادم خم' پھر بھی منہ میں جو اول فول آیا

بے محابا اگل دیا تو نے، وہی نا آزمودہ کاریٔ قبل،
(یارِ من) کیفیت یہ فطری ہے، داؤ کیوں کھیلنے لگا اس پر
جس کٹھن رہگذر کے خطروں سے تو کماحقہٗ نہیں مانوس،
اس لئے میں جریدہ وارد ہوں غیر آباد اسفلستاں میں،
کسی عنوان تو ملے بارے کچھ سراغِ جہان نو، جس کا
گنگ شہرہ نہیں جہنم تک -- کوئی محفوظ البلاد ملاذ۔ (پناہ گاہ)
یا تو آشفتہ حال یہ معشر میں کروں گا زمین میں آباد (ٹولہ)
یا ہمارا وطن خلا ہو گا۔
اس تسلط کی جدوجہد میں خواہ آئے نوبت بھی خوں خرابے کی
متجلّی سپاہ سے تیری عرش پر جو ہے محوِ سہل اشغال
ھُو کی گردان، ذکریا سبحان، وردِ وصفِ جلالتِ کرسی،
پاسدارِ مراتبِ دوری، در حضوری تملّق وطاعت
جنگ کا کیا محاورہ اس کو؟"
یوں بعجلت جری فرشتے نے سخنِ تلخ کا جواب دیا:
گفتن و راست ہیچ ناگفتن، اسے یک بام و دو ہوا کہیئے
ایک بھرّاتو -- گانٹھ کا پورا پاؤں تپتی جگہ پہ کیوں رکھے
اس لئے دکھ نگر سے بھاگ لیا، پھر اسی سانس میں یہ دعویٰ بھی
مخبری کا دماغ تجھ کو ہے، جستجوئے جہانِ نو در پیش،
صاف کھاتا ہے یہ بیاں چغلی،
سربراہِ بزرگ تو کیا تو کوئی کذّاب و مفتری ہو گا۔
اہرمن سوچ تیرے نام کے ساتھ اور یہ مخلصی کا دُم چھلّہ

صاف مخمل میں ٹاٹ کا پیوند--
نام' او کس قدر پلید ہوئی پاک نامِ وفا کی مٹی بھی'
دے گا جامِ مئے وفا کس کو' رندِ طغیان وہاؤ ہو شیوہ'
خوب ساقی ہے خوب بادہ کش' جیسی پر جا ہے ویسا راجا ہے
دیکھ کر ظرف اے قدح خوار و بادہ دیتے ہیں-- خیر سے تیرا
تھا یہی ربط ضبط کا عالم' یہ ہی فرماں پذیریٔ حربی-
پھر تعلق نمک حلالی کا منقطع موٴ تمن سے کر لینا
کبریائی مسلّمہ جس کی-
کائیاں' تو منافقانہ آج حریت کا ہے پھر علم بردار'
یاد کر کوئی اور چرب زبان' کاسہ لیسی و چاپلوسی میں
تجھ سے بڑھ کر نہ تھا سوا' کل تک
جبہ فرسا و منقبت خواں تھا تو شہہِ ارض و آسماں کے حضور
اے ریا کار خالی از علت تھا نہ شاید ڈھکوسلہ تیرا'
تھی یہ سازش اسے کرے معزول اور ٹھسے سے پھر پڑھے خطبہ
نام کا چار دانگ میں اپنا-
لے مگر آج ہوش کے ناخن' سن مری بات کان کھول کے سن'
دفع' چاؤش یاں سے منہ کالا' یہ اٹھائے جدھر سے آیا ہے'
یاد رکھ اس گھڑی کے بعد اگر تو ٹکا ان حدودِ قدسی میں
تجھے اخدود میں زبردستی پابہ زنجیر ٹھونس آؤں گا'
اور یوں سر بہ مہر کر دوں گا دیو بوتل میں بند جیسے ہو-
بھول جائے گا پھر یہ اضحوکہ کہ جہنم کے باب و در بودے

گر مقفل بھی ہوں، نہیں مضبوط -- بلکہ ھل من مزید چیخے گا۔" (جائے پناہ، فرار)
بد کہا بلکہ بد معاش کہا اہرمن ٹس سے مس نہیں لیکن،
کف بلب غیض میں وہ غرایا، تند لہجہ، زبان زہریلی:
"میں کہ ہوں دسترس میں اب تیری تو سلاسل کا رعب جھاڑتا ہے،
اے ثغوری کروبیٔ خود بیں، ہاں ذرا ہوشیار، لے بھرپور
مرا سنگین وار پڑتا ہے -- ہاتھ کی ایک ضربتِ کاری
کہ نہ کھائیگا تو کھڑا پھٹکا۔
یہ ترے شہپرِ قوی بالفعل شہ فلک کا اڑن کھٹولا ہیں،
ہے گرانبار جوع گردن پر، تو بھی مجبور، یہ حواری بھی
کامراں بادشاہ کی بھلی اس سڑک پر دھکیلتے جاؤ
جس پہ تاروں کی فرش بندی ہے۔"
ہرزہ گوئی پہ تابناک قشون بے تحاشا چراغ پا ہو کر،
نو کہائے ہلال کے اندر یوں مڑا جس طرح دمِ شمشیر،
تنگ نرغہ میں لے لیا اس کو تان کر بس بجھے گھنے برچھے --
فصل پک جائے اور اَن دیوی دے بہ اندازِ مرغِ بادنما
رخ پہ ہلکی ہوا کے ہلکورے بونٹ ڈنٹھل کو جو کہ بوجھل ہوں
ریشئے دانہ دار ٹُسّوں سے
فازرہٗ فَستَوٰی علیٰ سُوقِ، فَصل، طَلعٌ، نَصیدُ وحَبٌّ حَصِیدٌ،
جی ہی جی میں ہے فکر مند کسان، حبّ ذوالعَصف کی اسے تشویش
یہ نہ ہو گاہنے کی پٹّی پر پولیاں آس باس سے بھرپور
جب سنوارے تو بھس بھری نکلیں --

اہرمن چو کسی سے کرتا تھا مجتمع استطاعتِ زائل'
یوں--- اٹلا اٹل کہ اٹلس ہو--- گل محمد بسان کرداری 'گرچہ جنبد زمیں' نہ او جنبد'
تنتنائی تنی رفی چوٹی جس طرح کانری جزائر میں۔
عوج و جالوت اوج و قامت میں'
آسماں بوس ٹانٹ پر اس کی دیدنی ہول کی اکڑفوں تھی
وہ جنہیں نیزہ و سپر کہئے تھی نہ کمزور ہی گرفت ان پر'
رونما واقعات وہ ہوتے لرزہ انگیز تہلکہ ایسا
باغ فردوس کیا یہ ممکن ہے' آسمانی منڈیر تک عنصر
جنگ میں منتشر' خراب' تباہ بلکہ یکسر تمام ہو جاتے۔
ہیبت افزا فساد رد کرنے
عرش سے لم یزل نہ لہرا تا گر بہ تعجیل کندنی قسطاس۔
ساتواں برج آج تک دیکھو
جلوہ افگن ہے صورتِ میزان عقرب و سنبلہ کے راسوں میں۔
(اسطری--- استری نیائے کی بن کے کنیا گگن میں جب پہنچی دیکھ کر آدمی کو فتنہ گر)
یہ ترازو وہی ہے' جواب تک ہے معلق بساطِ ارض کے گرد
اور بااحتیاط وزن ہوئیں جس میں تخلیق کردہ کل اشیاء'
متوازن فضا میں اک پاسنگ آنکتا جانچتا ہوا محتاط
معرکے' حادثات' اقلیمیں۔ دونوں جانب دھڑا رکھا اس نے
دستکش ہو تو کیا نتیجہ ہے' سر پھٹول کا نا حصل کیا ہے؟
دوسرا پلڑا اٹھ گیا اوپر' ایک دم بن گئی الف ڈنڈی!
بھانپ کر یہ تماشا اب جبرئیل یوں سخن سنج: "ہے لعین ابلیس

خوب تجھ پر عیاں مری قوت زور مجھ سے نہیں ترا مخفی،
ہیں تہمتن کہ رستم و بہمن، جو بھی ہم ہیں، کسی کا صدقہ ہے،
کوئی جوہر سہی پہ وہبی ہے، کس لئے پھر بگھاریئے شیخی،
اے مشیخت مآب بازو ہیں سو ودیعت، مجال سو --- دادہ،
بیشتر کسب کا کسے یارا، میں بھی مجبور تو بھی بیچارہ۔
تجھ سے دوچند ہے مری طاقت، ثانیہ بھر میں تو ہو ملیامیٹ،
گرچہ شاطر بود خروس بہ جنگ چہ زند پیشِ بازِ روئیں چنگ۔
بڑ نہیں ہانکتا نمایاں ہے پڑھ سماوی نوشتۂ الواح،
دیکھ اعمال کا ذرا پلڑا، کتنا ہلکا ہے، کس قدر بودا،
آجو پتہ ہے میں کروں پانی۔"
اہرمن نے ادھر ادھر دیکھا، پلّہ اپنا سبک نظر آیا،
جھولتا ڈولتا ہوا اوپر ---
بھاگ نکلا وہاں سے وہ بگٹٹ، بڑبڑاتا، بسورتا، بکتا، ---
ساتھ ہی رات کے گھنے سائے چھٹ گئے
اور نور پھیل گیا::

☆

فرہنگ

۱۳۵ (۱۸) - جھبرے' جانوروں کے بال اٹے کان' یہاں مراد الجھے ہوئے گھنے

۱۳۵ (۱۸) - جھورا- مڑا تڑا' گھانس پھونس

۱۳۸ (۹) - حواصل' جینو' ایک ماہی خور جانور

۱۳۹ (۱۰) - اباسین' پشتو باپ + دریا' بڑا دریا' دریائے سندھ کو کہتے ہیں

۱۳۹ (۲۱) - پراکوہ' پہاڑ کی ڈھلوانی طرف' جس سے پانی تیزی کے ساتھ بہہ نکلے

۱۴۲ (۵) - پرہ بار- ہوادار ٹھکانہ' سمرہاؤس

۱۴۵ (۶) - گریوہ' دریا کے کنارے پر ابھرا ہوا قطعہ اراضی

۱۶۶ (۲) - نوشینہ' عمدہ شراب' ایک نغمہ کا نام بھی ہے یہاں مراد سرمستی

۱۶۶ (۱۳/۱۴) یہ مصرعے تجرد یعنی رہبانیت کی مذمت میں ہیں- آگے کا سارا بیان مناکحت کی موافقت اور ضرورت میں ہے- دیکھیں ملٹن "منصوبہ بندی" یعنی بندش تولید کا قائل نہیں!

○

دفتر پنجم

تلخیص

سپیدیٔ صبح نمودار ہوئی حوا نے اپنا پریشاں خواب آدم کو سنایا۔ وہ کبیدہ خاطر ہو گئے، تاہم حوا کی ڈھارس بندھائی۔ پھر دونوں معمول کے کام دھندے پر نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن پہلے آستاں پر مناجاتِ سحر گاہی۔

بطور اتمامِ حجت خداوند تعالیٰ کروبی رفاعل کو جانبِ آدم ارسال فرماتا ہے کہ عبودیت کی تلقین کرے، بتائے کہ انسان بکارِ خویش مختار ہے، جانی دشمن کی نشان دہی بھی کردے جو ہمہ وقت اسکی تاک میں ہے۔ وہ کون ہے، وجہ مخاصمت اسکی کیا ہے، یہ کھول کر بیان کرے۔ مزید دیگر چند پند سود مند دے۔

رفاعل ریاض فردوس میں فرود وارد، اس کا سراپا۔۔۔ آدم دہلیز سے اسے آتا دیکھ کر خیر مقدم کو بڑھے اور گھر لے آئے۔ حوا نے سرے مزے کے مختلف میوے اور مشروب تواضع کو آگے چن دیئے۔ دستر خوان پر ادھر ادھر کی باتیں، پھر آمد بر سر مطلب۔۔۔

کروبی نے آدم کو حقیقت حال سے آگاہ کیا، عدوئے نابکار کا کچا چٹھا کھول کر بتایا، کون ہے کیوں معتوب و مردود ہوا، کیوں کر برافروختگی کے عالم میں اس نے خلافِ عرش بغاوت پر کمر باندھی، حواریوں کو شورش پر اکسایا اور پھر اس لاؤ لشکر سمیت شمال میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔

دوسرے تو اس کی باتوں میں آئے لیکن ایک سراف عبدیل اس کے جھانسے میں نہیں آیا بلکہ اس نے گمراہوں اور سرکشوں کو ناپاک عزائم سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن کسی کے کان پر جوں نہ رینگی اور وہ ڈھٹائی پر ڈٹے رہے۔

بددل ہو کر عالمِ بیزاری میں عبدیل ان کا ساتھ چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہو گیا+

اب گجردم، سحر حنابستہ پاؤں اقلیمِ شرق پر دھرتی
ہے خراماں، زمین میں بوتی پوربی آن بان کے موتی۔
حسب معمول جاگ اٹھے آدم،
چین کی نیند آئی تھی جیسے نرم پُروا کا جاں فزا جھونکا،
فیض ہضمِ درست کا، فیضان ان مفرح سبک بھپاروں کا
دیوی اوشا کی پنکھیا نے واں نرم پتوں، تتہری سوتوں سے (مجازاً "نیم گرم")
جو بکھیرے تھے مالکونس سمان۔
پنچمی کیرتن، بھجن گنجار پنچھیوں کا ہر ایک ٹہنی پر۔
یہ سہانا سماں، اچنبھا ہے، بے سدھ اب تک درازیوں حوا
بال بکھرے ہیں، تمتمائے گال، رات کانٹوں کی سیج پر کاٹی۔
آدم اٹھے ذرا بدل کروٹ۔۔۔ چاہت آنکھوں میں والہانہ تھی۔
چاؤ سے جھک کے راحت جاں پر اس جمالِ تمام کو دیکھا
کہ ہو بیدار یا وہ خوابیدہ، کافرانہ ادائیں برسائے۔
پھول بوٹوں پہ جس طرح پچھوا دھیرے دھیرے سہج سبھاؤ چلے
ریشمیں ہاتھ کو ذرا چھو کر دھیمے لہجے میں کی یہ سرگوشی:
"دلہن اے پاک روپ ونتی جاگ.... ہے مری یافتِ نہایت تو
دائما" لطف نو بہ نو مجھ کو، جاگ بھی صبح مسکراتی ہے،
کشتِ تازہ ہمیں بلاتی ہے، مفت کیسی بہار جاتی ہے۔
دیکھ جوبن کھلا ہے پودوں پر۔۔۔ بوئے، سینچے، لگائے جو ہم نے،
کنج میں کیا مہک ترنج کی ہے،
کیا چکیدہ ہیں روغنی نرسل، خیزراں بھی چکاں چکاں کیسی۔

کس مہارت سے رنگ بھرتی ہے اپنے قرب و جوار میں فطرت
کس قدر نحل منہمک مصروف چوس لے تازگی کی رس دھارا۔
(اٹھ مری جاں! ثبوت حق کے لئے اہل بینش کو صبح کافی ہے)"+
اس بھنک سے وہ جاگ اٹھیں، ڈالی حیرتی سی نگاہ آدم پر
اور ان سے چمٹ کے یوں بولیں ---- "اے میسر ہے دولتِ تسکیں
صرف تجھ سے میرے خیالوں کو، تو مری شان، تو مری تکمیل۔
تیری صورت مجھے دکھائی ہے، شکر ہے صبح لوٹ آئی ہے۔
نوج یہ رات، گھور رات ایسی مجھ پہ بھاری کبھی نہیں گزری،
خواب تھا واقعی اگر --- لیکن وہ نہیں جس کی میں رہی خوگر
گاہ تو، گاہ کارِ دیروزہ، گاہ تدبیر کوئی فردا کی۔
اوئی اللہ جو رات کو دیکھا لغزش و اضطراب کا عالم
یہ گماں تک نہ مرے ذہن کو تھا ایسی جانکاہ رات سے پہلے۔
دھیان گزرا مجھے کہ چپکے سے کوئی کہتا ہے کر چہل قدمی،
نرم آواز ہو بہو تجھ سی، میں نے جانا کہ تو بلاتا ہے۔
اُس سہانے سمے، کہا اس نے "خوابِ خرگوش میں ہے دھت حوا،
خوب خنکی ہے، خامشی خاصی --- خامشی جو مغنّیِ شب کی
تان سے گاہ جھنجھناتی ہے،
مدھ بھرا گیت برہ کی ماری جب کوئی عندلیب گاتی ہے،
پورنماشی ہے، چاند رجواڑہ، چاندنی دودھ میں نہاتی ہے
چھانٹتی ہے دھندلکے، چیزوں کے صاف چہرے نکھار جاتی ہے،
گر نہ ہو آنکھ ہی تماشائی، رائیگاں ہے بہارِ رعنائی،

آسماں جاگ اٹھا کئے اس نے روشن اب آنکھ آنکھ کے دیپک
پر تکلف یہ اہتمام ہے کیوں؟
ہے تمنائے حسنِ فطرت کون، مطمحِ چشم کیا، کسے دیکھیں
تیرے وارفتۂ جمال یہاں آئے سارے کشاں کشاں۔۔۔ لیکن
کس کی نظارگی کے دلدادہ؟
تجھ سی آواز تھی، کہی لبیک، تو وہاں تھا مگر کہاں موجود!
میں تلاشِ حبیب میں چل دی، اور چلتی رہی۔۔۔ یہ دھیان آیا
رہگذر طے کئے تنِ تنہا شجر العلم تک رواں جو تھے،
پھر اچانک قریب جا نکلی جس پہ 'لا تقربا' کی قدغن تھی۔
تر و تازہ درخت جوبن پر کھب گیا جی میں روز سے بڑھ کر
دیکھتی رہ گئی، وہ حیرانی!
پاس ہی ایک ہستیٔ پردار بے تکلف وہاں پہ استادہ
عرش پر وضع قطع کے جیسے ہم سے دو چار عام ہوتے ہیں،
جعدِ مشکینِ شبنمیں واللہ بے تکلف کشیدیئے نکتار، (امرت)
وہ ندیدہ مگر سخن پیرا۔۔۔ 'بار دارِ گراں نفیس درخت
تو سبکبار ہو نوازش کر کہ میں شیریں چشاں بنوں تیرا'
ہے فرشتہ کہ آدمی کوئی تو کسی کی بھی دسترس میں نہیں،
علم پر بغض و بخل سے قدغن، یہ حرام احتیاط کے باعث،
اس سے پرہیز لازمی ٹھہرے، اس سے ہو چاشنی چشی ممنوع،
بندشِ بخششِ لذید مگر میرے اوپر محال ہے تادیر۔۔ تو ہے روئیدہ کس لئے آخر؟
اس قدر کہہ کے، بے دریغ اس نے توڑ کر بازوئے دلیر کے ساتھ

ثمر صاف رکھ لیا منہ میں، میں تو دہشت سے سن ہوئی۔۔۔ توبہ
منچلی بات، منچلی کر توت۔
وہ ہوا باغ باغ پھر بولا: 'ثمرِ سرمدی ہے تو شیریں، نوش جاں کیجئے تو شیریں تر'
نعمت اس نوع کی مباح نہ ہو دیوتاؤں کا منفرد کھاجا
اپنی خاصیتِ طبیعی سے یہ تو انساں کو دیوتا کر دے'
کیوں نہ انسان دیوتا بن جائے؟
ہو بکثرت جو خیر کا چرچا وہ بکثرت ضرور پنپے گی'
عاملِ خیر را خسارہ نیست'
وہ تو ہوتا ہے سربلند مزید' حاجتِ ہیچ استخارہ نیست۔۔
لے کروبی صفت حسیں حوا' شادجی بندیٔ خدا کر لے۔
شادماں' بلکہ شادماں تر ہو تو بجا اور مقتدر ہو گی'
ہاں یہ کر نوشِ جاں کہ بن جائے دیوتاؤں کے دیس کی دیوی'
نہ مقیّد بہ حولِ ارض رہے۔
گاہ ارفع خلاؤں میں جھولے' محوِ پرواز جس طرح ہم ہیں
گاہ بوتہ یہ عرش کو چھولے' آپ کر لے ملاحظہ کہ وہاں
دیوتا شاد کام رہتے ہیں' رہ اسی طمطراق سے تو بھی۔
پاس کولا کے ہونٹ پر دھر دی قاش اس پھل کی جو اتارا تھا'
بو مزیدار اشتہا انگیز۔
دھیان آتا ہے کچھ تواضع کی آپ کام و دہن کی میں نے بھی۔
پھر تو یک لخت ہمرکاب اس کے میں پریدہ ہوئی سحابوں میں
نظر آئی زمین گسترده۔۔۔۔ دور نیچے کشادہ' ژرف' وسیع

منظرِ بے کنار و بو قلموں۔۔۔ میرا عالم کہ ششدر و حیراں
ایسی اونچی اڑان پر میں تو' یہ فرازی' یہ اوج۔۔۔ اوہ یہ میں!
یک بیک راہبر ہوا روپوش'
دھیان پڑتا ہے. جھٹ فرود آئی' لیٹ کر سو گئی بڑی بے سدھ۔
اے اٹھی ہوں تو یہ تسلی ہے' جو بھی دیکھا وہ خواب تھا خالی۔"
رات کی سرگذشت حوا سے یہ سنی تو ہوئی پریشانی
اور آدم نے یوں جواب دیا:۔
"اے مری ذات کی مکمل عکس' نصف بہتر پہ بہترین عزیز
ہوں مشوش تری طرح میں بھی' نیند میں ابتری خیالوں کی
تیرا رویائے بد نمائے شب بسکہ ہے ناگوار میرے لئے،
ہے مجھے وسوسہ کہ یہ شر کے بطن کا کوئی خر نجیون ہے۔ (بھیانک خواب Nightmare)
شر مگر یہ کہاں سے آیا ہے؟ تو تو معصوم آفریدہ ہے
ترے اندر پنپ نہیں سکتا۔
ذات میں آدمی کے ہیں موجود متعدد محرکات ادنیٰ
عقل سردار' یہ غلام اس کے' ایک شکتی انہی میں ظن بھی ہے'
عقل کے بعد منصب اس کا ہے۔
خارجی یہ مظاہرات تمام' جو رہینِ حواسِ خمسہ ہیں'
بے سروپا یہ روپ انہیں دے کر' یا قیاسات کی مثال ان کو
پیش کرتی ہے۔۔۔ عقل پھر ان کے حصے. بخروں کو جوڑ توڑ کے ساتھ
شکل دیتی ہے وہ روا مانے' یا اسے کوئی ناروا جانے'
ہم اسے درک یا خیال کہیں

ہو طبعیت میں جب سکوں، اپنے حجرۂ خلوتی کو یہ چل دے،
اکثر اس وقت سوئے ظن، نقال رونما ہو کہ جس کی کرتوتیں
واہمے، خلط ملط بے ہنگم، وہ نمونے عجیب و بے ترتیب
منعکس بالخصوص خوابوں میں، مغلق الفاظ گفتگو بے ربط،
واقعے مدتوں کے رفت گذشت!

یاد کر اس ترے قرنجک میں چند باتیں مشابہہ اس سے ہیں (ف)
تھا جو موضوعِ گفتگو کل شام، ساتھ گو بوالعجب اضافے کے۔
ہو نہ دل گیر جانِ من ۔۔۔ تاہم، ذہن ہو دیو تا کہ انساں کا
کیفیت شر کی آنی جانی ہے، یہ کہ ہے سخت ناپسندیدہ
کوئی اس کا نشاں نہیں رہتا ۔۔۔ داغ، دھبہ، نہ تہمت و الزام۔
پس یہ امید استوار ہوئی، نیند میں، خواب تک میں تو بیزار
جس عمل سے ہوئی بھلا بیدار کیوں گوارا اسے لگی کرنے۔
اضطراب و فسردگی کیسی، کیوں نگاہوں میں گھور پرچھائیں،
یہ نگاہیں تری کہ افزوں تر خوگرِ یمن و شادمانی ہیں
اس حسیں صبح سے جو تازہ دم ہو جہاں پر طلوع خندیدہ۔
اٹھ بنے مشغلوں کی سمت چلیں، کنج زاروں میں، جو بہاروں کو
ان گلوں کے قریب جو شب بھر جمع کرتے رہے ہیں خوشبوئیں
خاص تیرے لئے ذخیروں میں ۔۔۔ وہ شگفتہ معطریں سینے +"

اپنی زہرہ جبین زوجہ کی یوں جو دلجوئی کی تو وہ ہنسی دی،
اس کی ہر آنکھ سے مگر ٹپکا ایک خاموش شرمگیں آنسو
جو حسینہ نے لٹ سے پونچھ دیئے۔

بوندیں انمول لور دو اڈیں ایک اک روزنِ بلوری سے'
پر ڈھلکنے نہ پائیں تھیں کہ انہیں آدمِ مضطرب نے چوم لیا۔
عمدہ خجلت' عفیف تمکیں کی تھیں وہ عالی علامتیں گویا'
سرگرانی کا جو سبب بنتیں۔
مسئلہ طے ہوا یہ مستحسن' جانبِ کشت اب وہ تیز ترک'
پیش ازاں وہ گھنیرے منڈپ کی چھت تلے سے مگر بروں نکلے۔۔۔
سورج ایسا ابھی طلوع نہ تھا' دن نکھرا ابھی نہ کوندا تھا'
گھومتے تھے انوپ ساگر کی پتلی ریکھا پہ چندنی مہیے'
متوازی زمین کے وہ تھا شبنم آگیں شعاع افشاں داں۔
منکشف تھی فراخ منظر گاہ شرقِ فردوس و مرغزارِ عدن'
بندگی کو جھکے پرستندہ' لب سے تسبیح' قلب سے تہلیل'
اس طرح منقبت میں۔۔۔ "بسم اللہ
مبدع الخیر تیری قدرت کا کارخانہ بڑا ہے۔۔ اِیاکَ
نعبدُ (بندگانہ) اِیاکَ نستعینَ' الرّحیم الرّحمٰن!
یہ تری کائنات کا نقشہ حیرت انگیز و خوش نما اتنا'
کس قدر بے مثیل تو ہو گا۔۔۔ نطق ہے گنگ' ماورا تو ہے
متمکن ان آسمانوں سے پردۂ غیب میں نہاں ہم سے'
تو نمایاں ہے سرسری ان میں ہیں جو صنّاعیاں حقیر تری
لیکن اپنی زبان حال سے یہ قدرتِ قدس کی ثناگر ہیں۔
یوں ترے فن کی داد دیتی ہیں' حیطۂ فکر میں نہ جو آئے'
کیفیت تم صحیح بتلاؤ' الملائک بتاؤ گے تم ہی'

تم تو ابنائے نور ہو' اس کی ذاتِ اقدس کے برملا شاہد'
روزِ بے شب میں تم طواف کناں کرسیٔ حق کے چار سو خوش خوش
سیدھ تالوں میں گت بجاتے ہو' سادھ مکھڑوں کے گیت گاتے ہو'
تم سماوات وارض پر دائم ہو بہ ہم پیشگیٔ کل مخلوق
حمد خواں' منقبت سرا اس کے اول و آخر اوسط و ابدا"۔۔۔۔
اخترِ تابناک (اے زہرہ) تری مسند ہے شب کا دنبالہ'
تو رفیقِ سحر نہیں تسلیم' ہاں سفیرِ فلک تو ہے لاریب
شوخ نور آفرین ہالے سے تاج آرائے صبح خنداں تو'
پو پھٹے اس مدار میں اس کا نجمِ ثاقب قصیدہ گو ہو جا!
چشمِ بینائے کائناتِ کبیر' مہر تاباں دمِ رواں تو ہے'
راہ پیمائے جاوداں' آہنگ یہ ترا کبریا کی ہو تمجید
خواہ افراختہ بہ سمت الرّاس' خواہ تیرا زوال کا ہنگام۔
ماہتاب آفتاب مشرق سے تو ملاقی ہے' اور معیت میں
ان ثوابت کے رم کناں بھی ہے' کرۂ پیوستہ' جو رمیدہ ہے۔
دیگر آوارہ اگنیو پانچوں (مشتری' زہرہ و زحل' مرّیخ
اور عطارد) کہ تم بھی گرداں ہو رقصِ مرموز میں نہ بے نغمہ
بازگشتِ ثنا بنو اس کی جس نے ظلمت سے ضو ہویدا کی۔
تم بروں عنصر و پلوٹھی کے رحمِ فطرت سے' اربعانہ یوں
جاوداں دائرے میں جولاں ہو کہ کثیر الصوَر تمام اشیا
تم سے آمیختہ و پروردہ' متواتر تغیراتِ اپنے
اس نہج پر کرو کہ ہو تازہ اک مناجاتِ کردگارِ عظیم۔

بھاپلی جھیل یا پہاڑی سے کہر، تبخیر ہو جو خیزندہ
سرمئی یا بھبھوت تاحالاں گرم سورج تمہارے اون ایسے
ان ملائم سفید لہنگوں پر گہرا سونے کا پھیر دے پانی،
اس جہاں کے بزرگ بانی کے اب تم اعزاز میں قیام کرو،
یا سجاؤ گھٹاؤں سے مل کر بے چھب آکاش یا کرو سیراب
پیاسی دھرتی برس کے بوچھاریں، خواہ خیزاں ہو، خواہ افتاں ہو
تم ستائش گرِ مزید بنو۔
تم کہ چاروں جہت سے چلتی ہو، اسکی مدحت میں اے ہواؤ بھرو ہلکے ہونکے ترنت طرارے،
پودے پودے کے ساتھ لہراؤ اس طرح ٹہنیوں پھننگوں کو
جیسے اسکی کرو پرستاری ---- زمزمہ سنج ہو رواں جھرنو
سرسراہٹ کے ہوں سریلے سر مترنم نشیدِ یا سبحان۔
جاندارو کہو بیک آواز، اسکی آواز پر کہو لبیک،
طائرو تم رسا صفیر زناں آسماں کے بلند پھاٹک تک
گنگناؤ اسی کے گن، گونجے پرِ پرواز میں اسی کا الاپ۔
تم کہ بہتے ہو جل میں چپکے سے، یا بروئے زمیں خرامیدہ
تن کے چلنا کہ رینگنا جھک کر، شام ہو، یا پگاہ مہر بہ لب
میں جو ہو جاؤں، تو گواہ رہو ---- کوہ و دریا و وادی و بیشہ ----
میں نے اک حق طراز نغمے سے ان کے منہ میں زبان رکھ دی ہے۔
منقبت کی یہ ان کے ذہن نشین ---- مالکِ کائنات اللہ ھُو
لطفِ زاد، مستقل ہم پر خیر و برکت نزول فرمائے۔
رات اندوختہ کرے شرکا، یا اسے بطن میں رکھے مکتوم

(شرِّ غاسقٍ اِذا وقب ' اَعوذ) ذاتِ پاک اس کو منتشر کردے
جس طرح کر رہی ہے یاں زائل اب اندھیرے کو روشنی ---- آمین ::"
صدق مندانہ یوں دعا مانگی '
عود کر آئی تب خیالوں میں ان کے محکم طمانیت یکدم '
داخلِ خوبحال یکسوئی۔
دلکش اوسوں ' حسین پھولوں میں چل دیئے کام کاج نمٹانے
صبح کی وہ گری گھنی گنجان صفِ اشجارِ میوہ آور ہیں۔ (دیہاتی)
لاڈلی ٹہنیاں تھی پھیلائے ' منع ہاتھوں سے کیجئے جن کو نہ بغلگیر ہوں بلا مطلب '
وہ کہ جو تاکِ رز کو پہنچائیں بیاہ دردار سے رچانے کو ' (ف)
پھیرے دولہا کے آپ لے دولہن اور اس کے گلے میں سکھ مالا
بن کے لپٹیں سو بمبری باہیں ' ساتھ لائے جہیز میں خوشے
اس کے لے پالک ' ایک دھج نکلے جن سے اوسر کے خشک پتوں کی۔ (بنجر)
آسماں کے عظیم والی نے دردمندی کے ساتھ دونوں کو
کام میں دُھت جتے ہوئے دیکھا۔
دوستدارِ متیں رفاعل کو فورا" اپنے حضور یاد کیا ---
یہ کروبی خوشی سے توبث کا معناں تھا کہ عقد میں اس کے
ست نکاحی وہ مغویہ آئے (جو رہی اسموڈوئی کی لونڈی) ----
پھر یہ ارشاد: "اے رفاعل تو سن رہا ہے شدید ہنگامہ
اہرمن نے کیا ہے جو برپا ---
گھور کھاڑی کی راہ دوزخ سے وہ ہٹیلا ہٹی فرار ہوا '
اس نے فردوس میں مچایا غدر ' اور کیسا کیا ہے بے آرام

رات اس مردوزن کے جوڑے کو۔۔۔ کس طرح بدنیت کی ہے تدبیر
ان کے ناتے وہ ایک دم ساری نسلِ انساں کو پائمال کرے۔
جا کہ ہے، نصف دن ابھی باقی، ہم سخن۔۔۔ دوست دوست سے جیسے
تو بھی آدم سے ہو۔۔۔ جہاں مل جائے۔۔۔ دھوپ سے دوپہر کی وہ بچ کر
دن کی محنت کے بعد سستاتا، کنج یا چھاؤں میں کہیں، آرام یا بچارہ طعام میں مشغول۔
گفتگو اس نہج پہ کر، اپنی پرسکوں کیفیت سے ہو واقف
ہے اسے جس سکون پر قدرت
منحصر جو ارادے پر اس کے، جو ہے مبنی اسی کی منشا پر۔۔
دخل ارادے میں اختیار کا ہے، پر ہے بایں ہمہ تلون کیش۔
متزلزل نہ ہو یہ کر تنبیہ، خود کو مامون بھی نہ گردانے،
کر خبردار نیز خطرے سے، کون بدخواہ ہے عدو اس کا،"
حال ہی میں وہ عرش کا راندہ، محوِ سازش ہے دوسرے بھی ہوں
راندہ اس عالمِ نخستہ سے۔۔
بہ تشدد یہ کاروائی کب کہ موثر مزاحمت ہوگی،
بلکہ مکر و دروغ بافی سے کام وہ دشمنِ ازل لے گا۔
خوب آگاہ کر، مبادا ہو متجاوز وہ حد سے دانستہ،
بیچ میں عذرِ لنگ لے آئے، لامحالہ یہ ارتکاب ہوا
کہ اسے حفظِ ماتقدم میں ہوئی تھی ہی نہیں نبا موصول+،"
مبدعِ لم یزل کا یہ فرمان،
حق تو ہے حق ادا ہو احق کا، تام اتمام حجتِ انصاف۔
فرض تفویض، سودی پر دار بہرِ تعمیل جھٹ ہو ارخصت،

بلکہ مینو منش، ہزار انوار، ایستادہ تھا در میاں جن کے زر مرصع پروں کی اوٹ کئے
ان سے فوق اک زقندِ نور بھری، اور وہ عرش میں ہوا طیراں۔
ملکوتی پرے چھٹے ہر ہاتھ۔
زیرِ رفتار بچھ گئی ہموار سب سماوی سڑک جہاں تک تھی۔
اور یہ بابِ فلک پہ جا پہنچا۔
درِ خود کار کھل گیا چوپٹ گھوم کر جھٹ طلائی قبضوں پر
جو ہنرمندیٔ الوہی سے میر معمارِ کل نے ڈھالا تھا۔
ماورا کوئی ابر پارہ تک پھر مزاحم نظر نہیں آیا،
حائل انجم، ہزار خورد سہی، صاف روشن دکھائی دیتے تھے۔
ناموافق نہیں تھے جو دیگر کرہ ہائے ضیا منور تھے۔۔۔
عرصۂ ارض و روضۂ رضواں،
یا مزین جہاں پہ تھے کہسار سب کلاہوں سے دیوداروں کے۔
کم یقینی سے چاند پر جب تھی خوردبینِ گلیلیو شب میں محوِ رصاد بربنائے قیاس
منطقوں اور ریگ زاروں کی۔
یا نکل کر جہاز راں کوئی سکل ڈز مجمع الجزائر سے۔۔
ہو وہ ڈیلوز کارواں ٹاپو (تھا جنم بھوم جو اپالوکا)
کہ ہو سیموف کا جزیرہ (وہ فیشا غورث کی جائے پیدائش)
جھٹ مقام الغمام کو بھانپے۔۔۔۔۔
اس طرف وہ خلائے زیریں میں، تیز رفتار مائلِ پرواز،
بیچ میں سے فراخ اثیر اثر آسماں کے ہے، بین طیرانی
ان جہانوں سے ان جہانوں تک، بل پر اپنے پرِ توانا کے

اب وہ قطبی ہواؤں سے بالا'
اور پھر تیلے پنکھ سے پیہم گدگدی باؤ کو پچھوڑتا ہے'
رفعتوں میں پرآوری ایسی کہ عقابوں کو درکمند کرے'
نزدِ مرغاں مثیل قفنس' سب نگراں طائرِ خصوصی کے
تھیرِ مصروی کو جو پراں کہ ضیادار دیرِ شمس میں جاہاڈر کھے تبرکاً" محفوظ۔
ایک دم شرق میں پرندک پر باغِ فردوس میں فردو آیا۔ (ف
جُون اپنائی اصل' روپ وہی صاحبِ بال وپر فرشتے کا۔
پنکھ چھ جن سے دیو مالائی چھب خدوخال کی نکلتی تھی۔
ایک جوڑا عبائے ہر شانہ تابہ سینہ بہ شانِ شاہانہ'
درمیاں پر مگر میاں بستہ جیسے تارا جڑاؤ پر تالہ
بلکہ یہ پیرہن سا پیرامون لے کے پٹھوں سے اس کی رانوں تک
حل شدہ آسمان کے الوان اور برادہ نمط طلا جن پر۔
تیسرا پاپہ پاشنا تک تھا' ایک چلتہ کہ پُر نگار شتہ
بند کی بند کی پہ چھاپ آکاش۔
(دیو تاؤں کے ایلچی ہرمس) پسرِ موی کی طرح چوبند
طرۂ او نسیم بگشاید'
کرد یا نگہتِ ارم نے سب وسعتِ مستدیر کو گل بیز۔
کل نواطیرِ آسمانی نے بے تکلف اسے شناخت کیا' (محافظ)
مقتدر منصب وپیام اس کا' سب کھڑے ہوگئے وہ تعظیماً"
تھا بخوبی ہر اک کو اندازہ وہ اہم فرض پر روانہ ہے۔
پاس سے ان جھمکتے خیموں کے وادیٔ سعد میں ہوا داخل'

راہ میں خیز ران زار کئی، نکہتیں صد دمِ شگفتنِ گل،
بال چھڑ، تیج پات اور بلسان، رس مٹھاسوں کا اک خیاباں تھا۔
راس لیلا رچائی فطرت نے۔
گدراجوبن، کنوارپن کچا، نار چنچل تھی، خوب کھل کھیلی
ریت رت سے چتریہ بے پروا، سوریلے گلال اچھال دیئے،
انت کی شانتی مہا آنند۔
اپنے سرد و بودہ مسکن کے آستاں پر نشستہ آدم کی نظر اس پر پڑی بہ حیرانی،
کنج گاہِ مسالہ زار سے جب وہ فرشتہ بروں ہوا یک لخت۔۔۔۔
اور کرنیں تپاں تپاں اپنی خوب سورج نے ارتفاع سے بھی
تیز پھینکی عمودا" اب نیچے تاکہ دھرتی کی کھوکھ گرمائیں۔
تپش آدم کی احتیاج سے بیش۔۔
اور حوا درونِ خانہ ہیں، وقتِ خوردن ہے، ماحضر تیار
ذائقہ دار، خوش مزہ میوے،
دہن و کام کو بھی جو مرغوب، بھوک بھی دیکھ کر چمک اٹھے۔
ہو نہ بے لطف پیاس کی لذت، عسل آگیں مقطر آب چشاں
دودھ ہے جوئے شیر کا شیریں، عرق انگور اور گوندی کا:::
فورا" آدم نے دی انہیں آواز۔۔۔ "تو لپک کر یہاں تو آ، حوا
ان درختوں میں سوئے مشرق دیکھ منظر اپنی نگاہ کے شایاں،
متحرک، خراماں اس جانب صورتِ دلپذیر ہے کیسی؟
سحرِ زرنگار اک، مانو دوپہر پر نئی طلوع ہوئی۔
شاید آتا ہے عرش سے لے کر وہ ہمارے لئے اہم فرمان

اور بخشے گایاں شرف ہم کو میزبانی کا آج ۔۔۔ جلدی کر
گھر میں اشیائے اکل و شرب ہیں جو وافرانہ وہ خوان پر چن دے'
عرش کے اجنبی کی خاطر خواہ عزت افزائی و پذیرائی'
ہے یہ توفیق تو کریں ہم پیش اپنے اہلِ دہش کی خدمت میں
بخششوں سے انہی کی نذرانہ ۔۔۔ بہ فراغ آمد و عطا بہ فراغ۔
فطرت ایسی سدا ہے بار آور جیسے بھاگوں بھری کی گود ہری
پھل جو اترے پھلے یہ سرسائی۔
درس آموز ہے فراوانی کیوں ہو کل کے لئے پریشانی::"
بایں الفاظ تب انہیں حوا:۔
"خاک کی پاک مورتی آدم' جس میں پھونکی ہے روح یزداں نے'
بس ہے اندوختہ قلیل ہمیں (حرصِ بے جا ذخیرہ اندوزی)
دیکھ یہ سارے موسموں میں ہے گذر اوقات کے لئے افراط
پختہ' ڈنٹھل کے ساتھ آویزاں'
پس کفایت سے کیجے پس انداز پخت و پز سے یہ جب مقوی ہو'
فالتو نذر ہے پھپھوندی کی۔
خیر پھر بھی شتاب اتاروں گی میں ہر اک ڈال اور جھاڑی سے'
پودے پودے سے' بلکہ پیٹھے کی رس بھری بیل سے بھی وہ چیدہ'
کہ تناول کرے تو وہ قدسی میہماں اپنی انگلیاں چاٹے'
اور تواضع کے بعد کہہ اٹھے
مسرفانہ نعم کی برکت سے خوب یزدان نے نوازا ہے
مثلِ خلدِ بریں زمین کو بھی۔"

یہ کہا پھر جھپاک سے پلٹیں وہ نظر ڈال کر چھلتی سی غرق مہماں نواز سوچوں میں۔
کیا چناؤ چنے وہ من بھاتا اور سگھڑپنے سے برتائے'
ٹک نہ پھوہڑ کہ ہوں مزے گڈمڈ' بے سواد اور ذائقہ بدلے' (ذرا بھی)
ہلکہ کھانوں کا اک سلیقہ سے ہو یکے بعد دیگرے وہ دور'
چاشنی پر ہو چاشنی' بڑھ جائے ایک سے دوسرے کا چٹخارہ۔
کاجو بھو جو وہ جمع کرتی ہیں نرم و نازک ہر ایک ڈنٹھل سے'
ارض زائندۂ ہمہ انواع جو بھی کرتی ہے جابہ جا پیدا۔۔۔
ہند کے پورب اور پچھم میں' یا کنارے پہ وسط اسود کے'
اور قرطاجنہ کے ساحل پر' (پوتنس یا پیونک) اور جہاں
آلسی نس کی حکمرانی تھی۔۔۔ نو بہ نو' نوع نوع کے میوے
کھردری جلد' یا ملائم پوست' سخت خول اور پھونس چھلکے کے
یوں سمیٹے کہ باج ہو بھاری۔۔۔
بے تکلف یہ پُر تکلف سب مائدے پر چنے قرینے سے'
اور نوشیدنی کئے حاضر تازہ انگور کا فشردہ زلال'
بے نشہ مے' نبیذ' مشروبات انت کی بھانت بھانت پھلیوں کے۔
کوفتہ بیختہ وہ گریوں کی خستہ رس دار ربڑیاں شیریں۔
نہ ظروفِ نفیس تھے کمیاب کہ طریقے سے سینتیے جن میں
اور برتائیے سلیقے سے۔
فرش پر پنکھڑیوں کا چھڑکاؤ' کیوڑے اور گلاب کے چھینٹے'
ایسے بوٹے سے وہ اتارے ہوئے لی گئی تھیں نہ دھونیاں جس کی۔
اسی اثنا میں اب بڑھا اپنا وہ پراچین یگ مہاپُرکھا

بے حوالی موالی اس مہماں دیو تا روپ کے سواگت کو'
صرف طرّہ صفاتِ حسنی کا' آپ فی نفسہٖ تمام تزک۔۔وہ خرافات مفتحز مفقود
خفقاں خیز طمطراقانہ خسرواں کے جلوسِ شاہی کا
بے ٹھکانہ خدم حشم' چاؤش ٹھٹ کے ٹھٹ' ٹھاٹ باٹ گھوڑوں پر
بے کرانہ روانہ میر آخور' یار بیگی۔۔۔چمک دمک سج دھج'
روپا کندن کی لیپا پوتی وہ
چکاچوند اژدحام کی آنکھیں' ہکابکا کہ منہ کھلے کے کھلے!۔۔۔
پہنچے آدم قریب تراس کے گونہ مرعوب تھے' مگر ملحوظ
حفظ و قدرِ مراتب۔۔۔اور انہیں انکساری میں کوئی عار نہ تھی'
کہ اصولِ نجیب الاصل ہے یہ۔۔۔۔جھک کے تسلیم کی' خطاب یہ پھر:
"دیکھ سائے میں ہے غریب کدہ' چل کے آرام کر وہاں چندے'
بیٹھ اور نوش جاں وہ برچیدہ جس کو گلشن کا انتخاب کہیں۔
کر توقف کہ ہو ذرا مدھم یہ تمازت کڑی دوپہرے کی'
دھوپ ٹھنڈی پڑے' ڈھلے سورج۔"
نرم لہجے میں تب وہ قدس مآب طبقۂ ہفتم اسطرح گویا:۔
"وارد آدم اسی لئے میں ہوں'
آنچناں تو ہی آفریدہ ہے' نہ یہ دنیا ہی ایں چنیں جس میں
تو فروکش کہ نامناسب ہو اس حوالی میں مدعو کرنا
پاک ارواحِ عرش کو گاہے کہ ملاقات وہ کریں تجھ سے۔۔۔۔
چل چلیں تو دکھا مجھے رستہ ہے منطلہ وہ برگ پوش کدھر؟
ساعتِ نیمروز بجتی ہے' سہ پہر تک ذرا فراغت ہے۔"

پس وہ دیہی مکان کو آئے، چھائی تھی وہ بہار، مسکائے
جیسے پھل کی شگفتہ رودیوی پومنہ کا ہرا بھرا منڈوا۔
خوب آراستہ شگوفوں سے، خوب ہی نگہتوں سے عنبر بیز
سرمہ، مسی، حنا، نہ ہار سنگار، روپ حوا کا پر بھبھو کا تھا،
دیو مالائی بن پری سے ادھک، انت سندر وہ (افرادائت سے)
موہنی اپسرا تل ایدا پر جو برہنہ مظاہرہ کر کے
اتھن وہیرا سی روپ ونتیوں سے ـــــ (حسیناؤں)
(جانچ پارس نے کی تو) جیتی تھی حسن و انداز کے مقابلے میں۔
تھیں بپاسِ مسافرِ عرشی اب یہ مہماں نواز چشم براہ
سپر پاکدامنی ان کو تھی نہ درکار، بے نیازِ نقاب،
لحظہ بھر کو نہ کوئی فحش خیال، رنگ آیا گیا نہ گالوں پر،
نیک خاتون کو کروبی نے دیکھتے ہی کہا ـــ "سلام علیک"۔
وہ مقدس تحیہ و تسلیم، مدتوں بعد جس سعادت سے
صنفِ نازک کی دوسری حوا مریمِ پاک سرفراز ہوئیں۔
"السلام اُمِ نسلِ انسانی ـــ بچہ دانی کثیر افزونی
فرطِ اولاد سے کرے گی یوں سب یہ معمورۂ جہاں معمور
جیسے اشجارِ ایزدی کے یہ نوع در نوع ان گنت اثمار"۔
دوب کاہی کی میز اونچی سی، چوکیاں کائی دار چو طرفہ
مائدہ پر خریفِ کامل سے
ہاتھ میں ہاتھ تھام کر رقصاں یاں بہار و خزاں بساط پہ تھیں۔
پہلے کچھ دیر بات چیت رہی، ہو نہ جیسے کسی کو اندیشہ سرد ہو گا پڑا اکھانا۔

پھر ہمارا نژاد گر بولا:۔

"عرش کے اجنبی کرم فرما' لقمے ان نعمتوں سے لے اک دو
مہا اپکار اپنا پالن ہار'
بافراغت اترتا ہے ہم پر ربِ پروردگار سے عمدہ
من و سلوی مثال خوانِ کرم'
ارض کرتا ہے بار وردہ یوں کہ مہیا ہے اکل و شرب تمام۔
طبعِ قدسی کو ناموافق ہو پھیکا سیٹھا یہ ماحضر شاید
میرا ایماں مگر یہ دین اس کی::"

وہ کروبی جواب میں "جو بھی آدمی کو عطا کرے رازق
(آدمی' بے شک ایک جز روحی)
کامل ارواح کو نہیں جائز' ایسی نعمت کا وہ کریں کفران۔
صاف گو جوہرِ شعوری ہے' چاہیئے قوتِ لایموت ہمیں
جس طرح یہ تمہیں بھی ہے درکار' فطرتاً" گرچہ تم ہو معقولی'
مشترک ایک سی ہے دونوں میں حس کی ادنیٰ صلاحیت' جس سے
دیکھنا' سننا' سونگھنا' چھونا اور چکھنا' قوامنا چکھ کر' ہضم کرنا' پچانا' کردینا
قالب اجزا کی کیفیت مقلوب۔۔۔ پسِ کیلوس خون رس کیموس (ف)
پس ہو معلوم جو ہوا تخلیق ہے کفاف وغذا کا حاجت مند۔ (ف)
یہ عناصر۔۔۔ کثیف تر عنصر ناشتہ ہے لطیف تر کے لئے
(ان کی نشوونما کا ضامن ہے)۔
خاک سے دھوپ' دھوپ سے پانی اور پانی سے ہے پوَن پروان'
بخشتی ہے ہوا توانائی ان اثیری وقود کو' جن میں (ایندھن)

اولیں چاند ہے' قریب تریں' جس میں چہرے کے گول دھبے داغ
منتشر ابخراتِ بے تنقیح' جزوِ جوہر نہیں بنے اس کے۔
نہ ہی اوپر کُروں کے واسطے چاند قریۂ نم زدہ سے قُوت بر آر۔ (ف)
شمس جو سب کو روشنی بخشے' تقویت کے معاوضہ میں ہے
یافت کل اس کی ابخرے مرطوب۔۔۔۔ بحر کا جرعہ نوشِ ہم کاسہ۔
گو سرِ عرش نخل ہائے حیات میوہ بردارِ قدسیت اعراض'
آبِ کوثر چکان تاک بھی ہے'
اور شاخوں سے اونجتے بھی ہیں ہم شکر ریز شبنمیں ہر صبح'
فرش کو ڈھانپ ڈھانپ جاتی ہے کثرتِ دانہ ہائے دُردانہ'
پھر بھی یزداں نے فیض یاں اپنا نوبہ نو لطف ہائے ارزاں سے یوں کیا عام' ارم کو رشک آئے۔
پس سمجھتا ہوں پان پھل سے میں شوق کر کے نہ بد مزہ ہوں گا۔"
چین سے نوش و خور شروع ہوا'
نہ دکھاوا نہ دھند کے اوٹل (عام ملائیت کی تاویلیں)
گر سنہ سا مگر فرشتہ تو یوں نوالے اتار تا جائے
کہ لگی پیٹ کی بجھاتا ہو۔۔۔ استحالہ بہ احتراق قوام' (تبدیلی)
فالتو مثلِ ابخرہ خارج بہ سہولت ز پیکرِ ارواح۔
ہو نہ اس کیفیت پر استعجاب'
کالکی کو ئلوں کی آگ سے بھی کیمیا گر اتائی کرتا ہے'
یا اسے زعم ہو ذہب میں وہ منتقل بے خلیش کر لے گا (ف)
خام دھاتوں کو اس نمط گویا ہو برامد وہ خاص معدن سے'
(کیمیا از قلیمیا یعنی) (ف)

نیک حوالباس فطرت میں خوردنی نُقل پیش کرتی ہیں'
ہر مفرح عرق سے یہ ساقی ان کے فنجان بھی کرے لبریز'
اور یہ معصومیت ارم پرور'
گر کبھی تو فقط تبھی معصوم جانتے خود کو باخدا دلبند
اس نظارے پہ شیفتہ ہو کر۔
بے شک ان کے دلوں پہ حاوی تھا عشق کا پاک بے ہوس جذبہ
کہ بنی تھی نہ بد ظنی ناسور عاشقِ نامراد کے دل کی۔
تھے فراواں کباب' پھل مشروب
خوب کھاپی کے ہو لئے جب سیر' پر نہ یوں ہو گرانیٔ معدہ'
سو جبھی آدم کو اتفاق انہیں یہ غنیمت میسر آیا ہے'
کیوں نہ کچھ کیفیت کریں معلوم
کیا ہے بالائے عالمِ بالا ساکنانِ فلک کا حال احوال'
کہ فضیلت میں تاہنوز انہیں جو لگے اپنی ذات سے مافوق
سرمدی نور' ہیئتیں رخشاں'
اور پھر ان کی نیروئے علوی اب تلک آدمی سے مفرط بھی۔
آسمانی سفیرِ قدسی سے، بہ تامل یہ گفتگو محتاط:
"مجھ پہ باشی جوارِ یزداں کے آشکارا ہے لطف ارزانی'
یہ مرا جھونپڑا غریبانہ' کر کے تو نے یہاں قدم رنجہ
کی ہے بندے کی عزت افزائی ۔۔۔۔ اور یہ دال ساگ چکھا ہے
یہ ہماری زمیں کی پیداوار' جو کہاں اہل عرش کو مرغوب'
یوں بہ خندہ روئی نیاز قبول' بندہ پرور نہ ایسی رغبت سے دعوتیں عرش پر اڑائی ہوں"۔

درجواب ان کو اسقفِ پردار:

"ایک ہی کردگار سے آدم اجمعین والیہِ یرجعون'
خیر سے ہوں اگر نہ بیگانہ کامل و اکمل آفریدہ ہیں۔
ازلی ایک مادۂ کلّی' زندگی کا مکلّفِ صد شکل'
مختلف درجہ ہائے جوہر کا اندروں حاملانِ زیست کے ہے'
شستہ شائستہ شاندار' پہ محواس کی قربت میں' سعئی قربت میں
ایک اک اپنے مختلف سرگرم دائروں میں کہ ہیں انہیں تفویض'
جسم حتّٰی کہ روح بن جائے ان حدودِ معینہ میں جو بہرِ ہر صنف ہیں جداگانہ۔
(بس یہی ہے طریقتِ فطرت بہ جمادی و نامی و حیواں کلیّہ ارتقائے ہستی کا)
جڑ سے پھوٹے سبک ہری کونپل' نرم پتے ہوائی پھر اس سے
اور مکمل حسین پھول آخر' دمِ عنبر فشاں' شگوفے' پھل'
آدمی کے لئے حیا تینی ہے بتدریج حیثیت افضل
(بے ہیولیٰ بنی نہیں صورت)۔
کون ہے جو نہیں تمنائی رہروِ راہِ ارتقا ہو کر
زندگی مند روح بن جائے' غیر اہلِ عقول و اہل عقول
جاں بھی' ادراک و فہم بھی' دونوں حسنِ تخیّل بھی' شعور بھی ہو'
روح کو جن سے دستیاب خرد' ہے خرد ہی وجود بھی جس کا'
مبرہن' یا رہین وجداں کی۔
قیل و قال اکثر آپ لوگوں کی' ثانی الذکر بیشتر اپنا'
گر تفاوت بھی ہو تو درجاتی' ورنہ اصلاً" نہیں ہے فرق اصلا۔
کیوں ہو سرگشتہ جو مرے حق میں طے کیا ہے مفید یزداں نے'

ہو نہ اس سے مجھے مگر پرہیز'
میں تمہاری طرح (غذا) کردوں منقلب جوہرِ حقیقی میں'
عین ممکن ہے ایک وقت آئے
کہ بنی آدم و ملائکہ سب ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوں۔
کہ نہ خوراک ہی مضر ٹھہرے اور نہ ہلکی غذا کبھی ناقص'
عنصری یہ مقوّیات آخر جسم کو صاف روح میں ڈھالیں'
ارتقا سے بہ عرصۂ دوراں اس طرح کر کے بال و پر پیدا
سرفرازِ اثیر ہو جائیں' جس طرح ہم ہیں' اور اما بعد
حسبِ دلخواہ یاں قیام کرو یا بہشت آشیان ہو جاؤ
اس کے طاعت گذار گر ہو گے'
صادق القول بھی محبت میں' جس کی اولادِ معنوی تم ہو۔
خیر موجیں اڑاؤ جی بھر کے' یاں میسر وہ شادمانی ہے
شادماں زار میں' مزید نہیں جس پہ گنجائشِ اضافہ اور'
زر بہ سنگ سیاہ کا شیدن::"

از جمادی مُردم و نامی شدم وز نما مُردم بہ حیواں سرزدم
مُردم از حیوانے و آدم شدم پس نہ ترسم کے ز مُردن کم شدم
جملہ دیگر بمیرم از بشر تا بر آرم از ملائک بال و پر'
از ملک ہم بایدم جستن زجو کلِّ شئے ہالکٌ اِلّا وجہہٗ '
بارِ دیگر از ملک قرباں شوم
آنچہ اندر فہم ناید آں شوم

نوعِ انساں کا اب کبیر بزرگ:

"تو نے اے نیک فال نووارد روحِ غم خوار وہ سجھایا ہے
اب ہمیں راست مستقیم صراطِ علم کو جسپہ گامزن کیجے،
زینہ فطرت کا تا محیط زوسط' جس کے اوپر قدم قدم چڑھ کر
آفریدہ جہاں پہ غور کناں ہوں گے ہم سرفراز یزداں تک۔
ہے چگونہ مگر یہ فہمائش "اس کے طاعت گذار گر ہوگے"
کیوں گماں ہے کہ منکرِ طاعت یوں ہم اس کردگار کے ہونگے عشق ہو جائے گا فرواس کا'
خاک سے ڈھال کر ہمیں جس نے بے بدل رنگ روپ بخشا ہے'
یاں سعادت کدہ میں ٹھہرایا' سربسر برکتوں سے مملو بھی'
ہو طلبگار آرزو جتنی--وہ کہ بندہ قیاس کر نہ سکے؟"

اب فرشتہ انہیں: "توجہ سے ابنِ ارض و سما ذرا سننا
ہاتھ یزدان کا ہے تو خوش ہے' تو سدا خوش رہے یہ ہاتھ ترے'
تیری طاعت پہ منحصر' محکم قائم اس پر' یہ پند ہے تجھ کو'
متغیر نہیں کہ یزداں نے آفرینش تری مکمل کی اور احسن تجھے بنایا ہے۔
یہ دیا اختیار بھی از خود سعئی پیہم سے استوار رہے'
حسبِ فرماں ہے قدرتاً" آزاد جبر و اکراہ سے رضا تیری'
کاسہ لیسِ قضائے مبرم یہ' نہ لزومِ شدید کی پابست'
بے غرض بندگی کا وہ طالب کہ حضوری نہ ہو بہ مجبوری'
کہ وہ سرکار میں قبول نہیں' اور منطق بھی کیا کہ ہو مقبول۔
حق تو یہ ہے کہ جو نہیں مختار ان دلوں سے مواخذہ کیسا
خواہ خدمت گذار دانستہ' خواہ برعکس کردنی ان کی

لامحالہ ہے کردۂ تقدیر' اور یارا نہیں انہیں کچھ بھی؟
جلوہ افروزِ تختِ یزداں ہے'
میں بھی' جندالملائکہ بھی دگر دست بستہ حضور حاضر ہیں۔
ہم کہ یہ خوش مقام رکھتے ہیں' عین جس کے مثیل تم اپنا'
یہ میسر ہے جب تلک ہم لوگ اس کی طاعت سے کام رکھتے ہیں'
دیگر اس کی ضمانت اور نہیں
ہم بہ طیبِ دلی بہ خدمت پیش' ہم بہ طیبِ دلی عقیدت کیش
یہ رضا کی صوابدید پہ ہے ہم محبت اگر کریں نہ کریں'
لڑکھڑائیں کہ پاثبات رہیں' سارا دارومدار اس پر ہے۔
گر گئے چند سرکشی کر کے
گر گئے عرش سے جہنم کے انتہائی عمیق غاروں میں
بامِ اقبال سے ہبوط زبوں۔"
یوں اسے جدِ امجد اب اپنے: "بات تیری بگوشِ ہوش سنی'
---ان ہوائی دھنوں سے شیریں تر میرے کانوں میں شہد گھول گئی
رات جو اے معلم قدسی ملکوتی غنائیہ اکثر
پاس ٹیلوں سے نشر کرتی ہے۔
تھی نہ یہ آگہی ارادہ و فعل دونوں آزاد آفرید ہوئے۔
عشقِ خلّاق کو بنائیں گے طاقِ نسیاں کا ہم نہ گلدستہ'
ہم کریں گے متابعت' اس کا واحد الامر ہی سہی لیکن
جو بہر طور منصفانہ ہے۔
یہ مسلسل ندا خیالوں کی' مستقل یہ یقیں دہانی بھی۔

عرش کا ماجرا مگر تو نے جو کیا ہے بیان' اس سے تو
وسوسہ ذہن میں ہے بر انگیخت' خواہش افزون تر' جو تو مانے
تو یہ ساری کتھا سنا مجھ کو جو یقیناً" عجیب تر ہو گی۔
ملتجی ہوں' مودبانہ میں سادھ کر چپ سنوں گا یہ قصہ'
پھر ابھی تو پڑا ہے دن خاصا طے بمشکل کیا ہے نصف سفر
نصف باقی پر اب مساسورج طبقۂ چرخ میں روانہ ہے +"
کی جو آدم نے اب یہ فرمائش' کچھ تذبذب ہوا رفاعل کو
پھر رضامند ہو کے یوں آغاز: "اے جمیع البشر میں سرجملہ!
ہے یہ سنگیں مطالبہ تیرا' امر تکلیف دہ بھی' مشکل بھی'
میں وہ ہنگامہ ہائے غیب کروں قدسیانِ ستیز پیا کے
علمِ انساں پہ کس طرح القا؟ بے تردد عیاں زوال احوال
ان ہزاروں کا' استقامت میں تھے جو بسیار کامل و میمون؟
کیسے آخر جہانِ دیگر کے رمزِ سربستہ منکشف کردوں'
ناروا ہے جنہیں' کروں افشا؟
تیرے حسنِ مآل کی خاطر خیراب ترکِ احتیاط سہی'
ذہنِ انساں رسا نہیں جن تک سہل میں آشکار کرتا ہوں'
صاف پیرایہ یوں کہ روحانی ہو مثیلِ شبیہہِ جسمانی۔
کیا خبر ہو جو عکسِ عرش زمیں'
ایک مثلِ دگر امور یہاں ہوں زمیں پر قیاس سے افزوں۔
وہ زمانہ تھا جب ابھی دنیا معرضِ ہست میں نہ آئی تھی'
بے مہار اختلال قابض تھا منتشر آسماں جہاں تک تھے'

یا جہاں پر زمین قائم ہے اس توازن کے ساتھ محور پر۔
جبکہ اک روز۔۔(ہے زماں ہر چند ابدی بے نہایت و آغاز
حرکت کے سبب یہ پیمانہ جملہ اشیائے پائیدار کو ہے شکلِ ماضی و حال و مستقبل)
ہاں تو ایسے ہی ایک روز کہ تھا غرۂ سالِ اکبرِ عرشی
(وہ اہم نقطۂ زماں، چھتیس سالہائے ہزار کے مابعد
ابتدائے محلِ گردش پر لوٹتے ہیں سفر سے جب اجرام)
خسروی اطلاع ناموں سے طلبی کی گئی فرشتوں کی،
کل اثیری سپاہ لااحصاء
یک بیک سو بسوئے گردوں سے کرسئ کردگار کے آگے اپنے اپنے کماندار کے ساتھ
حاضر آئے عظیم اعلیٰ کُرُدستہ در دستہ دس ہزار ہزار، (لشکر)
علم افراشتہ مرتب جیش قلب ساقہ مقدمہ صف صف
ندیوں سے بڑھے ہواؤں میں،
امتیازاتِ درجہ درجہ تھے آشکار الواء و بیرق سے
یکصدی و ہزاری واحدی۔۔
ان کی نور آفریں نسیجوں میں تھے مقدس و قائع شعلہ دار،
ثبت پیرایۂ بدیہی میں جوش جذبہ کے کارنامے تھے۔
گنگ جب واں پہ حلقہ در حلقہ ایستادہ تھے مستدیرانہ
دیکھ کر ان کو لم یزل رب نے
جس کے نزدیک ہی سکوں بکنار، درمیاں تھے نشستہ روح الہ
اپنے آتش فروغ ابانہ پر، خیرگی سے نہ جو بجھائی دے۔ (اثاری، مجازا "کرسی")
یوں خطابِ بلیغ فرمایا: "سب سنو قدسیانِ نور نژاد

ذوالارائک ملوک، اولو للقوّۃ، احسن اصحاب، ذی حشم ارباب (تخت والے)
میرا فرماں بگوشِ ہوش سنو، کہ ابد تک نہ فسخ یہ ہو گا،
آج کے دن ظہور مجھ سے ہے قرۃ العین، جو مسلّم ہے،
اس مقدس جبل پہ میں اس کو دے رہا ہوں یہ اصطباغ --- یمین
تم اسے اب مشاہدہ کرلو --- یہ تمہارا ہے پیشوا مامور
لو یہ سوگند سب حضور مرے کہ سرِ عرش، سامنے اس کے
سرِ تسلیم خم کرو گے تم، اس خداور پہ لاؤ گے ایمان،
یہ معظم نیابتِ شاہی اس کے ماتحت متحد یک جان،
تہ کرو زانوئے ادب، بے شک تم رہو گے سدا خوش و خرم،
منحرف اس کا منحرف میرا،
رخنہ انداز راندۂ درگاہ، دور یزداں سے --- دور تر، محروم
جلوۂ یمنِ روئے یزداں سے،
گھور اندھیروں میں سر بسر غرقاب، ظلمتیں لا تُخفّفُ عنہم
--- الّذینَ شقُوا فبشّرھُم بِعذاب الیم فی ہا مَا دَامَتَ السّمٰوٰتُ وَالارضِ۔
(وہ شقی موردِ عذاب الیم یہ سماوات و ارض جب تک ہوں) ::"
تھا یہ ارشادِ قادرِ مطلق
سب نظر آئے باغ باغ مگر، سب نظر آئے، پر نہیں سب تھے۔
دوسرے مطمئن دنوں کی طرح
اس مقدس جبل کے پاس یہ دن حال، قال اور دھمال میں گذرا۔
رقصِ مرموز ہے قریب ترین اس کے پہیوں میں سب نظیر نما،
وہ جو تاروں بھرا کرہ ہے دُور، دُور سیّار اور ثوابت کا۔

گنجلک چیستان، پیچیدہ مختلف مرکزو بہم گرداں
خوب باقاعدہ مگر از حد جب یہ بے قاعدہ دکھائی دیں،
ملکوتی نشید اپنے سُران کی گردش میں یوں سنوارتا ہے
یہ مدھر تا طرب کا نغمہ ہو گوشِ یزدان کی سماعت پر۔
شام ہونے لگی (ہمارے بھی صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
لاکھ حاجت ہمیں نہیں لیکن، ہے بڑی دلکشی تغیر میں
سو بصد اہتمام ہوتی ہے)
تھی طلب، رقص سے رکے، یکدم کی توجہ لذیذ دعوت پر،
سب پرے باندھ باندھ استادہ،
لگ رہے تھے فراخ دسترخوان جن پہ کروّبیان کے کھانے
بے تکلف چنے گئے ڈھیروں --- جامِ لعلیں زلال اکسیری،
فضّہ یخ بستہ، منجمد موتی، گوہر الماس زربرودہ خواص،
ذائقہ دار تاک کامیوہ --- صرف جو عرش پر مہیا ہوں۔
مسندِ گل پہ استراحت سے، تاج سر پر دھرے شگوفوں کے
وہ خورونوش میں ہوئے مشغول۔
لطف انگیز ہم جلیسی میں یوں تھے ساغر کشِ بقائے سرور
جس میں اندیشۂ خمار نہیں --- حدِ رطل گراں ہے یاں بیشی،
وہ سخی وہ کریم، وہ داتا، دستِ فیاض سے لٹاتا ہے
شادماں شادمانیاں، شاداں۔
سحر آگین ابر پوش اڈی شب بلند الجبل سے یزداں کے
جس جگہ سے نمود پاتے ہیں سایہ و روشنی --- یہ دونوں ہی،

آسماں کا منوریں چہرہ ہو کے تبدیل تھا شفیق شفق
(شب مقنّع وہاں نہیں آتی)
نیند آنکھوں کو شبنمیں گل رنگ جادوئے پر سکوں سے موند گئی ،
صرف بے خواب دیدۂ یزداں (نیند گھیرے جسے نہ اونگھ آئے)
سو بسو عرصۂ بسیط بساط'
ارضِ کرُوی سے تھا طویل و عریض جس کا پھیلاؤ دلکشا' ہموار۔
ہوا کروبیاں کا جمِّ غفیر' جوق در جوق' صف بہ صف رخصت
اپنے اپنے پڑاؤ کی جانب'
بر سرِ رودہائے تازہ آب' درمیانِ ہجومِ نخلِ حیات
طرفۃ العین میں ہوئے قائم خوبصورت خیام لاتعداد'
آسمانی مظلّہ جات --- جہاں سو گئے اب وہ تان کر لمبی۔
ہولے ہولے صبائیں جھلتی تھیں ہلکے ہلکے خنک خنک پنکھے'
چند بیداران میں البتہ' باری باری حضورِ کرسیٔ شاہ
صد مناجاتِ صدق ساری رات حسنِ ترتیل سے سناتے رہے۔
اہرمن تھانہ اس طرح بیدار --- یونہی اب کیجئے اسے موسوم
کہ سرِعرش جو بھی تھا اس کا نام پہلا کسی کو یاد نہیں۔
وہ رئیس الملائکہ سابق تھا نہ گر' سابقین میں اس کا
بلحاظِ تقرب و طاقت امتیازی شمار ہوتا تھا۔
روح اللہ سے اسے لیکن سخت پرخاش کا فتور رہا'
وہ جنہیں تب جلیل مبدع نے سرفراز و بلند فرما کر
حسبِ فرماں مسیح ٹھہرایا' حکم فرمائے مسح فرمودہ۔

تابِ نظارہ کبر کو نہ رہی، ذات کو جیسے لگ گیا بٹہ،
نفرت و کینہ و عناد بڑھا۔
جونہی پس لے کے نیم شب تیرہ ساعتِ خواب و خامشی آئی
بہر یارانِ صدق پروردہ،
یہ تہیہ کناں، کرے معزول لشکر آرائی سے مسیحا کو
کرسئ باحشم کو رہ جائے حسرتِ طاعتِ قدمبوسی۔
پس جگا کر کمال نخوت سے متصدیٔ خاص کو اپنے
بات سرگوشیوں میں یوں چھیڑی:
"خوابِ خرگوش میں عزیز رفیق، کون سی نیند موند سکتی ہے
تیری پلکیں، تجھے ہے یاد بھلا کل ہی نافذ ہوا ہے کیا فرمان
قادرِ آسماں کے ہونٹوں سے؟
تھا وطیرہ سدا مجھے تو نے اور میں نے تجھے رکھا آگاہ
جو بھی اپنے خیال باہم تھے،
ہم کہ بیدار ایک تھے ہر دو، نیند کیوں اختلاف ڈال گئی؟
یہ نفاذِ اوامرِ نو دیکھ، اس کی جانب سے یہ اوامرِ نو
ہے جو فرمانروا۔ کریں برپا ہم اطاعت گذار لوگوں میں
نئی آرا، جدید میلانات،
بحث جن پر چلے تو پیدا ہو صورتِ حال بے یقینی کی۔
بسکہ منہ اور کھولنا اس جادوست خالی نہیں ہے خطرے سے،
کر اکٹھے وہ بے شمار انبوہ، ہم مقدم ہیں پیشرو جن کے
اور حکما" انہیں ہدایت کر کہ ازاں پیشتر شبِ بے نور

گھور بادل کرے وداع اپنے، کوچ مجھ کو شتاب کرنا ہے
ساتھ ہمراہ سب لئے بیرق، جو ہمارے جلو میں رہتے ہیں۔
منزلیں مارتے چلیں گھر کو دور برّ الشّمال میں ---جس جا
سب طرابیل اپنے ہیں محفوظ، (برج منارے)
پھر ہو شایانِ شان تیاری اپنے سلطاں کے خیر مقدم کی۔
وہ مسیحائے مقتدر جو شتاب ساتھ اپنے اوامرِ نو کے
فاتحانہ، بہ عزم گذرے گا جملہ طبقاتِ الملائک سے
کہ شریعت کو مستند کردے::"
یوں رئیس الملائکہ دجال اور ہمدم کا بے گماں سینہ اثرِ بد سے شور بور ہوا۔
وہ بلا بھیجتا ہے سب یک جا، یا یکے بعد دیگرے چند ایک
نائب السلطنت فرشتوں کو، نائب السلطنت کہ اس کے تھے،
کہہ سناتا ہے جو ہدایت تھی۔
اس سے پہلے کہ رات، اب پہلے اس سے بے نور رات ڈھل جائے،
عرش کے سر کا بوجھ ٹل جائے
پیشوائی درفشِ اکبر کو کوچ کرنا ہے --علتِ غائی
یوں بیاں کی کہ لفظ لفظ میں تھی حسنِ تعلیل و صنعتِ ایہام۔
حرف آئے، نہ ذم ہو نیت نیک،
حسب منشا اشارہ سب پاکر، سب نے آواز پر کہی لبیک
بے تامل جلیل خسرو کی۔
نام بے شک بزرگ اس کا تھا، حیثیت بھی عظیم گردوں میں،
اس کے بشرے کے دام میں آئے،

جس طرح گلّۂ کواکب کی رہبری نجمِ صبح کرتا ہے'
جندِ عرشی کا اک تہائی ساتھ کرلیا چھل فریب سے اس نے +
اور چشم ازل نے اس دوران
جسکی نظروں میں بیّن آئینہ ساری غامض خیالیاں-- مگھمّ (گول مول)
جھٹ مقدس پہاڑ کے اوٹل' ان قنادیلِ زرفشاں میں صاف
جو شبانہ ہیں سامنے ضو تاب' بے اجالا وہاں بغاوت کو
سرکشیدہ نظارہ فرمایا-
تھا کسے یہ جنون بھانپ لیا' کیون سحرزادگاں میں یہ پھیلی'
اور جم غفیر کن کا تھایوں جو شیرازہ بندیاں کرکے
ڈٹ گئے تھے خلاف ورزی پر حکمِ جیّد کی نامرادانہ-
متبسم پھر اپنے اکلوتے روح اللہ سے کیا ارشاد:
"نور چشمی' چمک دمک بھرپور مجھ پر اپنے جمالِ قدسی کی
آشکارا ہے تیری ہستی سے--- میرے جاہ و جلال کے وارث'
آپڑی ہے کہ ہم کریں جیسے اب یہ باور کہ فی الحقیقت ہم
قدرتِ کاملہ کے حامل ہیں-- ہو کسی اسلحہ سے کچھ تدبیر
کہ بدستور ہم رہیں قابض اس شہنشاہی و خدائی پر
مدعی ہم ازل سے جس کے ہیں'
وہ حریف اب مقابل اپنے ہے خبطِ بے ضبط ہو گیا جس کو
کہ سنگھاسن جمائے ہم ایسا کل شمالِ بسیط کے اندر-
اکتفا یہ نہیں' وہ آمادہ رن میں ہے پنجہ آزمائی پر
کہ ہمارا جوازِ حق کیا ہے اور شکتی ہے کس قدر ہم میں؟

صورتِ حال ہے بڑی سنگین، آؤ باہم صلاح کارانہ
ہم بہ تعجیل مجتمع کر کے جس قدر ہے بچی کھچی قوت
جھونک دیں کل دفاع میں اپنی کہ مبادا یہ منصب العالی
الحرم اور الجبل اپنے ناگہاں ہاتھ سے نکل جائیں۔"

روح اللہ کی حضورِ الٰہ عرض شائستگی سے، وہ انداز
بکمال اس میں فکر کا پرتو، صاف، واضح، متین، قدوسی:۔
"کیا بجا مضحکہ ہے اعدا کا۔۔ ذوالجلال ان کے لغو منصوبوں
اور بلووں کی۔۔ جن سے ہم مامون۔۔ ٹھیک ہی تو ہنسی اڑاتا ہے،
باعثِ افتخار ہے مجھ کو، جو بھی اس کد سے آشکارا ہے،
نہیں برداشت کیوں مجھے تفویض اختیار شہی بہ فرمانے!
یا تو سر کوبیٔ غرور کروں میں اسی کارزارِ خونیں میں
تیز مشاق ہاتھ دکھلا کر سرکشوں کو ترے مطیع کروں،
یا بنوں عرش میں فرومایہ۔"

روح اللہ کا یہ عزم، مگر اہرمن قدسیان کے ہمراہ
بڑھ رہا تھا ہوا کے گھوڑوں پر، فتنۂ بے حد و عدد، کہیے۔۔۔ (جماعت)
شب میں جمِ غفیر انجم کا، بھور کے تارے، اوس کی بوندیں
مہر جن موتیوں کو ٹانکتا ہے پتے پتے پہ، غنچے غنچے پر۔۔
پار کر کے وہ منطقے گذرے، مقتدر وہ دلائتیں، جن پر
متعین ثلاثہ حیثیت سب سلاطیں، سرر، سرافیں تھے،
منطقے وہ کہ سامنے ان کے تیرا مقبوضۂ تمام آدم
کچھ زیادہ نہیں، کہو اک باغ سامنے جیسے بر و بحر کے ہو۔

جو کہ اک کُروی تمامی سے متوازی سپاٹ پھیلے ہیں۔
وہ یہ کرتے ہوئے عبور آخر سرحداتِ شمال میں آئے'
اہرمن سامراج گدی پر' تھا وہ بالا سرِ سرابالا
خوب افروختہ تو اجلتا جیسے جلتے توے پہ رکھا ہو۔
کانِ الماس و معدنِ زر سے تھے تراشیدہ کل بروج اہرام قصرِ
(ابن آدم کی بولی ٹھولی میں کوشک اس کا ہوا یونہی معروف)
اور اس نے جسے بلا تاخیر ریس میں الجبل کے' پیشِ عرش
نامزد جس جگہ مسیح ہوئے' جبل الجمع سے کیا موسوم'
کہ لگایا تھا چال سے اپنے جملہ احشام کا وہاں مجمع'
وہ بہانہ طراز تھا جیسے حکم اس کو ہے مشورہ کرلے
کیسے سلطاں کا خیر مقدم ہو واں جو تشریف لانے والا ہے۔
یوں بھرے مفسدانہ فن کے ساتھ ملتبس راستی سے کان ان کے:
"ذوالارائک' ملوک' اولوا للقوۃ' احسن اصحاب' ذی حشم ارباب
گر نہیں ہیں رفیع یہ القاب' محض باقی برائے نام تو ہیں!
اب زروئے مشیت اور کوئی کر چکا اقتدار یہ مخصوص
کاملا" اپنی ذات کی خاطر'
اور گہنا چکی ہے ہم سب کو کنیتِ شاہِ اصطباغ شدہ!
بس اسی واسطے شتابی سے تیز رفتار کوچ نیم شبی'
منعقد یہ نشست بھی فی الفور' صرف اس واسطے کہ ہو یہ غور
نو بہ نو کون سے لوازم سے ایسے حضرت کا خیر مقدم ہو'
کہ ورود اس کا ہونے والا ہے تا وصولے وہ غیر ادا کردہ

ہے جو زانو زدہ خراج ہنوز۔
باعث عار جبہ سائی ہے ایک کے آستان پر --- دو بھر'
کس طرح کیجئے بھلا برداشت ذات یا حاملِ شبیہہ کوئی'
جو مقرر ہوا ابھی سلطان؟ --- سایہ اش رانمی تواند دید!
لیکن اب بھی سلیم عقل اگر اپنے ذہنوں کو استقامت دے'
اور اس امر کا شعور ملے یہ دلدّر اتار دیں سر سے۔
گردنیں خم کرو گے تم اپنی' کیا گوارا کرو گے تم دب کر
تہ کرو زانوئے ادب آداب؟
نہ کرو گے' اگر بخوبی میں جانتا ہوں وثوق سے تم کو'
تم حقیقت شناس ہو خود بھی'
آسماں کے سپوت باشندے تم کسی کے نہیں رہے مملوک
باہم اک سے اگر نہیں ممتاز' تاہم آزاد اک سے ہیں آزاد'
طبقات و مراتب آخر کب حریّت سے تضاد رکھتے ہیں
عین یہ تو بہم موافق ہیں۔
کون از راہِ منطق و حق پھر حکمرانی کا مدعی ان پر
ہیں برابر بنا بہ حق جو لوگ'
قوت و دبدبہ میں کم تر بھی حریّت میں مگر مساوی ہیں۔
ہم پہ قانون بستگی کیسی کہ نہ بے ضابطہ بھی لغزش ہو'
وہ لہٰذا بروئے ایں حجت کیوں ہمارا بنے ولی نعمت
اور ہم سے عقیدتیں مانگے'
کیوں اڑے بھد شہی خطابوں کی' ہے تقاضا مسلّمہ جن کا

کہ حکومت ہمیں ودیعت ہو، نہ کہ حیثیتِ رعیت ہو::"

سب نے منہ پھٹ کا یہ بیاں بے باک یاں تلک تو بڑا خموش سنا،

پھر سرافین سے اٹھا عبدیل کہ نہ شب زندہ دار عابد تھا

کوئی ایزد کا اس طرح بہ خشوع، نہ مطیعِ امورِ ربانی،

شعلۂ جوش تند سے اس نے یوں کیا ختم دودِ غیض اس کا:

"اف دلیلِ نفاق پرور ہے یہ الیٰ لکفرو کبرو مکر تری

عرش پر گوشِ حق نیوش کو یہ کلمات، ان کی تھی نہیں امید

تجھ سے تو ناسپاس بالکل بھی،

کہ روسائے ہم زمانہ میں صاحب عزّ و احتشام ہے تو۔

زیب دیتا نہیں کرے تردید بک کے تو سبّ و شتم کفرانہ

'س بجا انفصال یزداں کی، (فیصلہ)

جو سرِعام ہو چکا صادر حلفیہ کر چکے جسے تسلیم۔

روح اللہ کو مرحمت برحق ہو چکا صولجانِ شاہانہ،

واجب آتا ہے عرش پر ہر فرد ہو کے اس کے حضور دو زانو

بیعتِ شاہ حق جواز کرے، کہ حقیقی شرف ہے وہ حقا!

غیر معقول، کیا کہا تو نے، غیر معقول محض یہ بندش اہل آزادگاں پر آئینی،

فائزِ ہمسراں ہو اک ہمسر،

اک مسلط تمام پر ایسے، مستقل، جانشیں نہ ہو مابعد،

تو ہے یزداں کو ضابطہ آموز، حریّت کے نکات پر (بل بے)

تیری کٹ حجتی حضور اس کے جو تری حیثیت کا بخشندہ،

طبقاتِ سماویہ جملہ منشکّل۔ من یشاو یراد

مع (جواز) حدودِ ماہیّہ ؟
بربنا تجربہ ہمیں معلوم کس قدر پاسدارِ اعلیٰ ہے
وہ ہماری فلاح و عظمت کا'
کس قدر بے نیازِ اندیشہ کہ وہ کم حیثیت کرے ہم کو'
بلکہ مائل بہ عالمِ دلشاد اور افزوں کرے کہ ہم ہو جائیں
تحتِ یک صدر متحد بہتر--- ہو عطا یہ مجھے---غلط بخشی'
بر سر ہمسرِاں فقط زیبا شاہ ہمسر کو حکمرانی ہے۔
تو ہے اپنے تئیں جلیل و کبیر'
مجتمع تیری ذات یکتا میں بلکہ جملہ طبیعت قدسی'
مدعیٔ برابری لیکن تو ہے اس نورِ عین کا جس کے--
کلمہ کے طفیل ہیں ہم ہست!
اس زبردست مبدعِ کل کا کاف و النوّن سے یہ کاف ولام
(کُن فکانِ لِکلّ موجودات)
ہے اسی کا کرشمۂ تخلیق ذات تیری' سب عرشیاں عرشی'
طبقاتِ جمیل ہے جن کا طرۂ عظمت افتخارِ جبیں'
جو ملقب بنا بریں عظمت
ذوالارائک' ملوک' اولوا للقوّۃ احسن اصحاب' ذی حشم ارباب'
بادشاہت سے لابدی طبقات تم نہ اس کی فروشدہ' ہو گے
بلکہ افزون تر فروزندہ۔
صدرِ کم شان تو وہی ہو گا شاملِ صف ہمارے ساتھ آکر'
ضابطے اس کے ضابطے اپنے

عزت اس کی کریں گے ہم جتنی وہ صلے میں ہمیں کو لوٹے گی۔
روک اپنی زبانِ زہر چکاں اس نجس جھانجھ کو دبا' مت دے
دیکھ ترغیبِ ناروا ان کو۔
جاشتابی انہیں منا جا کر' مبدع و نورِ عین برہم ہیں'
صدق دل سے جو وقت پر کر لو توبہ کاری قبول ہوتی ہے۔"
یوں فرشتہ سخن طراز رہا' گر مجوشانہ ولولہ کی مگر کوئی تائید کو نہیں اٹھا۔
بازگشت سرودِ رفتہ تھی یا بہ صحرا صدائے سودائی--(زرے از دستِ رفتہ کے مصداق)!
خوب بغلیں بجائیں مرتد نے اور نخوت رہین یوں بولا:
"پیکر اپنے کئے گئے تیار' تو یہ قائل ہے' پھر یہ فن سارا
مظہرِ دستکاریٔ ادنیٰ اور مبدع سے نورِ عین کو ہم
منتقل امثالِ امر سے ہیں؟
واہ کیا نکتہ آفرینی ہے' کیا بدیع و جدید یہ منطق
کچھ تو معلوم ہو ہمیں آخر--کون آموز گار تیرا ہے؟
کون شاہد ہے' کب ہوئی تخلیق'
یاد ہے کیا تجھے جنم اپنا' روپ خالق نے کب دیا تجھ کو؟
ہم نہیں اس زمان سے آگاہ کہ نہ تھے جس طرح ہیں اب موجود'
سب نمود و نمو ہوئی بالذّات' جو ہے فی نفسہٖ ہوا پیدا
خود بہ فیضِ دمِ سریعانہ--
جب طریق المقدّر اۃ اپنے دائرے پر تمام گھوم گیا'
تب بنا زادبوم عرش اپنا' ہم کہ فرزند گاں اثیری ہیں۔
جو ہمارا ہے زور ذاتی ہے' ہے ہمیں دست راست خود استاد

آزمائیں گے ہم ثبوت کے ساتھ کون اپنا حریف ہوتا ہے'
دیکھیو تو کہ خاکسارانہ ہم کریں گے خطاب اسے' یا پھر
حلقہ دارانِ کرسئ قادر ہو گئے ہم تو کیا سماں ہو گا'
ہم حضور اس کے یا وہی محصور؟
دے خبر' جا یہ کہہ سنا رو داد شاہِ مصبوغ کو من و عن تو'
دوڑ لے' یہ نہ ہو کوئی آفت تیری راہِ فرار بند کرے +"
بک چکا وہ تو ڈونگرے برسے واہ وا کے بیان پر اس کے'
گونج تھی یا عمیق ورطہ میں سرسراہٹ کا شور بے ہنگم
لشکرِ بے شمار میں پیدا۔
نہ ہی اس ضمن میں مگر ہیٹا تھا نڈر وہ سرافِ آتش ناک'
لاکھ تنہا تھا' نرغۂ اعدا چار سو' پر کہا یہ درّانہ:
"تو کہ یزدان سے ہے برگشتہ' او کروبی لعین ہے تجھ سے
دستبردار امرِ بالمعروف' قضی الامر ہے ہبوط ترا
اور اس شوم بخت ٹولے کا--اِن زللتُم--یہ مجرمانہ دغا'
دونوں تیرے عقوبت و عصیاں متعدی مرض سا پھیل گئے۔
ہو چکی بس تمام اب حجت'
بس تجھے ہو نہ اب پریشانی کس جتن سے اتار کر پھینکے
جوغ تو اب مسیح و یزداں کا۔
بر سبیلِ کرم تھا سب اطلاق' ضابطے قاعدے شفیقانہ
حق میں ہیں تیرے یک قلم منسوخ۔
دیگر احکام اب ہوئے صادر کہ نہ مرفوع وہ کبھی ہوں گے'

رد طلائی عصا کیا تو نے چاہئے اب سلاخ آہن کی'
(بگڑے تگڑے کا پیر ہے ڈنڈا) کہ تری سرکشی کچل ڈالے۔
اب رہی پند سود مند تری کیجیو مت گھمنڈ' دھمکی سے
یا تری دھونس سے ہوں میں چمپت'
فتنہ آشوب بد عمل مثوٰی' کوچ کرتا ہوں میں کہ بے تمیز
بغتتہً آپڑے جو الاسانہ قریب الوقوع قہر اس پر۔
منتظر رہ' سروں پہ جلد اس کا بے اماں رعدِ سخت کڑکے گا
نارِ ذات و قود' پھر آگاہ تو یہ ہو گا' فغاں بلب' دل خوں
جس کا تو آفریدہ ہے وہ ہی جب عدم آفرید کر دے گا
خوب چل جائے گا پتہ تجھ کو۔"

یوں سخن سنج الملک عبدیل مومن اک بیّن اس جگہ موجود'
وہ ہی بیّن' ہجومِ بے ایمان' ملحدانِ کثیر میں بے لابھ' بے دھڑک' بے نیاز' بے پروا
ذوق و شوق و وفا میں محکم تھا'
کر سکی کچھ نظیر یا تکثیر متزلزل' نہ کر سکی تبدیل راسخ الذّہن کو وہ شمّہ بھر۔
گو اکیلا تھا' چل پڑا ان کے درمیاں سے بلا جھجک پٹھا'
رہ کڑی تھا ٹھٹھول بیری کا' اس کے ماتھے پہ بل نہیں آیا'
آن کے ساتھ تو تکار سہی۔
ڈال کر اک نظر غلط انداز بجواب ان پہ نفرت آلودہ
ایک دم پشت موڑ لی اس نے' متکبر کلس مناروں سے
کہ نزولِ بلائے بے درماں جن کا مقسوم جلد ہونا تھا::

☆

فرہنگ

○

۱۹۰ (۶) قرنجک - بہت بھیانک خواب - (Nightmare)

۱۹۴ (۹) دردار - ناغ کا درخت (Elm)

۱۹۷ (۶) پرندک - پڑاوا' میدانی ٹیلہ

۳۰۳ (۱۶) کیلوس کیموس - طب یونانی 'غذائے ہضم' اور خون کی پیدا کردہ حرکت در جگر و معدہ یکے بعد دیگرے

۳۰۳ (۱۷) کفاف - جس پر گذر اوقات ہوتی ہے

۳۰۴ (۳) قریہ - جمع اس کی قریات آتی ہے معنی موضع' یہاں علاقہ سے مراد ہے

۳۰۴ (۱۹) بے غلیش 'کیچڑی جو سخت چپک کر رہ جائے غلیش کہلاتی ہے - بے غلیش 'خالص بناکر'

۳۰۴ (۲۱) قلیمیا - دھاتوں کا کچرا یا کیٹ

۳۰۷ حاشیہ - یہ ارتقا کی وہی بات ہے جو ڈارون نے ۱۹ویں صدی میں عام کی تو یورپ اسے لے اڑا - یونان میں چمپانزی کو انسان کا بیولی مانتے تھے' بیدل نے بھی بعد ازاں کہا --

آدمی ہم پیش ازاں آدم بود' بوزینہ بود

مولانا روم مرحلہ وار زندگی کے ارتقا کو ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں -- جمادی (بے جان پتھر روڑے' جمادات) سے نباتات (پھول پتے) قوت نامیہ (نامی)' -- پھر نبات سے حیوان اور بعد کو آدم.... مرحلہ وار یہ ارتقائی پیش رفت آخر فرشتہ بنادے گی - یا اس سے بھی کوئی ارفع ہیئت بن جائے گی!

○

دفتر ششم

تلخیص

رفاعل کا سلسلہ بیان جاری ہے۔

اس نے بتایا کہ میکائیل و جبرئیل کو اہرمن اور اس کے حواری فرشتوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

پہلا خونیں معرکہ ۔۔۔۔ اہرمن اور اس کے طبقات کی ہزیمت اور پسپائی' مجلس مشاورت کا انعقاد' طاغوتی جنگی کلیں اور ڈھینگے تیار کئے گئے۔

دوسرا معرکہ ۔۔۔ میکائیل کی صفوں میں انتشار' لیکن اس کے سپاہیوں کا پہاڑ اکھیڑا اکھیڑ کر اہرمنی کلوں پر دے مارنا' اور دشمن کے دباؤ میں کمی ہونا۔۔۔ مگر شورش اور ہنگامہ یکسر فرو نہیں ہوا۔

تیسرا معرکہ ۔۔۔۔ روح اللہ مسیح نے کمان سنبھالی' کہ نصرت و عظمت انہیں مقدر تھی۔

قوتِ ایزدی سے لیس وہ جنگاہ میں پہنچے۔ میکائیل و جبرئیل کے دستوں کو نقل و حرکت سے روک دیا۔ آپ رعد کو ساتھ لئے' رتھ بڑھا کر دشمن پر پل پڑے اور اس کا تیا پانچہ کر دیا۔ سارے طاغوتی لشکر کو دھکیلتے ہوئے کنار عرش تک لے گئے' جہاں سرحد کی دیوار شق ہو گئی اور وہ سب کے سب ہول کے مارے' افراتفری کے عالم میں اس رخنہ سے نیچے عقوبت خانہ میں جا پڑے' دور اتھاہ پاتال میں۔

مظفر و منصور مسیح یزداں کے حضور لوٹ گئے۔

"رات بھر الملک دبنگ' بسیط عرش کی عرضہ گاہ کے اندر (یعنی عبدیل)
بے تعاقب رہینِ راہ رہا۔ کہ سحر نے' جسے کیا بیدار
گرد رت دیویوں نے منڈلا کر (حوریاں' دخترانِ شمس و زیوس)
وستِ گل احمریں سے دروازے روشنی کے تمام کھول دیئے۔
غار ہے نزدِ کرسئ یزداں الجبل پر' جہاں ہیں گشت کناں
باری باری سے نور و تاریکی۔۔۔۔ متواتر مقیم اور رحیل'
بر سرِ عرش کیا بپا ان سے ابلقی روز و شب کی نیرنگی'
روشنی جب وداع ہوتی ہے' تو اندھیرا لگا ہوا پیچھے
اندر آتا ہے دوسرے در سے کہ رکھے ساعتِ معین تک
چہرۂ عرش پر نقاب اپنا'
یہ الگ بات ہے کہ تاریکی یاں سہانی شفق کا روپ لگے۔
اور طلعت نما سحر پھر ہو' کر کے چندن سنگھار آکاشی
نور تنویر کے پرے باندھے۔۔۔۔۔
وار سے خاوری شعاعوں کے رات کی کالکی الوپ ہوئی۔
یک بیک تب پٹا ہوا جنگاہ چشمِ عبدیل پر جھلکتا ہے۔
اوپچی' جنگجو گتھے تومان چاق چوبند' چقمقی ہتھیار'
برق وش' رخش' رتھ' عجب منظر' شعلہ آئینہ دارِ شعلہ تھا'
لام تیار' لام کے تیور۔
عام اس بات کا وہاں چرچا' جو لگانے چلا تھا یہ پرچہ'
پس وہ طبقاتِ دوستانہ میں خوش بخوش خلط ملط خوب ہوا۔
دوستوں نے بھی کی پذیرائی شادی و مرحبا کے نعروں سے

کہ وہی ایک تھا فقط' اربوں مرتدوں سے وہ ایک ہی نکلا
ایں چناں اونہ گم شد از رہِ راست۔
شورِ تحسیں میں لے چلے اس کو جبلِ قدس پر کریں حاضر
روبرو کرسئ معلّٰی کے'
زرنگاریں سحاب میں سے واں نرم آواز یوں سنائی دی:۔
"تجھ پہ صد آفرین عبداللہ' خوب دادِ بہادری دی ہے'
سرکش ابنوہِ بے تحاشا میں تو نے غزواۃ حسنہ میں تنہا
داعیہ حق کا برقرار رکھا۔۔۔۔ ان کی تلوار پر زباں بھاری'
بول بالا ہو سچ کا' اس کارن تو نے جگ بھر کی تو تکار سہی'
گو کڑی سے کڑا ہے کڑوا بول۔
تھی یہی دھن تجھے کہ یزداں کی آنکھ کا تو بنا رہے تارا'
لاکھ ہٹ دھرم آنکتے سنسار۔
سہل اب مرحلہ ظفر کا ہے۔۔۔ تو حلیفوں کی لے کمک ہمراہ
اور دشمن پہ بول دے ہلہ' یوں کہیں سرخ رو پلٹ افزوں
اس برے وقت کے مقابلے میں' جب وفورِ نفور میں نکلا۔
زورِ بازو سے کرانہیں قائل جو خرد کو نہ ضابطہ مانیں'
خردِ حق نما نہیں جن کا ضابطہ' شہ مسیح کے منکر
وہ کہ واضح جواز ہے جس کی حکمرانی جہان بانی کا۔
آسمانی قشون کے سالار میکائیل اے تہمتنِ پامرد
متبارز پسِ جری جبریل!
جاؤ لے جاؤ ان جیالوں کو' رن میں سارے مُنی اجیت سپوت

کیل کانٹے سے لیس، انہیں لے جاؤ'
یہ ہزاروں نہیں لکھو کھا ہیں، صف بہ صف جنگ پر کمربستہ
اور تعداد یہ قلیل نہیں متمرّد پلید ٹولے سے'
لاگ، کھٹ راگ، آگ سے ان پر ٹوٹ کر پل پڑو دلیرانہ
حدِ افلاک تک تعاقب ہو، دفع کردو، دھکیل دو ان کو
دورِ نظارگیٔ یزداں سے ---اس عقوبت ستان میں پھینکو
وہی طرطوس کی خلیج سقر، آتشیں اختلال کا جبڑا
بھاڑ سا جس نے پھاڑ رکھا ہے کہ گریں تو دبوچ لے یکدم +"
خسروانہ یہ وحی میں فرمان'
تیرگی لیپتے ہیں دَل بادل اجبل پر، لپیٹ دیتا ہے
دود یکسر سیاہ مرغولے گِرد بے داد مند شعلوں کے'
قہر کے رونما ہوئے آثار۔
تروعۂ غریوِ غول بھی کم انتره وہ سمائی قرناکا۔ (ف)
حکم پاتے ہی عسکری طبقے---جو طرفدارِ عرش اعظم تھے'
اک عظیم القدر مربّع میں، صد ضیا تاب مجتمع باہم
دستہ بر دستہ، خیل اندر خیل کوچ کرتے ہیں سرفروشانہ
دیو تاروپ قائدوں کے ساتھ'
دوڑتی تھی تہورانہ روح کارناموں میں جان بازوں کے'
راست راہِ مسیح ویزداں پر پیش قدمی میں راسخِ بے فصل
سازِ آہنگِ سرمدانہ پر'

ڈال سکتے نہ تھے ذرا رخنہ ان مرتب صفوں میں بن دریا'
فوق ہی فوق وہ روانہ تھے نرم چاپ اب ہواؤں کے اوپر'
جیسے آئے تھے صف بہ صف پرّاں تجھ سے اپنی شناختیں لینے
یاں عدن میں صفیر زن ---- طائر!
عرصہ بر عرصہ عرش سے گزرے' ملک در ملک صوبہ در صوبہ
دس گنا خاکدان سے جن کا طول میں عرض میں تھا پھیلاؤ۔
آشکار اشمال میں آخر دور افق پار آتشیں خطہ
از کراں تا کراں محیط تمام' در قرینہ محاربت آرا'
نزد نزدانت انت سوفاریں' دور تا دور زاپی اپی انیاں'
وہ غضب چار آئنہ مغفر' وہ عجب نیچہ حسام سپر
سب پہ نقشین ادعائے گزاف۔
غول شیرازہ بندِ ابلیسی در جنونِ مصاف شوریدہ'
یوں دویدہ کہ بس اسی دن وہ حرب یا ضربِ ناگہانی سے
کرے یزداں کا الجبل تسخیر'
متمکّن کرے سرِ کرسی رشک دارِ شکوہ کو اس کے
متفخّر' ہوس گزید --- مگر عین منجدھار میں وہ حشر ہوا
کہیئے فاعتبروا اُولوالابصار!
گو یہ پہلے پہل لگا ہم کو سخت حیران کن ستیزہ کار الملائک سے الملائک ہوں'
تند مٹھ بھیڑ میں حریفانہ یوں ہم آویز ہوں کہ ہم آمیز
متفقہ سدا جو باہم تھے طرب و دوستی کے جشنوں میں'
مثل فرزندگانِ ابِّ کبیر مدح گویانِ مبدعِ ابدی۔

جنگ کا غلغلہ بلند ہوا'
یورشِ شورِ رستخیز نے جھٹ ہر خیالِ لطیف گھونٹ دیا۔
درمیاں وہ براجمان اپنے آفتاب التباس ارابہ پر (رتھ)
مرتد' اک دیو تا سمان افراز' آسمانی شکوہ کا پیکر'
دائرے میں طلائی ڈھالوں اور شعلہ تن عرشیوں کے حلقے میں۔
فرِّ وافر سے پھر فروا ترا اپنے اورنگِ پر تکلف سے۔
تنگ بر' تنگ تر تھی گنجائش اب قشون و قشون کے مابین'
مختصر فاصلہ پُر اندیشہ'
آمنے سامنے ڈٹے تھے وہ' بہ قرینِ مہیب صف بستہ'
سلسلہ ایک ہولناک دراز۔
قبل اس سے چپاولی تیکھی باڑھ پر جھانور اہرا ول ہو' (سیاہ)
اہرمن چوڑے چوڑے ڈگ بھرتا تمکنت سے' بڑھا' قوی ہیکل
کنچن اسپا تتی جھلم سے لیس'
منظر آشوبِ چشم تھا اس کو' ایستادہ جہاں پہ تھا عبدیل
درمیاں غازیانِ صف در کے' کارِ ترکانہ پر کمر بستہ۔
یوں ٹٹولا دلِ دلیر اس نے --- آزما زور بھی توکّل پر'
اس کی نکلی ہے عقلِ بد بودی' یہ بعید از قیاس امر نہیں
جو برومند بحثِ حق میں ہو' فتحمندِ سلاح بھی نکلے'
غالب اک سانزاع ہر دو میں۔
چپقلش گو ہے یہ بہیمانہ اور بے ہودہ' وائے خواہ مخواہ
بھڑنا پڑ جائے عقل کو بَل سے (قوت)

ہے قرینہ یہی قرینِ قیاس بول بالا ہو عقل کا آخر۔
پیکرِ عزم یوں مقابلے کو اونچی ہمسروں سے جب آگے
بڑھ گیا، نصف راہ میں روکا اس دلاور حریف نے آگا،
اب تو یہ اور بھی بھڑک اٹھا، اور یوں بے دریغ للکارا۔
"سامنا ہو گیا نا اے خودبین، تھا تجھے یہ خیالِ خام بہت
مطمحِ اوجِ آرزو پر تو بس رسا بے مزاحمت ہو گا،
بے نگہداشت کرسیٔ یزداں چھوڑ کر سب گریز پا۔۔۔۔ یعنی
اس کے جنبہ سے دست کش ہوں گے،
اے بلی تیرے ہول کے مارے یا کٹیلی زبان کے ڈر سے؟
گاؤدی اس قدر نہ دھیان آیا، رائیگاں محض ہے مسلح غدر
ذاتِ قادر کے برخلاف کہ وہ ننھی منی حقیر چیزوں سے
انت سیناؤں کو جنم دے کر گاؤدی پن کو میٹ سکتا ہے،
یا بیک ضربِ دستِ یکتائی، کُل شکستہ گستہ کر ڈالے
بے کمک ہی ترا تیا پانچہ۔۔۔۔ تیرگی میں تلف یہ لشکر ہو۔
تجھ پہ بارے عیاں ہوا سارے تیرے وابستۂ جلوس نہیں،
وہ بھی ہیں یاں جنہیں عزیز ایمان اور تقویٰ بہ اذنِ یزداں ہے۔
گو نہ تجھ کو خبر ہوئی میں نے تیری دنیا میں برملا واحد
ظاہرا" در مغالطہ، سب سے جب بصد شدت اختلاف کیا۔
دیکھ عالم مری جماعت کا علم ہو تا کہ۔۔۔۔ بعدِ وقت سہی
کیسے واقف قلیل ہوتے ہیں
غلطی پر ہزار ہا جس وقت حضراتِ جلیل ہوتے ہیں+"

اس حریفِ کبیر نے دیکھا گوشۂ چشم سے بہ استہزا
اور پھر اس طرح جواب دیا:
"نحس تیرے لئے، مگر میرے انتقامِ شدید کی موزوں
شبھ گھڑی میں کروبیٔ غدار تو ہی سب سے تھا اولیں مطلوب،
خوب ہے جو فرار سے پلٹا،
کہ جس انعام کے ہے تو لائق، ٹھیک کرنی کا پھل ملے ویسا۔
اس لئے، یہ زبان زہر چکاں اک تہائی ملائکہ کے خلاف
جوشِ تردید میں چلی پہلے، جمع ندوہ میں جب ہوئے تھے وہ بول بالا خداؤں کا کرنے،
جب انہیں سرمدی مجال بھی تھی ذات میں درجۂ اتم موجود،
تھے نہ اس امر کے مجاز کوئی قدرتِ کاملہ کو ہتھیالے۔
اے ہوسناک خوب آپہنچا تو مقدم یہاں رفیقوں سے
مجھ سے حاصل کرے پرِ سرخاب،
کہ ترے حشر سے بقیہ کو اپنے انجام کا پتہ چل جائے۔
اس توقف میں (تو مبادا یہ ڈینگ مارے نہ بن پڑا مجھ سے
کچھ جواب) اس قدر یہ بات مری ہے سخن گسترانہ --- گر سمجھے،
اپنی دانست میں نخستیں میں جانتا تھا کہ عرش و آزادی
اک ہیں ارواحِ سرمدی کے قریں،
اب کھلا بیشتر تو ہیں ان میں مارے الکس کے بندۂ درگاہ
(بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا) ہیں یہ ارواحِ کارپرداز اں تربیت یابِ حمد و نذرانہ،
ان پہ تو نے سجائے ہیں ہتھیار، آسماں کے مغنّی و شاعر
کہ یہ محکومیت کے رسیا اب حریّت سے نبرد پیما ہوں۔

بات ہو جائے طے، موازنہ ہو کارناموں کا جانبین کے آج۔"
بجواب اختصار سے عبدیل تب بطرزِ درشت یوں بولا:۔
"مرتداب تک اسی طرح گمراہ، انتہا پر ہے گمرہی تری،
تو رہِ حق سے دور افتادہ۔
بندگی اس کی چاکری سے یوں ناروا کر رہا ہے تو تعبیر
نامزد جو کیا ہے یزداں نے اور فطرت نے۔۔۔ فطرت و یزداں
یک زباں فیصلے میں ہوتے ہیں۔
ہے سزاوار انتہائی وہ، اور افضل تمام سے، جن پر
دادِ فرمانروائی دیتا ہے۔
بسکہ بندہ گر فتگی تو ہے بندگی کیجئے گر ابلہ کی،
یا پھر اس کی، زعیم سے اپنے جو ہو سرتاب، جس طرح سارے
تیرے حلقہ بگوش یہ چیلے۔
تو نہیں ہے بذاتِ خود آزاد، بلکہ اپنا غلام بدتر ہے،
ہدفِ طعن تو بنا تا ہے پھر ہماری یہ کارپردازی۔
راج گدی سنبھال دوزخ میں وہ قلمرو تجھے مبارک ہو،
اور رہنے دے شاد کام مدام عرش پر مجھ کو بندۂ یزداں
کہ بجالاؤں سرمدی احکام۔۔۔ احسن (احکام) واجب التعمیل۔
ہیں سلاسل نصیب دوزخ میں، واں اقالیم کی امید نہ رکھ،
اسی دوران میں جو لوٹ آیا تو نے جیسے کہا فرار سے میں،
دیکھ کرتا ہوں نذر تسلیمات لے سنبھال اب یہ برنجس قلپاق!" (ف)
کہہ کر اتنا رسید کی اس نے ضربِ کاری، اٹھا کے ڈیڑھ ہتھی (تلوار)

بے دھڑک جو گری بلا بن کر اہرمن کے زعیم طرے پر۔
روک سکتی نہ تھی نظر اس کی' نہ ہی برقِ خیال کی جنبش
سخت غار تگری مگر ایسی' ڈھال کی تو بساط ہی کیا تھی۔
دس وہ گھمبیر ڈگ ہٹا پیچھے' بل پہ گھٹنے کے ٹک گیا دسواں
حجم و رزم نے سنبھال لیا'
نیچے دھرتی پہ بحر و خشکی میں آندھیاں جیسے رہ بنانے کو
نیوسے برپت اسطرح پٹخیں کہ وہ اونچے صنوبروں کے ساتھ نصف اندر کی سمت دھنس جائے۔
متحیّر ملائکِ سرتاب دیکھ کر اور تاؤ میں بپھرے
یوں زبوں ہو مہابلی ان کا۔
شور اپنی صفوں میں نعروں کا' اک مسرت کی لہر دوڑ گئی'
کامرانی کی نیک فال ملی' اور وحشی جنونِ جنگ ہوا۔
سرکروبی کو میکائیل نے تب جھٹ ترم پھونکنے کا حکم دیا'
گونج پہنائے عرش میں پھیلی۔
عسکرانِ رفیق اِحسنتَ متعالی کے زمزمہ خواں تھے۔
کب کھڑا گھور تا غنیم رہا متصادم ہوا وہ تندی سے
غضب و غیض' ہول و ہلہ میں وہ خروش و شغب وغا کا تھا
ایسا طغیانِ غرغرو غوغا جو فلک پر ہوا نہ تھا پہلے۔
اسلحہ کی خراش خفتاں پر جنگ بنکارتی تھی ہیبت ناک' (زرہ)
اور برنجی رتھوں کے پہیے بھی تاؤ چکر میں جھنجھناتے تھے۔
الاماں گھن گرج لڑائی کی'
اخگری اخگری خدنگوں کی موسلا دھار سر پہ سنکاریں

تانتی ہر سپاہ کے اوپر لال لال آتشین محرابیں۔
دونوں یوں شعلہ ناک چھجوں میں تند خوئی سے معرکہ آرا
خشم ناقابلِ فروان کا' رن میں کشتوں کے لگ گئے پشتے'
ہل گیا عرش شورِ وحشت سے'
اور دھرتی یہ تب اگر ہوتی ٹھیک پاتال تک لرز جاتی۔
کیوں اچنبھا کہ الملائک تھے لاکھ پر لاکھ صف در و جرار
دونوں جانب مبارزت انگیز۔
وہ' ہوئے پر بھی جو قلیل تریں سب عناصر کو سرنگوں کر لیں
اور ایسے میں سارے خطوں سے ہر مسلح کمک بہم کر دیں۔
زور زائد فزوں فزوں تر تھا فوج پر فوج تھی مگر درکار
خون آشام رن کی بھٹی میں بیش از بیش جھونکنے کے لئے۔
تاکہ وہ اپنی زادبوم سعید تہ وبالا کریں' اگر اس کو وہ نہ ---بالکل تہس نہس کر دیں۔
ازلی شاہ قادرِ مطلق دژِ عرشِ بریں سے یہ امکاں
آپ چھوڑی ہوئی طنابوں کو کھینچ کر مسترد نہ فرماتا۔
گرچہ اس کسرِ کمیّت پر بھی جیسے حصہ رسد میں جند ہر اک
ملخ و مور اور ریگِ رواں'
جس کا ہر بازوئے مسلح تھا آپ جرات میں صد قشون مثیل۔
نقل و حرکت میں جنگ کے ہنگام آپ سیناپتی ہر اک ساونت
رزم پیشہ و آزمودہ کار' کرّوفر کے طریق میں ماہر'
کب ڈٹے' ہٹ کے پیش قدمی کب' کب بدل دے لڑائی کا پانسہ'
گھات میں داؤ پیچ میں کیسے پینتروں سے کشادو بست کرے'

تھا خیالِ فرار و پسپائی، نہ کوئی خوف بد نما، جس سے
مستند کیفیت ہراس کی ہو۔
ذات پر اعتماد ہر اک کو صرف جیسے اسی کے بازو میں خیمہ زن ساعتِ مظفر ہے،
کارنامے دوام شہرت کے تیغ دو دم اسی کی لکھے گی!
حرب و حربہ کا دور دور تلک اس طرح دائرہ وسیع ہوا۔
دو بدو اب زمیں پہ دست بدست، روبرو زن بزن خلا میں اب
سب ہوا درد سے کراہ اٹھی، آگ کا ہر طرف بپا دنگل۔
دیر تک تو لڑائی کا پلہ اک برابر رہا۔۔۔ کہ اس دن تو
اہرمن نے مظاہرہ اپنی قوتِ بے پناہ کا وہ کیا،
نہ کوئی بیر سورما پاسنگ ہلّہ بے دریغ میں نکلا ان سرافینِ عربدہ جو کا۔
دور تا ڑاجہاں پہ خوں آشام خنجرِ میکائیل بُراں تھا
کھیت اک بارگی وہاں بے انت، ضربِ دو دست کر رہا تھا رسید
اس طرح تند تیز، سو مقتل باڑھ تیکھی بکھیر دیتی تھی۔
ایسی غار تگری کو ٹھہرانے پیٹھ اپنی وہ ٹھونک کر لپکا۔
دس گنا قوسِ متّری اس نے سخت گھمبیر ڈھال پر روکی۔
وہ رئیس الملائکہ اپنے جنگبازانہ صعب میں ٹھٹکا،
اور چندے وہ خوش امید ہوا
خانہ جنگی سرِ فلک آخر ختم اب بد قوار کر دے گا!
پابجولاں کشاں کشاں وہ اسیر، وہ عدوئے خبیث اب تسخیر!
نفرت آگیں شکن بہ پیشانی، رخ برافروختہ، غضب برہم
ہمکلام اس طرح ہوا اول: "موجدِ شر" کہ تھا یہ نامعلوم،

اس بغاوت سے قبل تو شر کے نام تک سے نہ عرش واقف تھا۔
اب ہے، گھمبیر دیکھ تو کیسی قابلِ نفرت ابتلاؤں کی (خون آلودہ) کاروائی تمام،
سب کے نزدیک قابلِ نفرت،
گویہ تجھ پر، ترے حواریوں پر ہے بجا طور سے شدید گراں۔
کس طرح کی الٹ پلٹ تو نے خوشگوار آشتی سماواتی،
کیسی آفت مچائی فطرت میں
کہ ترے جرمِ سرکشی سے قبل جو نہیں معرضِ وقوع میں تھی۔
ان ہزاروں میں بھر دیا تو نے زہر اپنے عناد کا کیسا
جو کبھی راستباز و مخلص تھے ---- کیا دغاباز و پُر فتن نکلے۔
کر نہ لیکن گمان کر دے گا یہ مقدس سکون تو ابتر،
عرش اپنی حدود سے تجھ کو دور دھتکارتا ہے دور، پرے
عرش یہ کارگاہِ امن واماں،
خون ریزی، ستیزہ کاری کی حرکتیں کب یہاں گوارا ہیں۔
دفع ہو جا یہاں سے، دور دفان ساتھ یہ تخم خانۂ شر بھی،
جاؤ، جا کر مچاؤ تم گڈمڈ اب دھما چوکڑی جہنم میں
تو، یہ چنڈال چوکڑی تیری،
قبل اس سے بنے ترا مقسوم مری قمقام تیز خون آشام،
یا شدید انتقام یزداں کا ناگہانی جھپٹ کے طیرانی
جھونک ڈالے پلک جھپکتے میں اور مفرط عذاب کے اندر۔"
یوں ملائک ملک سخن گفتہ، تو وہ شیطاں جواب میں اس کو:۔
"اس ہوا میں نہ رہیو تو مرعوب یوں کرے گا ہوائی بھرّوں سے

بال بینکانہ کر سکا جس کا سخت خونین کاروائی سے'
تیری نفرت سے کچھ نفر پسپا' یا کوئی کھیت بھی رہے رن میں
پھر پلٹ کر کریں گے وہ ہلہ پھر اٹھیں گے وہ تان کر سینہ ---
ہم کہ ہیں غیر قابلِ تسخیر' تو غلط زعم سے مقابل ہے
کہ بھگادے گا دھونس دھمکی سے۔
غلط اندیش یوں نہیں ہوگا ختم خونیں تنازعہ باہم'
شر کہا ہے جسے --- مگر اس کو ہم نزاعِ وقار کہتے ہیں ---
تخت یا تختہ' فتحیاب ہوئے' تو جہنم کریں گے عرش یہی
تو فسانہ طراز جس کا ہے۔
ہم بہر حال یاں رہیں آزاد' نہ سہی گر نہیں عملداری۔
اب رہے قاہرہ قشون ترے
(اور کر شاملِ کمک وہ بھی' وہ مسمّی خدائے باقدرت)
میں نہ ہرگز گریز پا ہوں گا۔
بلکہ تیری تلاش میں میں نے دور و نزدیک چھان مارے تھے۔"
ہوئی تکرار بند پھر دونوں مستعد پنجہ آزمائی پر
بسکہ ناگفتنی ---- بھلا کس کو..... گو فرشتوں سا خوش بیان سہی.....
مقدرت اس قدر بیان کرے' دے تو دے کن بدیہہ اشیا سے
ارض پر وہ مشابہت' آساں ہم قدم ہو تصور انسانی
اوج پر دیو تائی قوت کے۔
خواہ ساکت تھے' خواہ جنبانی وہ خداوند عین لگتے تھے۔
اسلحہ' داؤ پیچ' قد قامت تھے وہ موزوں چکائیں برجستہ

ملکِ عرشِ عظیم کا قضیہ۔
وہ حواری تھے یا موالی اب ان حوالی میں طیشنا کانہ
اپنی آتش فشان تیغوں سے گھیرے گھمبیر گھیر کر ڈالیں۔
آمنے سامنے دہک اٹھیں دو فراخ آفتاب سی ڈھالیں'
ڈونڈھتی تھی امید ہولدلی دل جلے عالمِ تذبذب میں۔
رن پڑا تھا جہاں ابھی گھمسان'
ملکوتی جیوش تیز ہٹے چھوڑ کر بیچ میں کھلا میدان
تاکہ محفوظ ہوں وہ بلوے کے اس قدر زوردار جھکڑ میں۔
جس طرح (ہو بزرگ اشیا کا خورد پر کچھ قیاس) اگر آہنگ
سازِ فطرت کا ہو شکست صدا' تار امنڈلوں میں غدر مچ جائے۔
اثرِ بد کے تحت تندی سے دو جھپٹ کر قران سیارے
متصادم ہوں وسطِ گردوں میں' گڈمڈ آپس میں ہوں کرخت کُرے۔
قدرتِ کل پہ حاویانہ ساتھ اب جو بازو یہ دونوں لہرائیں
تو سکت سے لگے کہ فیصلہ ہی ایک دم اس طریق سے کردیں
دوسرے وار کی نہ احتیاج رہے،
ہاتھ پھرتی سے دینے روکنے میں اک ذرا بھی تو اختلال نہ ہو!
کی گئی تھی گھڑنت کی صمصام وہ عطا مسلحہ سے یزداں کے
حضرتِ میکائیل کو جس کی باڑھ کی تاب لانہ سکتا تھا
ٹھوس ہتھیار دھار دار کوئی۔
یہ گری اہرمن کے کھانڈے پر اس قدر زور شور سے' بھرپور
کاٹ ادھوری تھی محض' پر نیچے نہ رکی' تیز گھوم کر آڑی

دور اندر تلک گھسی' اس کے وائیں پہلو کو صاف اڑاتی ہوئی۔
درد کی کیفیت ہوئی معلوم اہرمن کو تب اولا" ۔۔۔۔ دوہرا
وہ پس و پیش اینٹھ کر بیٹھا۔
تن شکن ماسخور زخم لگا وہ چکا چک چکا خراشیدہ
تیغ گزری ۔۔۔۔ مگر اشیراتی جو ہراب مندمل ہوا ۔۔۔ تادیر
گھاؤ اس کا ہرا نہیں رہتا'
لاکھ موکھے سے اک تللی سی سوم رس کی لہوندی نکلی ۔۔۔
دیو تا انگ خوں فشاں جیسے ۔۔۔
اور برگستواں تمام اس کا جگمگاہٹ گنوا کے لت پت تھا۔
آئے آڑے تب ان گنت بلوان دیو تا گرد ڈال کر گھیرا
بن گئے آڑ بیچ میں آکر'
جبکہ ڈھالوں پہ ڈال جھٹ اس کو رتھ میں واپس لپک لئے دیگر۔
کچکچا تا ہوا وہ بتیسی کرب' خفّت' عناد کے مارے'
کہ یگانہ نہ رزم میں نکلا'
خاک میں مل گیا غرور اس کا' پول بوتے کا کھل گیا چوپٹ'
ہوئی مٹی پلید' بھد بھدّی'
وہ چلا تھا گھمنڈ میں بدمست زورِ یزداں سے ہمسری کرنے۔
جلد ہی تاہم اندمال ہوا کہ وہ کرّوبیاں حیا تینی
ہمہ تن عضو عضو ہیں ذی روح۔
نہ کہ جیسے نزار زار انسان دل جگر گردہ مغز احشا میں
بے بسی سے بس اختلال پذیر موت کے گھاٹ اترتے جاتے ہیں۔۔

مائعاتی نسیجِ قدسی میں نرم سیال باد کی مانند
نہیں امکانِ زخمِ مہلک ہے'
دل ہمہ پائیدار وہ تو ہیں حس ہمہ' سر ہمہ' ہمہ دیدہ
ہمہ گوش و دماغ۔۔۔ حسبِ مراد آپ ہوں بند بند در پیوند'
رنگ روپ اور ڈیل ڈول کریں بہتریں جو پسندِ خاطر ہو'
وہ لطیف و کثیف' نرم و درشت!
کارنامے دگر بہ ہر اطراف یادگاران کی لائق تعمیر'
رزم انگیز جس محاذ پہ تھی تند تر شاہ زوریٔ جبرئیل
جو اڑاتے ہوئے پھریروں کو بے تحاشہ صفیں الٹتی تھی'
بڑھ کے' مالوق شاہ وحشی پر جو مقابل ہوا تھا ٹھونک کے خم'
بہ ایں تہدید رتھ کے پہیوں سے باندھ اسے وہ کشاں کشاں لے جائے'
شانِ یکتائے پاک عرشی میں جو کہ ہذیانِ کفر بکتا تھا۔
لیکن اک دم وہ تا کمر دو لخت' اسلحہ پاش' درد ناہنجار
بھاگ نکلا وہاں سے ڈکراتا۔
اور اس لاف زن حریف کے تھے بازوؤں پر رفاعل و عورئیل
---یہ گرانڈیل' پاکھر الماسی' بے محابا مگر ہوا مغلوب
اور اسکے مہیب ساتھی بھی۔۔۔۔ وہ زبردست پیلتن عفریت
اور ا میلیخ و آسماڈوئی۔۔
وہ گوارانہ تھا جنہیں ہونا دیوتاؤں سے کم مراتب میں۔
بھاگے بگٹٹ کہ گم ہوئی سٹی' بھول بیٹھے وہ دون کی لینا
یوں چہار آئنہ و چلتہ میں گھور گھاؤ سے بھر گیا بھرکس۔

اور تھا مستعد ادھر عبدیل غولِ ملحد کو ضیق و خوار کرے۔
دو گنُے تیز تیز دھارے سے ارژخ وارئیل نے 'کی دَوِش دگنی'
رامئیل نے اکیلے بھون دیا' اور پرزے اڑا کے۔۔۔ وہ مارا!
وہ ہزاروں تھے گر بیان کروں:
نام تاباں' دوام ثبت ان کا ہو سماوات کے جریدے پر'
جو بھی شہرہ ہے عرش پر اس سے چیدہ قدسی فرشتے قانع ہیں'
آدمی سے نہیں ستائش خواہ۔
نوعِ دیگر۔۔۔ بزعمِ خود جو ہیں زور گُن میں عجوبۂ نادر
اور جو رن میں کارناموں پر نام و شہرت کے کم نہیں بھوکے،
ان کی یادِ شریف پر لیکن کارپردازِ ازل نے بر سرِ عرش
خطِ تنسیخ صاف کھینچ دیا۔۔۔
ہو گیا ایک تیرہ و گمنام کنج نسیاں ٹھکانہ ٹھوران کا۔
بسکہ طاقت کو عدل سے' حق سے فصل کرنا ہے غیر مستحسن'
لائقِ ذلت و مذمت ہے۔
گو بڑائی کے ہیں تمنائی' پر یہ بر خود غلط کماتے ہیں
نام بدناموں کے ناتے سے'
عاقبت کار رہے نصیب ان کا مستقل لازوال سناٹا!
سامنے تھے مہابلی بلونت
کئی پانسے لڑائی نے پلٹے' کئی خونیں چپاولیں' جھڑپیں
وہ اندھا دھند بھڑبھڑی' بھگدڑ' وہ خرابی وہ ابتری۔۔ گڈمڈ
ریزہ ریزہ سلاح و اعضا سے چپہ چپہ نبرد زار اٹا۔

ڈھیر رتھ بان اور رتھ بھربھنڈ' پشتہ آتش لعاب خنگ انگ انگ۔ (پورا اجاڑ)
جو بہ جا تھے نڈھال ہٹ آئے اہرمن کے شکستہ لشکریں
سلب تابِ مقاومت تھی یا ناگہاں درد خوف کے مارے۔
ناگہاں آلیا تھا پہلی بار خوف نے اور درد کی حس نے'
دم دبا کر فرار ذلت ناک۔
سرکشی کے گناہ نے ان کو حالِ ناگفتہ بہ پہ پہنچایا'
وہ کہ اس وقت تک رہے مامون خوف یا درد یا فراری سے۔
منضبط' غیر منہزم لیکن سرِ میدان اولیا قدسی
تھے موثق مکعب کُردوں میں ---- ناگزند' آمن' اسلحہ بر جان'
اپنے اعدا پہ بے پناہ انہیں دی تھی معصومیت نے فوقیت'
روکشِ بندگی نہ عصیاں کوش۔
جنگ میں مستعد بہ پامردی' بے کسل' بے ضرر پذیر' --- ان کو
سوزشِ زخم سے نہ ہو تکلیف'
تھے تشدد کے سدِّباب کو وہ گر تھے اپنی جگہ سے جنبیدہ+
عرش پر تیرگی کو دی ترغیب اور شب نے سفر شروع کیا'
صلحِ مشکورِ عارضی عائد --- جنگ کے بد تمیز ہلڑ پر
پسِ سکرات اب سکوت ہوا۔
بادلے کے لحاف میں چپ چاپ اب دبکتے ہیں غالب و مغلوب'
میکائیل و مظفّری قدسی ہو کر آوردگہ میں خیمہ زن
متعین طلایہ گرد کریں ---- نارِ جنباں ملائکہ تمثال۔
دوسری سمت اہرمن باغی لاؤ شکر سمیت الوپ ہوا'

دور اندھیرے میں جا پڑاؤ کیا۔
اپنے بیگانہ قرار حلیف شاہ سلطان مشورے کے لئے
شبِ ظلمات میں اکٹھے کئے پھر خطابِ ہراسِ نامانوس:
"اے دلارے دلیر دلدارو، جان جوکھوں میں ڈال کر نکلے،
طے ہے یہ امر بالیقین، اگر ہیں مسلح نہ زیر ہم ہوں گے
اہل ثابت نہ حریت کے فقط ۔۔۔۔ وہ تو محض ادعائے ادنیٰ ہے
یاں ٹھہرتی ہے کب نظر، ہم کو خوب تر کی ہے جستجو ۔۔۔ یعنی
ملک و عزّ و قار و ناموری۔
غیر واضح محاربہ میں جو ایک دن کامیابِ ہمت ہے،
(گر ہے یوما" نہ کیوں مدام ایام؟)
ہم پہ ارسال گردِ کرسی سے والیٔ عرش نے کیا جو کچھ
انتہائی قوی تھا اس کے پاس، پھر بدانست خوب کافی بھی
'مُن یّشا' کا ہمیں مطیع کرے، لیکن ایسا نہیں وقوع ہوا۔
جانیں کوتاہ بہرِ مستقبل پیش بینی میں، آج تک جس کو ہم ہمہ بین مانتے آئے۔
یہ بجا، باعثِ زیاں چندے اور نشتر فگار درد ہمیں
سازو سامانِ کم عیار ہوا۔
تھا نہیں خاص تجربہ اب ہے تجربہ تو یہ دفعتہ "کافور۔
ہم نے اپنی شبیہہ لاہوتی ایمنِ زخمِ کارگر پائی،
غیر فانی کہ زخم برمائے، آئے، فورا" کھرنڈ، ہو جائے
مندمل قوتِ غریزی سے۔
پھر تو افتاد ہیچ گردانو سہل ایسے اگر مداوا ہو!

اسلحہ بیش کارگر شاید، کوئی ہتھیار بیش خون آشام،
آمنا سامنا ہو آیندہ تو ہمیں سرفراز کر ڈالے
اور دشمن کو سرنگوں کر دے۔
یا برابر کرے تفاوت جو ظاہری طور ہے بہم مابین۔
بہ لحاظِ طبیعت و خاصہ اصلاً" اس کا کوئی وجود نہیں۔
وہ کسی اور امرِ مخفی کی کار فرمائی سے ہیں بالادست،
استطاعت ہمیں بھی ہے محفوظ رکھ سکیں ذہنِ بے گزند رسید
اور معقول قوتِ ادراک،
آشکارا کرے گی برجستہ چھان بین اور بات چیت مزید۔"
وہ تھمارا جیہ سبھا میں اٹھا نیسر کھ، دیوتاؤں کا مکھیا،
وہ کہ بچ کر کٹھور دنگل سے بھاگ نکلا تھا، پر تھکا ہارا
ٹوٹے پھوٹے کٹے پھٹے ہتھیار، یوں گھٹا گوت نے دیا بھاشن:۔
"ان نئے چکرورتیوں سے ہمیں تیرے کارن ملے گا چھٹکارا،
ہے ادھیکار کھائیں پھل نیتا ہم یہ دیوا سمان جی بھر کے۔
پر کٹھن دیوتاؤں کو دگدا۔
بے تکی بات ہے بھڑانا سر جب کھڑکتے ہوں بے تکے کھانڈے
اور اس پیڑ تا میں چور، ان سے جو ہیں ان تھک، جنہیں نہ ہو پیڑا،
ستیاناس، انت اس رن کا۔
ویر تا اور بل سپھل کا ہے، لاکھ انمول، جب کچو مرہی
پیڑ تا دے نکال، کھیت رہیں، یا کرے یوں نڈھال، پڑتے ہوں
سورماؤں کے ہاتھ بھی اوچھے۔

ہم بھلے سے تجیں یہ بھوس بلاس، جی کڑھائیں نہ، چین سے بیٹھیں (ف)
مانو بے انت شانت جیون ہے، پیڑ تا تو نری کھکھیڑ بھئے،
نردئی، ساری ڈائنوں سے ادھک۔
اور پھر اسکی بھاؤنا ایسی شانتی سب اتھل پتھل کردے۔
پس اگر کوئی گھڑ سکے ڈھینگا جس سے بلوان بن کے چڑھ دوڑیں
دشٹ بیری پہ جو نہیں گھائل،
ایسے ہتھیار سے کریں یا لیس آپ رکھشا جتن کو ہم اپنی۔
کم یہ کرپا نہیں تری اس سے تو دلائے ہمیں اگر سوراج +"
اہرمن تب جمیع خاطر سے یوں بپاسخ سخن طراز اس سے:
"غیر ایجادہ کردہ پیش کروں
جو بجا طور پر ترے نزدیک کامرانی کی اک ضمانت ہے۔
ہے جو اس قالبِ اثیری کی سطحِ شفاف کا تماشائی،
ہم یہاں جس پہ ہیں قیام پذیر ---- ہاں یہ عرش عظیم کا گنبد،
جو مزین ہے نخل سے، پھل سے، پھول سے، دیو بھوج امرت سے
زر جواہر سے، لال ہیروں سے،
آنکھ جس کی تمام یہ چیزیں سرسری جائزے میں لاتی ہے،
دھیان آتا نہیں نموان کی دور اندر زمیں میں کس سے ہے .....
گھور کھنگر مواد، آتشناک پھین، دو آتشہ گداختہ جو
مس ہو عرشی شعاع تو پکیں، دلفریبی کے ساتھ یوں پھوٹیں
وہ ضیائے محیط میں کھل کے؟
یہ مہیا کرے گی گہرائی حاملہ تیرہ ماہیتہ جس کی کوکھ میں نارِ حامیہ ہوگی۔

جب اسے کوٹ کوٹ کر بھر دیں
منجنیقوں کی کھوکھلی، لمبی گول نالوں میں، دوسری جانب
آگ رنجک میں دیں تو اڑ جائے بھک سے یہ پھیل کر مہیبانہ
جو غنِ فتنہ خیز تندی سے وہ کڑک دار گھن گرج پھینکے (پتھر دور مار گوپھن)
دور سے دشمنوں میں، ٹکرا کر، جو مزاحم بھی راہ میں آئے
ریزہ ریزہ و پاش پاش کرے اور جھٹ پٹ اسے کچل ڈالے،
ہم نے یہ وسوسہ کیا پیدا
کر دیا ہے نہتہ اندر کو چھین کر اس کی سب کڑک بجلی،
اب یہ کاوش نہ طول کھینچے گی، خواہش اپنی بر آئے گی جلدی،
دیکھ لینا طلوعِ فجر سے قبل۔
پس طبیعت کو اب کرو چونچال، خوف کیا چیز ہے، پرے جھٹکو۔
ہو اکٹھے صلاح و زور اگر کوئی مشکل نہیں نہ آساں ہو،
کوئی پھر کس لئے ہراساں ہو؟"
ختم کی بات، منہ جو لٹکے تھے، لفظ اس کے سنے تو کھل اٹھے،
سوکھے دھانوں میں پڑ گیا پانی، جان مردہ امید میں آئی،
وہ جو لایا تھا دور کی کوڑی، واہ وا اس اپج پہ کی سب نے۔
حافظہ سے اتر گیا تھا کیا موجد اس نکتہ سنج کا ہونا،
دستیابی پہ سہل لگتا ہے، گر نہ ہو دستیاب تو بے شک جانئے نادر الزماں اس کو۔
یہ بھی ممکن ہے اتفاق (آدم) خبثِ باطن کی ہو اگر افراط
کوئی ایامِ عہدِ فردا میں، تیری اولاد سے شر آمادہ
یا ہرانگیختہ خیشانہ، فتنہ جویانہ، ہمچنیں آلات

ضیق ابنائے مردماں کے لئے ازبرائے خطا بہم کرلے!
باہمی کشت و خون کے درپے، جدل و جنگ پر کمربستہ
جھٹ سبھا سے وہ کام پر لپکے، کوئی لایا نہ بیچ میں حجت
ان گنت ہاتھ مستعد مصروف،
دور دور آسمان کی مٹی لحظہ بھر میں اتھل پتھل کردی۔
پائے فطرت کے اصلئے اپنی حالتِ حملِ خام میں شورہ،
کفِ کبریت ان کے ہاتھ لگا،
باہم آمیختہ و ضم کردہ، بیختہ سوختہ مہارت سے
دانہ کالا بھجنگ ست کرکے کوٹھی کٹھلوں میں جا بھراڈھیروں۔
نیم مخفی شگاف برکندہ (ہیں اسی طور ارض میں احشاء)
معدن و سنگ دار تاڈھالیں
توپ، ڈھینگے، تفنگ، گل، جنتر۔۔۔ دور مار اور تباہ کن ہتھیار،
کی فراہم وہ کلکِ آتش زن جو سریع السعیر چھوجائے
گر ذرا بھی تو جھٹ بھڑک اٹھے۔

یوں سپیدیٔ صبح سے پہلے چوری چوری تمام کام کیا۔۔۔ شب اگرچہ تماشابین رہی۔
ٹھیک ٹھاک اوٹل احتیاط سے خوب سب خموشی کے ساتھ نمٹایا۔
خوش نما صبحِ خاوراب پھوٹی برسرِ عرش، کامراں قدسی
اٹھ گئے اسلحہ سنبھال اپنا کہ بگل نے رجز بجاڈالا۔
ہوئی شیرازہ بند سرعت سے اسلحہ پوش نورپاش تمام
فوج زرّیں زرہ میں سرتاپا۔
گردوپیش اب نگاہ دوڑائی سحر آرا پہاڑیوں پر سے،

ہلکے پھلکے، سجائے تیر کمان،
ہر کنارہ طلایہ داروں نے چھان مارا کنگھالا ہر کونا،
دور دشمن کا کوئی کھوج لگے، خیمہ زن ہے کہاں، کدھر مفرور،
گر نبرد آزمائی کی دھن ہے، کوچ میں یا پرے جمائے ہوئے۔
تیر تا سا سبک تریں طیراں طوفل آیا پلٹ کے طوفاں سا
سب سرافین میں سوا طرار وہ پکار افضا میں چیخ کے یوں:
"اُقتَل، اُقتَل، فَتا، فَتا، ---- غزوہ،
وہ عدو سر پر آن پہنچا ہے تھا ہمیں وہم جو فرار ہوا،
آج کے دن ہمیں تعاقب میں دور تک کوفت سے نجات ملی،
دغدغہ کم گریز پائی کا
مثلِ ابر دبیز آتا ہے، اس کے بشرے سے آشکارا ہے ایک عزمِ صمیم شورہ پشت،
ہر کوئی اب کمر کسے مضبوط، زیب تن آہنیں قبا کر لے
خود اپنا دھرے جما کر سخت، بھینچ کر تھام لے سپر کروی،
زرہ بکتر لگائے ---- اندازہ ہو رہا ہے مجھے کہ یہ امروز
نہ ترشح کرے گا نیسانی ہوگی بوچھاڑ دھڑ دھڑاتی ہوئی
آگ کے نیش دار تیروں کی۔"
یوں خبردار انہیں کیا گو خود علم ان کو بھی کم نہیں ہوگا،
ہر طرح لیس ہو کے پل بھر میں، وہ صف آرا ہوئے سریعانہ
بے تردد، کمال چوکنا خوب چوکس، نڈر بڑھے آگے
جبکہ دیکھو نہ خاص دوری پر بڑھ رہا تھا گراں قدم ہر دم
وہ زبردست و پر ہجوم غنیم --- اک مجوّف مکعب کی صورت

کھینچتا توپ خانہ ابلیسی چال بازی کی پردہ داری کو
برکشیدہ ہر ایک بازو پر دستہ ہائے کثیر سایہ پوش،
آمنے سامنے ڈٹے چندے، دفعتہ "اہرمن بڑھا آگے
اور ببانگِ دہل یہ احکامات نشر کرتا سنائی دیتا ہے:۔
"راست و چپ، مقدمتہ الجیش، صفِ اول کو آشکار کرے
کہ وہ سارے ملاحظہ کرلیں جو ہمیں ناپسند کرتے ہیں
کس طرح امن و آشتی خواہاں، پاسدارانِ وعدہ و پیماں
خیر مقدم کے واسطے، ہم لوگ اس کشادہ دلی سے ہیں تیار۔
پیش کش گر قبولِ خاطر ہو، پشت دکھلانہ جائیں نخوت کیش،
گرچہ اس باب میں مجھے شک ہے۔
عرش تاہم گواہ تو رہیو، عرش فی الوقت ہے گواہ کہ ہم
کر رہے ہیں ادا بہ طیبِ دل اپنا کردار التزام کے ساتھ۔
تم جو مامور ایستادہ ہو فرض پورا مفوّضہ کرنا،
مختصر وہ معاملہ چھیڑو ہے جو مد نظر، بلند آواز اس قدر ہو۔۔۔۔ سبھوں کے گوش گزار+"
یوں کہے تھے ٹھٹھول ٹھٹھے کے بس مساگول مول بول اس نے
جب چپ و راست قلب سے بٹ کر میمنہ میسرہ کی سمت ہٹے،
جھلملائی ہماری آنکھوں پر تب بگوڈا سمان لاٹوں کی
اک نرالی نئی پرت تہری، بارارابہ پہ ایک دبّابہ
(مثل لاٹوں ہی کے دکھائی دیئے یا پہاڑوں بنوں سے کاٹے ہوئے
کھوکھلے سرو اور بلوط کے پیڑ، ٹہنیوں سے تہی تنے ٹنڈ منڈ)
قالبِ سنگ و آہن و رویہ،

(پیتل)

اس طرح واشگاف تھے ہم پر دہنوں کے ڈراؤنے موکھے
کہ شگونِ خراب سے سارا عارضی صلح کا بھرم کھل جائے۔
پسِ ہر یک نشستہ ایک حراف
ہاتھ میں ایک کلک جنبیدہ نوک جس کی شدید آتشناک،
ہم تذبذب میں جملہ استادہ، گم خیالوں میں ششدر و حیراں۔
دیر گزری نہ تھی کہ سب کلکیں، دفعتہ "آمدہ بروں یکبار
درزِ باریک کے درون لگیں نرم و نازک قرینہ دمس سے۔
ایک شعلہ بھڑک اٹھا یک لخت دود میں جو سیاہ پوش ہوا۔
آسماں بھرّے نرخرے والی ان کلوں سے دہل دہل اٹھا،
شورِ وحشی سے دھاڑ کے آنتیں منہ کو آئیں خلائی و حولی،
بلکہ اس نے ادھیڑ کر رکھ دیں --- اور سارا خبیث ملغوبہ
باہر ان سے نکل پڑا --- کڑکا برق کا، جھنجھناتی زنجیریں
اور اسپات کے کرّے اولے، اس غضبناک قہر سے پھٹ کر
فوجِ فاتح کے سر پہ ٹوٹ پڑے
کہ جنہیں بھی لگے نہ پھر اپنے پاؤں پر رہ سکے کھڑے جم کر،
لاکھ جم کر چٹان کی مانند گر کھڑے بھی تھے، گر گئے دھم سے
اور تعداد میں ہزاروں کی --- ہر ملک بر ملک لڑھکتا ہے،
اسلحہ کی بدولت اور بھی تیز، کہ نہ ہتھیار بند اگر ہوتے،
طیف تمثال ترت پھرت وہیں سہل کنّی کتر گئے ہوتے،
آن میں پینترا بدل لیتے، یا بچا کر نظر نکل جاتے۔
ابتلا ابتری جواب پھیلے بسکہ ہونا پڑا انہیں پسپا،

بے مرتب ہوئیں صفیں ساری کوئی صورت نہ بہتری کی رہی'
پس چہ باید کنند؟ پھر ہلہ کیجئے بھی اگر' ہزیمت ہو
تو یہ دونی شکست نازیبا! بھد اڑے گی سوا' غنیم ان کا
کیسی ٹھٹھکو لیاں اڑائیگا۔
باندھ کر شست ٹھیک' دیگر بار تھی سرافین میں مراتب وار
ایک صف اور روبرو تیار داغ دے رعد توپ خانے کی'
منہ کی پھر کھا کے لوٹنا پیچھے' واقعہ شرمناک انہیں ہو گا۔
ان کا یہ حالِ زار جب دیکھا' ساتھیوں کو پکار کر بولا
اہرمن اسطرح تمسخر سے:
"اے رفیقو یہ فاتحین ان سے سربلند آپ اب ہوئے کہ نہیں؟
چڑھ جو دوڑے تھے تند خویانہ' ان بزرگوں کے خیر مقدم کو
وا کئے ہم نے سینہ و آغوش (کیا بھلا اور ماسوا کرتے؟)
پیش کیں تصفیہ کی جب شرطیں' رائے اپنی بدل کے وہ یکدم
بھاگ نکلے عجب ترنگوں میں رقص پر جس طرح کمربستہ'
رقص آمادہ' اضطراب میں وہ کس قدر باؤلے نظر آئے
امن کی پیش کش پہ خوش شاید۔
میری دانست میں جو دوبارہ یہ تجاویز ہوں انہیں درگوش
قائل اب کے ضرور کرلیں گے ہم کسی فیصلے پہ جلد انہیں۔"
یوں کیا پھر خطاب بلیَل نے شوخیٔ طبع کا وہی انداز:۔
"قائد ارسال جو شرائط کیں وہ زیادہ ہی کچھ گراں ہونگی'
تھیں شقیں شاق' جبر کی مظہر' سوجھتے ہی بنی مگر گھر کی'

نوعیت واقعی یہی ہوگی متحیر ہیں جو تمام ایسے
متامل ہیں چند جو سمجھیں
گر نہ پلے پڑیں کہ ابہام اک مَلکہ مستزاد ہوتا ہے'
یوں ہی دشمن سے چاہئے اظہار ہم سے جب وہ چلے نہیں سیدھا!
مسخرے پن کا کچھ ٹھکانہ تھا' وہ کھڑے دل لگی رہے کرتے'
تھے خیالوں میں سرفراز اپنے' شک سے بالا وثوق نصرت کا'
قوّتِ لم یزل سے' زعم تھا یہ' اختراعات ان کی پُور پڑیں'
نزدان کے حقیر الصّیحتہ' خندہ زن تھے جنودِ یزداں پر'
دیر سے جو پھنسی تھیں مشکل میں --- گو نہ مشکل میں وہ رہیں تادیر'
آخرِ کار اشتعال آیا' ڈھونڈ پایا جو اسلحہ نکلے کارگر اس خبیث فتنہ پر!
یک بیک (دیکھ تو تفوّق اور طاقت اپنے قوی فرشتوں کو
جو ودیعت کئے ہیں یزداں نے) اپنے ہتھیار تو پرے پھینکے
اور جھپٹے پہاڑیوں پر وہ (ہے میسر زمیں کو گردوں سے
نوع یہ لطف لطف کی واقع دمن و کوہ میں) سبک جیسے
چشمکِ برق ہو دواں پراں۔
پیش و پس خوب دے کے ہلکورے جڑ سے جنباں جمے جمائے جبال
ندیوں' جنگلوں' چٹانوں کے بارِ جملہ سمیت اکھاڑ لئے ،
تھام کر جھبری چوٹیوں سے انہیں اپنے ہاتھوں میں پھر کیا اونچا
ہکا بکا کہ واقعی باغی دَل مہادَل پہ چھا گئی دہشت'
ہولناک اپنی سمت جب ریلے یوں دکھائی دیئے انہیں اوندھے
پیندے بالائی رخ پہاڑوں کے۔

زد میں دیکھیں انہوں نے تابڑ توڑ تھیں جو تہری پرت کلیں منحوس'
ہیکڑی دفن ہو گئی ساری کوہ ساروں کے بوجھ میں گہری۔
اور دھاوا پھر آپ بول دیا' سر پر ان کے بزور دے مارے'
تیز آئے خلا سے جو گھنگور اور مسلح قشون ناش ہوئے۔
تھے مضرّت رساں زرہ بکتر'
چھیلتے' کھبتے' چھیدتے' گھستے دھنس گئے جو ہرِ وریدہ میں'
کی بڑی سخت پیڑ تا محسوس اور ٹیسوں سے بلبلا اٹھے۔
دیر تک ہاتھ پیریوں مارے
سعی سر توڑ کی نکل جائیں ایسے زندان سے کسی صورت،
طیف تھے طیف گو لطیف تریں' اولاً" واقعی لطیف تریں
بن گئے اب کثیف عصیاں سے۔
اور باقی بھی ریس میں لپکے' ہمچنیں اسلحہ کا وہ لپکا
سب پہاڑ آس پاس اکھاڑ لئے۔
اب خلا میں ہوئی پہاڑوں سے جنگبازی بپا پہاڑوں کی'
پیش و پس شدت افگنی -- گویا گھور پر چھائیوں کے اندر تھے
وہ زمیں دوز معرکہ آرا' غل جہنم نژاد غل غوغا'
جنگِ خونین سامنے جس کے محض بازیچۂ شریف لگے۔
خوفناک ابتری کے پشتوں پر خوفناک ابتری کے پشتے تھے۔
عرش یکسر کھنڈر سا کھنڈ جاتا' اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی
گر نہ مبدع' وہ قادرِ مطلق' معتکف بیتِ عرش میں مامون'
کارفرمائے کل و جز آگاہ ہو نہ جاتا فساد سے پیشبیں۔

تھا بہ حکمت فقط مجاز اب تک کہ ہو تکمیلِ من یشائے عظیم،
اور اس کا عزیزِ جان مسیح اس کے اعدا سے سرفراز آئے،
جسے اعلانیہ کرے تفویض اختیار (انتقام جویانہ)!
پس عزیزِ متین سے --- اپنی کرسئ حق کے پاسدار سے -- یوں
مسئلہ پر ہوا خیال آرا:
"نور چشمِ عزیز! اے میری عظمتِ قدس کی ضیا مکتوم
رخ پہ جس کے عیاں بدیہی ہے --- اور باللہ میرا مظہر ہے،
قم باذنی یداللہ جس کا ہے، قوتِ کل کا حاملِ ثانی،
روز دو ہو گئے ہیں -- ہاں دو روز، روز یہ اس لحاظ سے جو ہم عرشیانہ شمار کرتے ہیں
کہ یہاں سے گیا تھا میکائیل سارے کروبیان کے ہمراہ
تاکہ ان سرکشوں کو رام کریں۔
جان لیوا جھڑپ ہوئی ان میں، جس قدر تند و تیز امکانی
جب در آویز ہوں قشون ایسے اسلحہ بند، خود انہیں میں نے
دی تھی مہلت نمٹ لیں آپس میں،
تو ہے آگاہ وضع میں یکساں آفرینش ہوئے ہیں وہ یکسر
ماسوا جو خطا سے خام ہوئے۔
احمقانہ بروئے کار ہے جو میں نے "ارجا" میں کی جزا ان کی
پس رہیں گے سدا بدیں صورت مبتلائے بلائے بے درماں،
لازماً "غیر منتہی رن میں -- اور یہ مسئلہ نہ حل ہو گا۔
جنگِ خستہ جگر نے پیدا کی کیفیت جنگ سے جو ممکن ہے
باسلاحِ جبال، ہڑبونگی قہر کو بے لگام چھوڑ دیا،

عرش میں حشر ہو گیا برپا جو خطرناک بے تحاشہ ہے'
اور اب تو گذر چکے دو دن' تیسرا دن ہے آج' یہ مجھ سے
تیسرا دن تجھے مقدر ہے۔
ہو چکا ہے زیاں کثیران کا--بول بالا عظیم تر تیرا
گر یہ جنگِ عظیم ختم کرے' کوئی تجھ بن نہ کر سکے یہ ختم'
میں نے تجھ میں حلول فرمائے وہ جمال و جلالِ بے پایاں'
کہ تمام اہلِ دوزخ و جنت جان لیں زور ہے اتم تیرا'
اور ثابت یہ بے تکا بلوہ از رہِ امتثال امر کرے
کہ ولی عہدِ جملہ موجودات بہترین و بجا تریں تو ہے۔
تو ولی عہد و خسروِ کونین' تو شرابور صبغت اللہ میں
حق حقیقت میں تیرا استحقاق' زورِ مبدع سے تیری شنزوری۔
بیٹھ کر جامری ارابہ میں موڑ اس سمت تیز رو ہیے
جہاں بنیادِ عرش لرزاں ہے۔
سازو سامانِ حرب لے میرا' یہ کڑک یہ کڑی کمان اٹھا'
تن پہ بلوان یہ سجا ہتھیار' باندھ کاٹھی سی ران پر تلوار
کر تعاقب' دھکیل دے باہر ان اندھیرے کے اُپ کپوتوں کو
آسماں کی حدود سے دے مار گھور تا کے عمیق کھالے میں'
جی میں جیسے سمائے واں بے شک وہ یہ آموختہ کریں ازبر
کہ وہ یزداں سے اور ہوں بیزار' اور مصبوغ شہ مسیحا سے +"
"یہ کہا' روح اللہ پر بھرپور راست کرنیں ہوئیں ضیا افگن،
منعکس تھی تجلّیٔ مبدع رخِ مبذول پر بہ عنوانے

عکس الفاظ میں محال ڈھلے۔

وہ الوھی سعادت اطوار اب لب کشادہ جواب میں ---- "مبدع
اے معظم (کہ ہیچ ہیں تجھ سے) عرش پر کل سریر آرایاں'
اول وارفع اقدس واعلیٰ' دائما" اہتمام فرماتو'
روح اللہ کا بول بالا ہو' میں یہ کوشاں بلند نام ترا کہ یہی اقتضائے برحق ہے۔
میرا ایمان ہے کہ شان مری' سرفرازی و شوق کُل میرے
صرف تیری رضا کا ہدیہ ہیں -- رضی اللہ تعالیٰ عنّی زاد'
جو ہے فرماں تری مشیت کا ---- ہو مکمل' جو یہ مکمل ہو
عین میرے لئے سعادت ہے۔
اختیار و عصا تری بخشش' ہیں مجھے یہ موڈبانہ قبول'
جو کروں گا بہ طیبِ خاطر ترک جب بالآخر کہ تو ہی تو ہو گا'
میں تری ذات میں مدام' تمام ضم مری ذات میں ترے مقبول'
تو جنہیں ناپسند فرمائے مرے نزدیک ناپسندیدہ'
نازل ان پر کروں عذاب ترا۔
--- میں کہ مظہر ترا ہمہ انداز -------
اسلحہ بند قوتِ ربی عرش کو پاک صاف کردوں گا سرکشوں کے وجود سے یکسر
وہ گریں گے دھڑام سے فورا" ایک بٹس مصیر میں سارے'
بستہ ظلمات کے سلاسل میں وہ ابد تک کے واسطے ہوں گے
سرد خوراک امر مکوڑوں کی۔

کیوں ہوئے خیرہ چشم رو گرداں تیری پاکیزہ طاعتِ حق سے' طاعت ایسی کہ عین راحت ہے!
تیرے اچھے ولی جداگانہ' دوران اہلِ نار سے ہو کر

نغمہ سنجِ الٰہیہ ہوں گے،
حمد و تمجید کی مناجاتیں اور میں پیش امام ان سب کا+"
یہ کہا، ٹیک کر عصا اپنا، راست دستِ تعال اللہ سے
وہ اٹھے، جس جگہ نشستہ تھے۔
پھوٹ کر اب فلک میں پاکیزہ تیسری صبح جگمگاتی ہے ــــ
شورشِ گردباد سے لپکی رتھ خدائے بزرگ و برتر کی شعلہ ہائے دبیز افشاندہ
چرخ در چرخ، ناکشید لجام، سربسر وہ لبالبِ جذبہ،
بدرقہ مثل ہانکتے جائیں چار ایسے عجب شبیہہ سروش
چو مکھایا چہار چہرہ راک:
بدن و بال و پر پہ سرتاپا انجم آسا جڑی ہوئی آنکھیں،
عین عینی زبرجدی مہیے آتشیں تیز اندروں ساری،
تھے سروں پر اکاس بلوری اور اس پر سریرِ نیلم گوں،
صاف بیجادہ سے مرصع بھی اور باریدہ قوس کے الوان۔
وہ زرہ بکترِ سماوی میں فرق تاپا تمام ہارونی
تابناکانہ اسلحہ برتن -- ملکوتی ہنر کی صناعی --
تھے سوار اور دائیں بیٹھی تھی بازبازو نہاد -- پیروزی!
تھی بہ پہلو کمان آویزاں اور ترکش ذخیرہ باافراط
سخت سہ رعد صاعقہ لے کر،
قرب ہی میں تراوشیں پیچاں، تند شعلہ جوال آتش تھی
دود تھا اور شرار مہلک تھے،
زادگاں اصل دس ہزار ہزار تھے جلو میں کہ پیش قدمی پر

پڑا آمد کا دور چمکارا' جگمگائے نظر میں بیس ہزار
(اور تعداد خود سنی میں نے) رتھ 'بہر دست نصف' یزدانی۔
طمطراقانہ وہ کروبی کے شہپروں پر سوار بیٹھا تھا'
آسمانِ بلور آسا میں اور رنگ آرائے نیلمیں یکسر تا بہ حدِ نگاہِ نورانی'
بہ خلافِ امیدِ دلشادی' خوب حیران کر گئی سب کو
جب سرافراشتہ فرشتوں کا وہ درفشِ کلاں مسیحائی
شعلہ پاشی سے عرش پر بن کر خوشنما اک نشان لہرایا۔
جمع کی میکائیل نے سب فوج اس کے زیرِ کماں یسار یمیں
پسِ سرخیل خود سبھی پہنچے ایسے یک جا کہ جس طرح یک جاں'
آگے آگے مشیتِ قدسی راہ ہموار کرتی جاتی تھی۔
حکم پاتے ہی جا بہ جا جم جائیں بیخ کندہ جبال ہٹ ہٹ کر'
دی سنائی جب آپ کی آواز چل دیئے خم کئے سرِ تسلیم
رونقِ عرشِ ماسبق لوٹی۔
تازہ گلہائے رنگ رنگ کھلے' دمن و کوہ لہلہا اٹھے۔
آپ کے دشمنانِ دوں ہمت ڈٹ گئے دیکھ کر ڈھٹائی سے
بہرِ پیکارِ تازہ دم طبقات جہل سے سرکشی پر آمادہ'
یاس کا پیر امید سے بھاری۔
توبہ ایسی بلا کی ہٹ دھرمی اور ارواحِ عرش سے سرزد
خود سراں را مگر دلیل چہ سود'
یا چہ تکار اب بھئے کیسا کہ پسیجیں کٹھور اچنبھے سے'
ہیچ صیقل نکو ندارد کرد آہنے را کہ بد گہر باشد۔

اکثر اصلاح آوری سے ہوں، بیش یہ کج معاملہ گمراہ،
اس کی عظمت پہ دل گرفتہ تھے۔
رشک آتا تھا، دیدنی ہے، کاش وہ بھی ان رفعتوں کو چھو سکتے۔
جنگِ خونریز کے لئے صف بست،
چھل سے بل سے نہال ہو جائیں حاوی آئیں مسیح و یزداں پر،
یا مکمل ہوں پائمال آخر ہو چکے کائنات جب تاراج---
لام کا التزام بالانجام،
کسرِ شاں تھی انہیں فراری اب، بزدلی کا ثبوت پسپائی۔
یوں چپ و راست پر عساکر سے روح اللہ نے خطاب کیا:۔
"خوبصورت پرے جمائے ہوئے اصل زادو کھڑے رہو چپ چاپ،
تم فرشتو کھڑے رہو یاں لیس آج کے دن لڑائی سے فارغ،
راہِ حق میں صریح بے جگری، صادقانہ ستیز آرائی
چشمِ یزدان میں ہوئی مقبول۔
آفتیں تم پہ ان گنت ٹوٹیں، ان پہ تم نے بھی ماسوا توڑیں
خوب درّانہ وار، لیکن اب دستِ دیگر سے کیفرِ کردار
طے ہوا نابکار ٹولے کا---
زیب اسے، انتقام یہ زیبا اب کسی اس کے نامزد کو ہے۔
حسبِ تقدیر معرکہ امروز کثرت و چند کا رہین نہیں۔
ہو کھڑے دور سے تماشائی کس طرح میں عتاب یزداں کا نازل ان مرتدوں پہ کرتا ہوں۔
بیر تم سے نہیں ہے، مجھ سے ہے--- گو رقابت سہی، غم و غصہ
ہے بہرحال برخلاف مرے۔

کیوں مجھے مبدعِ حقیقی نے---وہ جسے کبریائی' برنائی
عرش کی پادشائی زیبا ہے---منزلت "من یّشا" عنایت کی'
پس ہے تفویض سرزنش مجھ کو' وہ بھی اپنے نکال لیں ارماں،
میرے مدِّ مبارزت آئیں'
کون دیکھیں دلیر ثابت ہو' جملہ وہ یا خلاف میں تنہا۔
وہ کہ سب آنکتے ہیں قوت سے' اور فضیلت میں رشک مند نہیں
کون افضل ہے' بے نیازی سے'
بس انہیں میں نہیں نوازوں گا کشمکش میں بصورتِ دیگر+"
روح اللہ نے یہ فرمایا' چہرہ ہیبت نشاں تمام ہوا'
آنکھ جس پر نہ ٹک سکے' تیکھا اور بھرپور طیشناکی میں
دشمنوں کی طرف رجوع ہوئے۔
ان (براقِ) چہار نے یکدم پنکھ تاروں بھرے کشود کئے'
ہوئیں نتھی ڈراوٗنی پر چھائیں
چرخ ارابے کے بے دھڑک گھومے' ہو گئے شل عرابے عرّادے (مخزن' منجنیق)
تند طغیانیوں کا ہنگامہ تیز فوجِ کثیر کا غوغا،
یورش اپنے پلید اعدا پر بے دریغ اب انہوں نے کی سیدھی
وہ کہ بے رنگ و نور شب گوں تھے'
نیچے گرم و حریق پہیوں کے فلکِ استوار کانپ اٹھا' سو بسو' ما-وائے الکرسی۔ (۱-
جھٹ جھپٹ کر وہ بیچ میں پہنچے' دائیں مٹھی میں بجلیاں دابے،
دس ہزار اب جو چھوڑ دیں آگے' یوں کہ ان کی پلید روحوں میں
سوط بن کر وباؤں کا اتریں،

کہ ہو تابِ مزاحمت ماؤف' ہوں سراسیمہ جرأت و ہمت۔
ہاتھ سے چھوٹ کر گرا نیچے سارا ان کا سلاح ناکارا'
چت گرے رستمیں سراف سروش'
یہ بڑھے روندتے ہوئے ان کے مغفریں' خَود پوش سر' ڈھالیں'
یہ تمنا رہے عدو کرتے
کاش ٹوٹیں پہاڑ دوبارا' خشمِ عیسیٰ سے تو امان ملے۔
رقص میں دشنہ و قرابیں ہوں'
یوں برستے تھے اب چہار اطراف موسلا دھار ناوک و پیکاں
جس جگہ تھے چہار چہار --- وہ نیَنتا --- اجاگر آنکھوں کے' (ف)
نین ان جاندار پہیوں کے' وہ کہ تھے عین مین نینو پانت (آنکھ کے کوے)
بسکہ سب دیدہ ہائے بینا میں۔
جذبہ یہ ایک کار فرما تھا' کوند کر آنکھ آنکھ میں بجلی
ان لعینوں کے درمیاں مہلک شعلہ زنارِ حامیہ پھینکے۔
سارا کس بل بھسم کیا' طبعی سب توانائی پھونک دی' پھونکی'
باختہ دل' فگار جاں' لبسل' مضمحل وہ تمام کھیت رہے'
نصف طاقت ابھی نہ جھونکی تھی۔
بیچ بوچھاڑ کے انہوں نے پس صاعقہ اور رعد روک لئے'
تھا نہیں مدعا کہ ہوں نابود' تھا یہ مقصود ہوں وہ عرش بدر۔
جو پٹخ کر گئے تھے چت ان کو اب اٹھایا' ہوئی اکٹھی بھیڑ
جس طرح بکریوں کا اک ریوڑ' ایک بھیڑوں کا کچ دِلا گلّہ'
درّۂ برق سے انہیں ہانکا'

فرطِ غیض و غضب کے عالم میں عین پیچھا کیا ثغور تلک۔
اندروں سمت اب سمٹ کے فراخ شق جدارِ بلورِ عرش ہوئی'
کھل گیا روزنِ کشادہ ژرف جھانکتا تھور تھل کڑاڑے میں---
منظر ایسا ڈراؤنا' یکدم وہ دہل کر ٹھٹک گئے' لیکن
زور کا وہ عقب سے دھکا تھا
کہ انہوں نے دھڑام دے مارا سر کے بل بامِ عرش سے خود کو
دائمی قہر' سخت سوزانی' در تعاقب اتھاہ کھائی تک۔
بے تکا غل سنا جہنم نے' اور پامال عرشئ دیکھے!
چمپت اب خوف سے وہ ہو جاتی پر رکھی تھی شقی مقدر نے
تیرہ بنیاد انتہائی عمیق' سخت اس کو جکڑ کے باندھا تھا۔
نو دن ان کا ہبوط --- چنگھاڑا عین مبہوت اختلال' اسے
دس گنا ابتری ہوئی محسوس'
بے تکے اس ہبوط میں' وحشی افراتفری کے درمیاں دائم'
بھگدڑ ایسی بلا کی تھی' اس پر اور جس نے اجاڑ پن لادا۔
منہ جماہی میں پھاڑ کر آخر سالم ان کو نگل گئی دوزخ'
اک جحیمِ سعیرِ لاطفا' غم الم روگ سوگ کا ڈیرا۔
اب سبکبار عرش شاد ہوا'
پٹ گیا جلد رخنۂ دیوار' لوٹ آئی جہاں یہ سمٹی تھی۔
کر کے کامل غنیم کا اخراج فردِ فاتح مسیحِ اقدس نے
اس ظفر مند رتھ کو لوٹایا'
خیر مقدم کے واسطے ان کے اولیا تھے مؤدب استادہ

کارناموں کے برملا شاہد' اور عینی گواہ جرأت کے'
سایۂ نخلِ شاخدار میں جب وہ روانہ ہوئے تو برلب تھا جیت سنگیت' زمزمہ سنجاں
مرحبا' مرحباشہِ منصور' روح اللہ و وارث و صاحب
جس کو برحق عطا قلمرو ہے' مستحق جو قلمروی کے ہے.....
اس طرح آن بان شان کے ساتھ
وہ برومند خرمؔ و خورسند عرش کے وسط میں سوار آئے
حرم و قصر میں حضور اپنے مقتدر' مبدعِ حقیقی کے --- مسند آرائے کرسئ ارفع۔
خاص آغوش لطف میں اس نے پھر انہیں سرفراز فرمایا!
(اور رکھتے ہیں وہ وہیں تشریف دائیں پہلو میں رحمتِ حق کے)۔
یوں قیاس آسمان کے احوال کر کے احوال ارض پر میں نے
تیری درخواست پر بیان کئے کہ ہو آگاہِ ماجرا' --- تجھ پر
آشکارا ہے' صورتِ دیگر نوع انساں سے جو نہاں رہتا.....'
جو پڑی پھوٹ' جو تیوں میں دال جو بٹی دیو تاؤں میں باہم،
آسماں سے ہبوط پھر ان کا پائیں پاتال میں' ہوسناکی تھی جنہیں انتہائی رفعت کی۔
سرکشیدہ مخالفہ کر کے
اہرمن --- اب حسد زدہ تجھ سے' تیری مقبولیت کے باعث وہ ---
محوِ سازش ہے ورغلائے تجھے اور اطاعت سے منحرف کردے
تاکہ محرومِ خرمؔی ہو کر تو بھی اس کا شریکِ حال بنے'
ابدی کلفت و عقوبت میں ان سا مغضوب و الضّالیں ہو۔
غم غلط کو یہ حرب اس کی ہے' حربۂ انتقام اس کا یہ
ہے رواداریِ بغض و کینہ جو برخلافِ بزرگوار بزرگ'

خواست گار اس زبون حالی میں تو بھی ساجھی بنے کبھی اس کا'
پر خبردار کان مت دھریو اس کی ترغیب پر' بتا دیجو--بالخصوص اپنی نصف بہتر کو
وہ ضعیف العقیدہ ہو محتاط!
عبرت اس سے پکڑ' سماعت کی روح فرسا نظیر میں تو نے
جو جزائے عدول حکمی ہے۔
وہ بھی ثابت قدم تو ممکن تھا' تاہم اس کا ہبوط' پند بگیر
او نکردہ' شما حذر بکنید'
یاد رکھ اور اجتناب سدا کیجیو تو عدول حکمی سے +"

فرہنگ

۲۳۱ (۱۳) تروعہ - بروزن طنزیہ' تن تراتن تراکی آواز' قرنایا صور جیسی - غریو: حد درجہ کا شور
۲۳۶ (۲۰) قلپاق - اونچی باڑ کی اونی کلاہ' جیسی غالب پہنتے تھے
۲۴۹ (۲) بھوس بلاس -- جھوٹی تسلی' بھوس وہی بھس ہے
۲۶۵ (۹) نیّنتا -- نین تا' آنکھ والا' مراد رتھ بان سے لی جاتی ہے - یہی نیتا بنا تو قائد کے معنی میں مستعمل ہوا۔

دفتر هفتم

تلخیص

اَلّذیٰ خَلَقَ الْارضَ فی یومینِ، جعلَ فی ہا رواسی مِن فَوقہا وبارکْ وقدّر فِیہا اقواتَہا فیٰ اَربَعتہ" ایّام ------(ستتہ الایام)

آدم کی درخواست پر رفاعل نے اپنا بیان جاری رکھا اور تخلیقِ عالم کی بابت بتلایا--- کیوں کر عمل میں آئی، مقصدِ تخلیق کیا تھا---- چگونہ وبچہ غایت؟

جب اہرمن اور اس کا ٹولہ بہشت بدر ہو چکے تو یزداں نے آفرینشِ مخلوقات کا قصد فرمایا روح اللہ کو اپنی قدرت سے سرفراز کیا اور انہیں تفویض ہوا چھ دن میں کائنات کی تخلیق کریں۔ وہ اس فرض کی بجا آوری کے لئے رخصت ہوئے، فرشتے ہمرکاب تھے۔ جب کارِ تخلیق تمام ہوا تو کروبیاں نے حمدو مناجات گا کر جشن منایا۔

روح اللہ واپس عرش پر تشریف لے گئے۔

(زردشتیوں کے ہاں یہ عمل گاہ بار، گاھبار ھا سے موسوم ہے۔ ترتیب یوں ہے :۔

میدیو زرم ---- خداوند نے سماوات بنائے

میدیو سم ---- خداوند نے سمندر بنائے

پیتی سہیم ---- خداوند نے زمین بنائی

ایا تہریم ---- خداوند نے نباتات بنائی

میدی یاریم ---- خداوند نے حیوانات بنائے

ہمش پتا مہدیم ---- خداوند نے انسان بنایا) (مترجم)

عرش سے آفرود (ہیئت کی) دیوی یورانیہ ---- اگر تو ہے
اپنے اس نام سے بجا موسوم!
تیری آوازِ غیب کے پیچھے ہوں میں فوقِ الپیا طیراں'
(اسپ بیلورو فیں) پگاسس کی تیز پرواز بال سے بالا۔
دی ہے معنا" ندا' نہیں اسما"۔
تو نہیں مثل نومیوزوں کے' نہ فروکش قدیم المپس کی خاص چوٹی ہی پر ہے تو' لیکن
عرش زائیدہ تھی کہیں ماقبل....
جب پدیدار کوہسار ہوئے' یارواں آب جو بار ہوئے....
ہم سخن دانشِ ازل سے تھی تیری ہمشیر عقل' اس کے سنگ
مبدعِ کل کے سامنے تو نے راس لیلا رچائی' کھل کھیلی'
ملکوتی غنا سے وہ خوش تھا۔
تو جو عرش العروش پر لائی' یہ جسارت ہوئی مجھے ---- ہر چند
ایک مہمانِ خاکدانی ہوں --- دمِ بادِ سماویہ کھینچا اور تیرا خمیرا پنایا۔
بحفاظت بعینہٖ لے چل تو مجھے اب فرود' لوٹا دے پھر مرے عنصرِ طبیعی کو۔
تو سنِ بے لجامِ پرّاں سے مثلِ بیلورو فیں' مبادا میں
اور نیچی ترائی میں اتروں' بلکہ نیچے کہیں گروں اس سے
(لیشیا) کی الائی گھاٹی میں'
واں بہ پاداشِ سہو آوارہ مارا مارا پھرا کروں تنہا۔
ناسرائیدہ ہے یہ نصف ہنوز' آشکارا --- فضائے یومی کے
اندروں تنگ تر مگر بستہ ---- ایستادہ زمیں پہ' مستغنی
ہستیٔ ماورائے قطب سے میں سہل نغمہ سرافراوانی

بے دگر گوں بہ صوتِ ناسوتی گنگ ہوں نَے گلو گرفتہ ہوں۔
آپڑا سخت وقت' آن پڑا وقت سخت اور بے طرح پیچھے
بدزبانیں ہیں افترا پرداز۔
گھپ اندھیرا' چہار سو خطرات' اور تنہائی' گو نہیں تنہا
جب کہ ہر رات مہربانی سے تو مری نیند میں در آتی ہے،
جس طرح پو پھٹے سویرا پھر پھیرتا ہو گلال پورب میں
گنگنا میرے گیت میں تو بھی' دیوی یورانیہ بہم پہنچا
کم سہی' سامعینِ ذوق سرشت۔
کریہ باخوس 'اس کے ہمجولی رنگ رلیاں منانے والوں کی سوقیانہ ہما ہمی موقوف۔
عیش کوشانِ مست کا حلقہ
جس نے رود ہوپ میں تیاپانچہ کر دیا تھا تھریسوی بھٹ کا'
جس جگہ بن چٹان وجدانہ گوش برزمزمہ رہے' جب تک
ہائے دونوں نہ ساز اور آواز شورِ وحشت اثر میں ڈوب گئے۔
نہ بچاری میوز (اطروپا) اپنا یہ لاڈلا بچاپائی---
ہاردیجونہ تو اسے' تجھ سے جو بہ منت ہے ملتجی ---- تو تو
اپسرا ہے گگن کی' اطروپا' وہ بچاری تو محض سپنا ہے +

بعدہٗ' پھر وقوع کہہ دیوی کیا ہوا جب کشادہ پیشانی
سرکروبی رفاعل آدم کو پیش آگاہ کر چکا ---- تمثیل
دے کے پُر ہول --- ارتداد سے ہو متنبّہ' حذر کریں' بتلا
عرش میں مرتدوں پہ کیا گزری؟

آدم و آلِ آدم ان کا تو ہو نہ فردوس سے ہبوط زبوں'
شجرالخلد جن پہ ہے ممنوع' سخت لاتقربا کی قدغن ہے'
گر تجاوز کا ارتکاب کریں' درخورِ اعتنا نہیں مانیں
بس یہی ایک حکم جس کی ہے سہل تعمیل --- سیر گرسنگی
گذرو گشت ہی میں ہو جائے' وہ مہیا بھی خوان سب رس ہیں۔
یہ شریکِ حیاتَ حوا کے ساتھ روداد سب بغور سنی'
خوب افزود شوق و دلچسپی' محویت' انتہائی استغراق ---
کیا عجیب و غریب افسانے' ماورائے شعور کیا قصے'
عرش پر یہ بغاوتیں بلوے' نفرتوں کے مظاہرے منظر'
امنِ میمونِ حضرت یزداں ابتر ایسا جدال کی زد میں۔
جلد پسپا کیا مگر شرکو'
جس طرح سیل اُمڈ کے لوٹ آئے واپس اپنے محرکوں پر ہی'
خیر سے امتزاجِ شر--- مشکل' بلکہ یہ طے ہوا کہ ناممکن۔
قلبِ آدم میں جو ہوئے پیدا' فسخ شبہات ہو گئے فوراً"۔
سادگی بلکہ سادہ لوحی سے بے قرار اب ہوئی تھی یہ خواہش
علم کچھ ان امور کا بھی ہو جن سے ان کا لگاؤ ذاتی تھا-----
ان سماوات و ارض کے مابین ہوئی آغاز کس طرح دنیا
چوں' چگونہ' چرا' چہ عنوانے؟
کہ درون و بروں عدن میں تھا کیا عمل یاد داشت سے ماقبل؟
مثل اس شخص کے ابھی جس کی تشنگی شاد آب ہو' لیکن
پھرنے جو بار کی سیال گنگناہٹ تو پھر بھڑک اٹھے!۔

سلسلہ بات چیت کا جاری میہمانِ فلک سے یوں رکھا:۔

"حیرت افزا معاملات عظیم، گوش پر فاش تو نے فرمائے

جو ہمارے جہانِ ارضی سے متفاوت ہیں ۔۔۔ ترجماں قدسی!

سرمدی لطف سے ہے تو مبعوث سوئے ناسوت تا کرے برقت

مطلّع ان امور پر جن سے حرج واقع ہو غیر دانستہ، علمِ انساں رسا نہیں جن تک۔

خیرِ لا انتہا کی منت ہے تا ابد ہم پہ، یہ کرم اس کا،

اور تسلیم ہے عمل پیرا من یشا پر بغیر حجت ہوں

خیر کوشی صمیم نیت سے ۔۔۔۔ بس یہی مقصدِ حیات اپنا۔

کیا شفیقانہ یہ نوازش کی تا ہمیں ہو وقوف خاطر خواہ،

سب ان اشیا کی شرح فرمائی جو ہیں مافوق فکرِ خاکی سے!

زحمت اب کر، اتر کے بات ذرا، آگہی کچھ مفید مطلب اور ۔۔

اولیں ۔۔۔ ابتدائے عرش کی بات ۔۔۔۔ کس طرح ابتدائے عرش ہوئی

خلق کیونکر ہوا جو اتنی دور رفعتوں پر دکھائی دیتا ہے،

ان گنت جس پہ آتشیں سیار لالہ آرا ہیں، اخگر آگیں ہیں

جس سے لبریز یہ خلا سارا یا دباؤ میں جس کے باعث ہے،

کیسے یہ گردِ ارض حلقہ بند سو بہ سو پھیل کر محیط ہوا؟

کیا بقائے دوام میں آخریوں بھلا کردگار کو سوجھی

کہ مقدس سکون بالتّاخیر وہ کرے اختلال میں تعمیر؟

کارِ تخلیق جب شروع ہوا، کب بزود اختتام کو پہنچا؟

ہو نہ بندش تجھے تو کھول ذرا ۔۔۔۔ گرچہ حاشا نہیں یہ نیت ہے ۔۔

اس کی اقلیمِ لازوال کے ہم کنہ و اسرار کی کرید کریں،

بلکہ رطب اللسان وصف میں ہوں
کارناموں کے بیشتر ہم لوگ ہو کر آگاہ بیش تران سے۔
اور دن کا وفور نور ضرور طے کرے گا سفر دراز ہنوز
گویہ ڈھلوان پر روانہ ہے۔
تری آواز سے ٹھٹکتا ہے عرش پر اور (مہر) سنتا ہے
تیری گھمبیر گونج، سننے کو وہ توقف کرے گا البتہ
سرگزشت اپنی آفرینش کی،
اور فطرت کی پُر نمو تولید تھاہ سے اختلالِ مبہم کی۔
قمرو نجم شام اگر آئیں تیز رفتار، گوش بر آواز
شب لئے آئے گی سکوت اپنا۔
نیند تیری صدا پہ رک جائے، یا اسے ہم کہیں الوپ رہے
جب تلک گیت ختم ہو تیرا،
پھر کہیں الوداع ہم تجھ کو بامداداں پگاہ سے پہلے + "
(پوپھٹے)

اپنے ممتاز میہمان سے یوں اول النّاس التماس گذار
اور وہ دیوتا سروپ سراف بہ متانت جواب میں گویا:۔
"حزم سے التماس گذرانی اور یہ مستجاب ہوتی ہے،
گرچہ قدرت کے مقتدر شہکار، تاب ہے کس زبانِ قدسی کو
لا سکے حیطنہ کلام میں، اور اتنے الفاظ دستیاب کہاں،
یا کہاں حوصلہ بشر ہی کو صیدِ دامِ شعور انہیں کر لے۔
تاہم اب جو پڑے ترے پلے ----- ہو اضافہ طمانیت میں تری،
جو مہ ہوں امور ---- عظمت میں تیرے خالق کی چار چاند لگیں -----

نہ رہے گی تری سماعت اب ان سے محروم' ---- اجازت آئی ہے
یہ مجھے بھی حضورِ بالا سے کہ تمنائے آگہی تیری تاحدِ خاص مطمئن کردوں'
ماسوا ہو نہ کوئی استفہام'
اختراعات سے کر اندازا" مت ہیولے تیار اشیا کے' فاش تجھ پر جو کی نہیں جاتیں'
شاہِ غیب' اس بصیر نے جن کو پردۂ کتم میں رکھا پنہاں'
کوئی ہو عرش فرش میں' ان پر کچھ کسی کو بھی دستگاہ نہیں۔
بہرِ تحقیق و آگہی لیکن پھر بھی وافر علاوہ ہے موجود'
علم بھی تغذیہ کی صورت ہے جس میں تقلیل کی ضرورت ہے،
ہو طلب' لیکن اعتدال کے ساتھ۔
چاہیئے درک کو وہی مقدار ہو بخوبی جو ذہن کا مقدور'
موجبِ سوئے ہضم پُر خوری'
گاؤدی پن میں سوجھ بوجھ ڈھلے' قوت جیسے ریاح میں تبدیل +
پس ہو معلوم عرش سے طاغوت ---(اب اسے تو پکاریئے یوں ہی
تھا وہ انبوہِ قدسیاں میں کبھی اک ستارہ فزوں ستاروں میں)
ساتھ اپنے قشونِ ناری کے' جب گزر کر اتھاہ سے' نیچے
گر گیا مستقل ٹھکانے میں ---- اور تشریف لے گئے واپس
کامراں' پُر فتوح روح الہ پاک زادانِ اصل کے ہمراہ'
دیکھ کر ان کے لاؤلشکر کو اپنی رفعت مآب کرسی سے
اپنے دلبند نورِ ہستی کو مبدعِ لم یزل نے فرمایا:
"اس عدوئے حسد گزیدہ نے کھائی منہ کی' مغالطہ تھا جسے
سب اسی کی مثال ہیں سرتاب'

اور وہ ان کی دستگیری سے ہے جو میرا یہ اقتدار اعلیٰ ---- سخت ناقابلِ حصول وضبط
کرسئ داوری رفیع و جلیل قبضہ کر کے بڑے تیقن سے
(چاہتا تھا) ہمیں کرے معزول۔
اس وغا میں کئے شریک اپنے' اب وطن بھی جنہیں نہ پہچانے
بس کہ میرے ملاحظہ میں ہے مستعد بیشتر بہ جا ٹھہرے۔
ہے وہی یہ ہمارا عرش آباد' یہ سماوات وارا قلیمیں ہیں بدستور باہمہ وسعت
اور تعداد میں کثیر غفیر---- یہ کروبی ملک سروش سراف
حاضرِ پر شکوہ ہیکل ہیں واجب آداب سے زیارت کو
جملہ موزوں رسوم ادا کرنے۔
زد مگر پڑ چکی ہے جو اس سے ہو نہ دل میں گھمنڈ اسے ناحق
بے اہالی کیا فلک میرا' احمقانہ قیاس نقصاں کا
میں وہ قادر' تلافیٔ مافات مرے امکان میں ہے گر سچ مچ
خود زیانی سے بھی زیاں ہو جائے'
میں وہ خالق عظیم ہوں اپنے کن فکانی کمالِ اعلیٰ سے
طرفتہ العین میں جہاں دیگر نو بہ نو آفرید فرماؤں'
ایک آدم کی نسل سے آباد مردمِ بے حد و شمار کروں
جو بتدریج اوج تک رستہ آخرِ کار کھول لے' خاصا امتحاں طاعتوں کا جب ہو لے'
عرش فرش اور فرش عرش بنے۔
ایک اقلیم' وصل و راحت کی جس کے اندر نہ انتہا ہو گی۔
اور کرو بیانِ عرش رہو با فراغ وسکوں دریں عرصہ'
کلمہ ----- تو مری ہے روح الہ 'کام یہ تری ذات سے لوں گا-----

کُن باذنِ اللہ کہہ فکاں ہو گا۔
در معونت تری معیت میں ظلِّ ممدودہ زورِ کل میرا۔
ہو سوار اور حکم کر بڑھ کے سرحداتِ معینہ میں اتھاہ عرش ہو جائے' فرش بن جائے۔
لاتناہی و بیکران اتھاہ کیوں کہ ہے میری ذات سے مملو'
نہ ہی یہ الخلا ہے ال خالی:
غیر محدود کیفیت میں میں گرچہ اعراض آپ فرماؤں'
اور مختارِ فعل یا بر عکس حسَنَتہ کو کروں نہ فاش مزید۔
اتفاق اور احتیاج کبھی میرے نزدیک آنہیں سکتے'
جو رضا ہے مری قضاوہ ہے +"
قادرِ کل نے یہ کیا ارشاد اور جس امر کی تھی فرمائش
اس سعادت مآب ایزد عکس کلمہ نے تمام فرمایا۔
کن فکاں شانِ کاریزداں ہے حرکت و وقت سے سریع کہیں'
بہرِ گوشِ بشر ضروری ہے لیکن اظہار کا وسیلہ یہ
اور اظہار بھی بایں عنوان کر سکے درک جو حسِ خاکی۔
اس رضائے قدیرِ مطلق کے پاک اعلان پر سرِ افلاک
شادمانی کی مچ گئی دھومیں عرش پر عرشیوں نے صدق انگیز
گیت گائے تعال اللہ کی عظمت و شانِ کبریائی کے'
گیت آدم کی خیر خواہی کے' ان کے گھر در کی عافیت کے گیت'
وردِ سبحان "ربّی" الاعلیٰ' حمدِ جبّارِ منتقم ـــــــ جس نے
دور بے دیں کئے نگاہوں سے' دینداروں کے گھر سے دھتکارے ،
حمد و جبروت اسی کو زیبا ہے'

عقلِ کل جس نے اپنی حکمت سے خیر کو شر سے آفرید کیا'
عوضِ طیف ہائے بد کیشاں نسلِ احسن کا اہتمام ---- کہ جو
ان کے خالی خلا کو پُر کر دے۔
جو وہاں سے نفوذِ خیر کرے سب زمانوں میں سب جہانوں میں +
تھے ثنا خواں شمامہ یوں جب' اسلحہ بندِ قادرِ مطلق (ف)
روح اللہ بہ طرزِ احسن تھے مفوّضہ مہم پر آمادہ'
ملکوتی جلال کا ہالہ ضوفشاں ---- بینش و محبت کی
منظر آرا مبین جلوہ گاہ' منعکس ذات میں ہمہ مبدع۔
تھے کروبی' سراف اور سریر' حَسَنتہ' قہرمان اور اقنوم
اردگردان کی رتھ کے لاتعداد'
ایز دانہ سلاح خانہ سے تھیں زمانِ عتیق کی اربوں
بال آراستہ رتھیں پردار' درمیانِ جبالِ روئینی'
خاص روزِ خصوص کی خاطر
پاس ہی مستعد سماواتی سازوسامانِ حرب آرائی'
صفتِ جوہری کے خاصہ دار جملہ بیروں بر آمدہ یک لخت
رہنِ وابستگانِ عالی جاہ۔
مستقل استوار باب اپنے عرش نے بھی کشادہ باز کیے'
متحرک' طلائی قبضوں سے مدھم ابھری نوائے ہم آہنگ +
شاہ شاہانہ لے چلیں تشریف
صاحبِ جوہرِ کُل و کَلِمہ تازہ کونین آفرید کریں۔
بیکراں عرش فرش افتادہ' دور ساحل سے حفرہ بے غایہ

شور شوریدہ قلزمِ بے طور، تیرہ برباد اجاڑ ویرانہ،
وہ کہ معکوس کر گئیں جس کو ہونکتی آندھیوں میں تند امواج
جو اُمڈ کر جبال سے سیدھی ماورائے فلک کریں ریلہ،
گاڑ دیں قطب عین مرکز میں۔
"موجہائے شدید و تند تھمو، شانتی سب اتھاہ میں پھیلے!"
کلمہ -- کارسازِ کل بولے "بس اب اپنا فساد بند کرو"۔
واں توقف نہیں کیا، لیکن بالِ کروّبیان پر اسوار
سرپرستانہ شان سے ناپید کَون اور اختلال میں طیراں
--- یہ صدا اختلال تک گونجی ---
جملہ دنبالہ در جلو، گویا اک جلوسِ نظیف، تاان کے
طاقت و زور کی کرشمہ زا آفرینش کا ہو تماشہ بین۔
تھم گئے گرم ولولہ پیئے،
ہاتھ میں تب اٹھائی وہ پرکار زرنگارین، ساختہ ازلی
خاص صفّار خانۂ حق کی،
تاکریں صاف دائرہ بندی بہرِ ایں کائنات و موجودات،
نوک اک وسط میں دھری، دیگر گرد عمقِ وسیع کے پھیری،
حکم فرما: "دراز ہویاں تک، یاں تلک ہیں تری حدود بسیط
اے جہاں یہ ترا درست محیط۔"
یوں خداوند نے کیا تعمیر اَلسّماوٰھِیَ دُخان "--- اور
رفعَ سَمکَھا فَسوّٰھا خلَق الارض داحٰھا --- جو ایک
خالی و بے صَوَر ہیولیٰ تھی۔

گھور اندھیروں میں جذب تھا پاتال، لیکن آبی سکوں پہ (ال طیار
روحِ یزداں نے باز فرمائے) کارگر خیر کا نفوذ کیا
اور حجمِ رقیق میں حل کی تپشِ پُراثر۔۔۔۔ مگر تنقیح
سرد، شوری، سیاہ طرسوی مضرِ زیست دُرد کے نیچے۔۔۔
پھر کیا ٹھوس اور گٹھلایا مثل اشیاء کو مثل اشیا سے۔
بٹ گئیں دوسری ہمہ انواع سو بہ سو بے حساب، باافراط۔
درمیاں میں ہوا بلو ڈالی،
کُرۂ ارض اپنے محور پر متوازن بہ حسبِ ذات ہوا۔
تب خداوند نے کہا "اے نور پھیل جا!" جھٹ مقدّم الاشیا
نور اثیری بڑا مصفّٰی ست ---- تیرہ و تار اتھاہ سے جھلکا،
اور فضائی فسردگی میں ہوا گرم گام اپنے دیس پورب سے
اک منور سحاب میں ملفوف،
کہ نہ خورشید تھا ہنوز ----- مقیم تھا وہ اب تک کسی مظلّہ میں ---
پھر خداوند نے نظر ڈالی،
نور عمدہ تھا، تیرگی اور نور طبَقِ نیم سے جدا فرمائے،
نور کو روز سے کیا موسوم اور شب تیرگی کا نام کیا،
سحر و شامِ اولیں ---- ابدی!
لیکن آکاش منڈلیوں نے بسر دن نہ بے اہتمامِ جشن کیا،
دم فزا نورِ خاور ان پر فاش جب ہوا تیرگی میں پہلی بار،
یہ جنم دن ----- گگن کا، دھرتی کا!
عالمِ سرخوشی کہ گونج اٹھا کُرۂ کائنات نعروں سے

خاص دھن پر طلائی عودوں کے حمد خوانی، ثنا سرائی تھی،
تھی مناجاتِ آفرینندہ، مدحتِ قدرت خداوندی۔۔۔۔۔۔
وردو تسبیح دونوں وقت رہی۔
اولیں شام جب ڈھلی، جس وقت سحرِ اولیں طلوع ہوئی +
پھر خداوند نے کہا۔۔۔ آکاش بیچ میں پانیوں کے بن جائے،
ساگروں سے الگ کئے ساگر، اس طرح ڈال دی بنائے فلک،
اور قائم ہوئی فضائے بسیط،
اک رقیق و منزہ و شفاف عنصری باد کا نفوذ ہوا
دائرہ وار اس کبیر تریں عروہ کے انتہا محدّب تک،
یہ سراسر اٹوٹ بٹوارہ،۔۔۔۔۔
آبہائے تہِ فرو، یکسر تھے جو بالا، انہیں جدا کر کے
خلق مثل زمیں جہان کیا پرسکوں آبہائے جاری پر بیکراں قلزمِ بلوری میں۔
پھر نراج اختلال غوغائی کالے کوسوں پرے دھکیل دیا
کہ مبادا تنا قضاتِ شدید
متصل ہوں تو سارے ڈھانچے میں بے تحاشا خلل بپا کر دیں،
اور آکاش عرش نام کیا۔
سحرو شام طائفے نے یوں دوسرے روز کا منڈھا گایا +
خلق الارض، تاہنور مگر پانیوں کے نہ کھوکھ کھوکھوں میں تھے برآور جنین خام خمیر،
تا ہنوز ارضِ بے معین میں بحرِ اعظم کا دور دورہ تھا
صورت حال گو نہ لاحاصل،
گرم مثمر مزاج سے اس کے بلکہ سارے کرُے کو نرما کر

اونٹتا تھا کہ مادرِ عُلیا حمل ٹھہرائے مطمئن ہو کر نمِ تولید خیز سے سیراب!
پھر خداوند نے کہا ہو جاؤ پانیو زیرِ عرش تم یک جا
سب سمٹ کر یہاں برآمد ہو خشک خطہ --- پلک جھپکتے میں
تھے نمودار ڈیل ڈول پہاڑ' چوڑے چکلے برہنہ کوزان کے
بادلوں تک بلند ابھرے تھے' چوٹیاں آسماں کو چھوتی تھیں'
متورّم تھے الجبال افراز جتنے اوگھٹ' تو کھوکھلی اتنی
دھنس گئی تھیں تلیٹیاں بہ نشیب ---
چوڑے چوڑے' کھلے کھلے گہرے پانیوں کے بنے جوپاٹ' ان میں
وہ شتابی سے شاد دوڑ لئے ----
یا بلوری جدار سے خیزاں' یا ڈھلے کوزپشت' کوہانی
کیونکہ عجلت تھی وہ دودن کا تیز طغیانیوں کو حکم ہوا
شورشِ تروعہ پہ جوں فوجیں (جن کا احوال سن چکا ہے تو) (ف)
تیز اڑاتی پھریرے آتی ہوں رن میں شیرازہ بندیاں کرنے ،
ایسے آبی ہجوم موج بہ موج' راستہ جس طرف ملا اٹڈا
ریلتا پیلتا دھکیل دھکیل ----- تھی ترائی تو تیز تیز رواں
نرم رو جو سپاٹ تھا میداں'
تھے نہ ٹیلے چٹان سنگِ گراں' مار آسا عیان و پوشیدہ
راہ اپنی بنائے جاتا تھا
رود باروں کی کھینچتا سطریں نرم گہرے رقیق کیچڑ میں۔
حکم میدان کو یہ فرمایا خشک و تفتہ تمام ہو جائے
ان کناروں کے ماسوا جس میں جاوداں ہیں دواں' دواں دریا

لے کے دنبالہ ہائے نم آلود۔۔
خشک دھرتی کو تو زمین کہا' پانیوں کے بڑے ذخیرے کے
جھیر کو ساگر اس نے فرمایا'
کی جوان پر نظر' وہ عمدہ تھے ۔۔۔۔ اَرْض' اَلْ مَاءَ' السّماء جملہ ۔۔۔
پھر دیا حکم اَنْبَتَ الاَرضُ' ۔۔۔ ارض شقا" وَاَنْبتا" فیہا'
اَخْرجَ مَاءَ ہاوَ مَرْعَہا ۔۔۔ مخملیں گھاس' عصفِ دانہ دار' (خوشہ)
ثمر آور درخت' پھل اتریں اپنے اپنے مزاج کا جن سے
آپ دھرتی میں بیج جن کا ہے۔
لب پہ ان کے ابھی سخن یہ تھا کہ برہنہ زمین جواب تک
بدنما' بھوڑ' تھور' چٹیل تھی نرم ریحاں سے لہلہا اٹھی'
مخملی تازگی نے ڈھانپ دیا طلعت آفاق گیر دھرتی کا
شبھ سہانے ہرے بھرے پن سے'
پتہ پتہ الگ الگ ڈھب کا' بوٹے بوٹے پہ وہ بہار آئی'
گھل گئے بے شمار رنگ اتنے سینۂ ارض کی پھبن نکلی'
مست خوشبو مشامِ جاں پھیلی۔
گل شگفتہ ہیں' تاکِ خوشہ دار پُر نمو ہے فزوں' فزوں گنجان
رینگتا ہے کدوئے آماسی' کاشتہ کشت کشت دانہ دار
سنبلیں (خرمنوں کی مژدہ خواں) خوب افراشتہ و در آویز۔
پھر اضافہ حقیران پر ہے' جھاڑیاں بوٹیاں' لگیں جیسے
آئیں بالوں میں مینڈھیاں گوندھے۔
آخرِ کار رقص میں جیسے نخل ہائے شکوہ منداٹھے'

شاخہا شاخ سبز گستردہ میوے میوے سے بوجھل الغاروں'
یادرخشاں رتن شگوفوں سے (فالقَ الحبِّ وَالنوٰی۔۔۔ ھُوَ)' (بیج اور گٹھلی)
تاج اونچے بنوں کے کوہ بہ کوہ'
دامنوں میں دمن دمن طرے کنج زاروں کے' طرف ہر چشمہ
حاشیے رودر رود دور بہ دور۔
خطۂ ارض کا سماں ایسا باغِ فردوس کا گماں گذرے.....
وہ جہاں دیوتاؤں کے استھان' وہ جہاں شادماں کریں گل گشت
اور جس کی پوتر چھایا میں وہ بڑی چاہ سے کریں بسرام۔۔۔
گوخداوند نے زمیں پہ ابھی مینہ اتارا نہ تھا' ابھی انسان
قلبہ رانی کو تھا نہیں موجود۔
شبنمی کہرارض سے اٹھی' کی اراضی میں آب پاشی خوب'
مزرعہ کے ہر ایک پودے کی آبیاری کہ خاک میں پہلے
جو خداوند نے بنایا تھا'
آبیاری ہر ایک کونپل کی جوہری بُونٹ پر نہ پھوٹی تھی'
کی خداوند نے نظر اس پر' اور پایا اسے بہت عمدہ'
صبح سے شام تک کی یہ روداد۔۔۔۔ تیسرا روز آفرینش کا +
قادرِ کل نے پھر کیا ارشاد' وسعتِ آسماں میں رفعت پر
رونما ہوں حسین روشنیاں' آشکارا مظاہرات دنوں موسموں کے' مہینوں سالوں کے
متعین مطابقِ منصب ہوں "بروجًا" کُروں پہ گردوں میں
جگمگائیں' زمین چمکائیں۔۔۔۔ یہ اسی طور سے وقوع ہوا۔
کہ خداوند نے فروزاں کیں مشعلیں دو بڑی بڑی تاباں'

آدمی کے لئے فزوں مصرف' ---- (جعل الشّمس والقمر --- نُورا")
راج دن پر کبیر کا قبضہ متبادل صغیر کا شب پر'
پھر نجوم استوار فرمائے۔
زیّنا السّماء الدّنیا بمصابیح --- نور سے معمور' (مشعلیں)
انقلابِ تغیرات سے جو حکمراں دن پہ' حکمراں شب پر
کہ اندھیرے سے جوت الگ کر دیں۔
کی خداوند نے نظر اپنے کارنامے پہ غائرانہ --- اور
خوب پایا اسے' بہت عمدہ۔
اول اجرامِ آسمانی میں شمس ڈھالا تھا' وہ عظیم کُرہ
قبل ازیں بے ضیاو نور مگر اصل میں کالبِ اثیری تھا۔
پھر گھڑا چاند مستدیر' بنی اختر اختر کی ہر جسامت بھی
گنجلک ایک کھیت کی مانند بودیئے آسمان میں تارے۔
وافر انبار روشنی چن کر منتشر بادلے کے تیرتھ سے
منتقل قرصِ شمس میں کردی' یوں مسامی کہ انجذاب کرے
نوش نورِ رقیق فرمائے کل شعاعوں کا جمگھٹا ڈھالے----
تابنا کی کا یہ کلاں کوشک---
گرم رفتار سوئے منبع ہیں تہی اکوابِ زرنگاریں میں جیسے دیگر نجوم روشنی کش' (ف)
نو کہائے ستارۂ سحری (زہرہ) کیسا طلائی کرتا ہے،
اور یہ عکس اخذ کر کر کے
مجمل اندوختے فزوں کر لیں --- اور بے شک ہیں حجم ور سارے
چشمِ انساں سے گرچہ دور دراز ننھے منے دکھائی دیتے ہیں۔

خاص اول دیارِ مشرق سے رونما ہے چراغ رخشندہ
خسروِ خاورِ نہار' اس نے سب افق کے نواح کو روشن
شوخ کرنوں کی خلعتیں بخشیں'
شادماں شاہراہِ گردوں پر ہے دویدہ بہ خطِ طول بلد'
فجرِ بیضا و خوشۂ پرویں روبرو نور خیز رقصیدہ'
کیف لطف آفریں چکیدہ تھا۔
قمرِ کم ضیا مگر برعکس' غرب میں اپنا آئنہ تھامے
حسن مکھڑے پہ مستعار لئے۔
متلازم نشست میں دیگر ---- اور ملحوظ فاصلہ تاشب۔
(شرق میں وہ ضیافشاں' گرداں محورِ آسمان پر اپنی
حکمرانی کی داد پھر دے گا)۔
کمتر انوار فرد فرد سمیت ان گنت ان گنت کواکب بیش'
جو نمایاں ہوئے تو نصف کرہ جیسے سلمہ زری سے جگمگ ہو
نیرآتِ جمال آگیں کا کارخانہ بنا دیا کیسا!
یہ طلوع و غروب ہوتے تھے۔
خوش سحر شاد شام نے اس طور کر دیا تاج پوش دن چوتھا+
(خَلَقَ کُلَّ دَابَّۃٍ مِّن مَّاءٍ)
اور خداوند نے کہا پانی گرد شندہ وجود میں لائیں' (رینگنے والے جانور)
کچ بچ' ادھ پور' کیڑیاں' انڈے' مچھلیاں جیتے جاگتے گھونگے'
اور جوِّ سما میں مرغ ہوئے پرفشاں' نوع نوع باہم جنس'
کیں خداوند نے مہارا گھو (وہیل) تخلیق اور بعد ازاں

کھیپ کھیپ ایسے ذی نفس یَمشی من علیٰ بطنہٖ (کہ جو رینگے)
آب سے جنس انکی ہستی میں آئے نسلِ ہمیں سے باافراط۔
اور ہر پنکھ کا پکھیرو بھی، آپ اپنی قبیل سے پیدا
اس پہ ڈالی نظر، یہ عمدہ تھا۔
دی انہیں یہ اشیرباد بڑھو، خوب پھولو پھلو بہت بہتات
رودہائے رواں میں، جھیلوں میں، ساگروں میں۔۔۔۔ جہاں ملے پانی،
اور خشکی پہ نسل کش مفرط باہمیں طور مثل مثل طیور۔
بھر گئے جھٹ خلیج کھاڑی بحر، رود بار، آبنائے، جُو، دریا
جھول کے جھول، ٹھٹ کے ٹھٹ نکلیں مچھلیاں بے شمار انڈوں سے
سبز موجوں میں رِفلس گل مچ کی جھلملاہٹ، رواں دواں ابرق،
ٹیکری رنگ کی بنے منجدھار۔۔۔
ان کی شفتل ہے کائی اور لچن جو مزے سے وہ چرتی پھرتی ہیں،
درمیاں کنجمائے مرجاں کے تیرتی ہیں، کبھی دکھاتی ہیں
بھاؤ، بانکی ادا سے اتراکر اپنی اٹھکھیلیاں بھی سورج کو
پہنے اوڑھے یہ بُند کی والے لہریئے دار کنچنی باگے۔
صدفِ دُرصفت میں یا اپنی ترمقوی غذا اڑاتی ہیں،
تاک میں چند پائیں من بھاتا سنگ پاکھر تلے چٹانوں کے۔
قلزمِ پرسکوں میں سگ ماہی اور خم دار ڈلفنیں کھیلیں،
لوٹتے پوٹتے ڈھبوس کئی، ڈیل بے ڈول، چال میں ہلچل
کہ سمندر میں ہو بپا بھونچال۔
اور سارے محیط پر پسرا راس ایسا ڈھٹینگڑا بے ڈھنگ،

زندہ مخلوق میں بلا پیکر، خواب میں یا شناوٗ میں، بالکل
متحرک زمین کا لکّہ،
گل پھڑوں سے ڈکوستا ساگر، تھوتھنی سے اگل اگل دیتا۔
کنگنی بھٹ میں، تٹ میں، جھابر میں (کونا)
ساتھ ہی ساتھ انت کے نکلیں چینگے بوٹے کھٹک کھٹک انڈے
ہوں نمودار جونہی یہ تڑخیں، لوتھڑے سے بچونگڑے بچڑے،
تیزاگیں پر پڑیڑاور روٗاں، حاصلِ جمع سے بھریں باڑے،
محوِ پرواز باد میں بالا، ٹھنٹھنا کر ٹکر ٹکر دیکھیں
وہ زمیں کو بڑی حقارت سے دور لپٹی ہوئی گھٹاؤں میں۔
آشیاں لق لق و عقاب کنام
واں سراز یری وصنوبر کی چوٹیوں پر کیا کریں تعمیر۔
بعض اکیلے دکیلے طیرانی، ان علاقوں میں، بعض باہم جنس
گاوٗ دم فانہ شکل ترتیبیں باندھ کر ڈار میں روانہ تھے۔
وہ رتوں کے مزاج داں، اکثر کاروانِ سبک خرام کے ساتھ
ساگروں اور خشک بھومی کے اوپر اڑتے ہوئے بلندی پر
ہمصفیری کے لطف سے اپنی سہل پرواز کرتے جاتے تھے۔
یوں سمجھدار کونج سالانہ سفر اپنا پون پہ کھیتی ہے،
وہ جو گزریں فضا تھرک اٹھے ان گنت کلغیوں کے پنکھوں سے،
چھوٹے چھوٹے پرندگیتوں سے ٹہنی ٹہنی بنوں میں راس رچائیں
شام تک رنگ دار پر پھیلائے۔
نہ کرے عندلیب زار اپنی راگنی بند بلکہ کومل لے رات بھر چھیڑتا رہے--- بیدار!

دیگر اپنے رواں رواں سینے دھوئیں چاندی سی جھیل ندی میں'
نرم دھولے پروں کے فرغل میں گردنِ قوس دار دبکا کر (سفید)
پانو پتوار سے ادا کے ساتھ تمکنت راج ہنس کھیتا ہے۔
چھوڑ کر کچھ کبھی کبھی نمناک اپنے بے لوچ بیرقوں پر ہوں
آسمانِ ہوائی میں پرّاں' گرم رو کچھ زمیں پہ ہی جم کر۔
مرغِ کلغی نما بھی گونجادے چپ سے تیز تیز بانگوں سے۔
دوسرا بھی دلیلِ زیبائش ہے جسے اک حسین دنبالہ
دھنکوں کے گلال گوں گلدار' نین تارا کے چتر رنگ برنگ'
(اک خروس اور دوسرا طاؤس)!
آب ماہی سے یوں ہوئے لبریز' یوں فضا مرغ سے ہوئی معمور'
سحر و شام نے منایا پس پانچواں دن (یہ آفرینش کا) +
دن چھٹا آخرین خلقیتہ نکل آیا سنوار تا سارنگ
اور گاتا ہوا بھجن --- بولا تب خداوند جی اٹھے دھرتی
سارے کنبے کٹمب گوت سگوت،
سب چرند اور پرند اور درند --- لیں جنم آج خاک مٹی سے!
حکم ملتے ہی کوکھ دھرتی نے کھول دی یوں ہری بھری' گابھن
زچگی ایک اور جن ڈالی ان گنت' سانتت' ادھک' سنتان (دونوں کے معنی تال اولاد
ٹھیک نک سک سے' انگ انگ بھرا۔
فرش سے یوں اٹھا دِدِشی جیسے اپنے کچھار سے نکلے
وہ بیابان میں جہاں پڑغند' جھاڑ جھنکاڑ بھٹ میں رہتا ہے۔ (نام ایک پودے کا)
نرومادہ اٹھے درختوں سے'

رکھ، چراگاہ، مرغزار کی سمت چل پڑے پھر تمام چوپائے،
کوئی کوئی یہاں وہاں ایک ایک، ریوڑوں میں ادھر ادھر ڈنگر
چر رہے تھے گیاہ زاروں میں ---- خوب تھی جھول جھول افزائش،
ہے کلوخی زمین سب دوبی---- (گھاس والی)
ہے نمودار نصف شیر ببر، گندمی رنگ، پنجہ زن پیہم
یوں رہا کر کے اپنا پچھلا دھڑکہ بھرے جست، توڑ ڈالے جال
تھرتھرائے ایال چنگبری۔
باگھ بھی، تیندوا بھی، چیتا بھی---- جس طرح کورموش نے اٹھ کر
اوپران کے پہاڑیوں کی طرح پھینک دی ہوئی دلی مٹی۔
تیز طرار بارہ سنگھے کا خاک سے شاخ دار سر ابھرا۔
اپنے قالب سے پھر بدقت فیل جثہ اکبری میں خاک آلود،
اپنی گھمبیر تابروں لایا۔
اون اگی گالا گالا گلّوں پر، تیز ممیاہٹوں کا شور مچا
کیفیت ایک پھول بوٹوں سی۔
نوع مجہول بین برو بحر---- اسبِ نیلاب کھرکھرے گھڑیال،
وارد اک ساتھ ایک دم جو بھی پیٹ کے بل زمیں پہ چلتا ہے،
کرم، بھنگے، پتنگ، پروانے
اس طرح نرم پنکھ لہراتے جس طرح پنکھیاں لچیلی سی،
ننھے منے جچے تلے خدخال، وردیوں میں سجے سجائے بدن
ارغوانی، طلائی، سبز، کبود، نقش، ہو جن پہ صیف کو نازش،
ایک لمبی لکیر کو جیسے ماپتے جا رہے ہوں دھیان کے ساتھ۔

فرش پر دھاریاں کھنچیں، خاکہ خم بہ خم صاف ابھرتا جاتا تھا۔
جملہ من حیثِ جاں حقیر نہ تھے، بعض تھے اژدری قبیلے کے
فربہی وطوالتِ طُرفہ، کنڈلیاں پیچ ناک، پھرپردار۔
سب سے پہلے تو چیونٹی رینگی --- اک کفایت شعاربی کہیئے،
کھائے جاتی تھی فکر بس کل کی، تنگ سینہ میں دل کشادہ تھا،
خیل خیل اک لڑی میں بے تفریق بہرِ فردا بھلا نمونہ تھی
وہ مساواتِ منصفانہ کی۔
نحل مشغول جھنڈ جھنڈ آئی جو نکھٹو کا پیٹ بھرتی ہے،
کیا مزیدار موم کو ٹھڑیاں وہ بناتی ہے شہد شہد بھری،
آئے بسیار بے شمار دگر جن کی اقسام کا وقوف تجھے،
کہ انہیں تو نے آپ نام دیئے --- سو عبث ذکر ان کا دہرانا۔
سانپ تاہم نہیں ہے نامعلوم،
انت کا کائیاں ہے وہ سب میں جو ہیں خشکی پہ جانور موجود۔
بعض اوقات تودرازی اور خون آنکھیں، ایال موئینہ (ریشی)
اس قدر خوفناک --- خیر مگر حق میں تیرے ضرر رساں نہیں،
بلکہ ہے تیرے تابعِ فرماں +
آن بان آب تاب سے اپنی عرش اب جگمگا اٹھا سارا،
کر دیا گردشوں کو گردانی، اپنے دستِ عظیم سے، ان کو
چکر اکبر محرکِ اولیٰ دے چکا جب مدار پر اول۔
خلعتِ فاخرہ میں یوں ملبوس دلکشی سے زمین مسکائی،
خاک باد آب میں وہ چوپایہ، مرغ، ماہی کا گھومنا، اڑنا، تیرنا-- رنگ رنگ کے منظر!

باہمہ چہل پہل ابھی تک تو دن (چھٹا) بے تکان جاری تھا۔
ایک کاریگری تو باقی تھی، اک بڑا اہتمام ہونا تھا۔
اک بڑا واقعہ -- وقوع پذیر!
کُلّہم تاکہ ختم ہو جائے --- تمّت ایسی جسے کہیں بالخیر،
ایک ہستی کا ہے ورود مزید،
ایک ہستی و حوش دیگر سی نہ بہیمہ منش خمانیدہ،
شرفِ آگہی سے احسن، ٹھیک جو سہی قامت استوار رکھے
راست، خندہ جبین، سنجیدہ سب پہ فرمانروائی فرمائے۔
صاحبِ دل، خود آشنا، فائق، عرش سے راہ و رسم کا شائق،
ظرف عالی، نیاز مند ایسا
جس جہت سے بھی ہو کوئی احسان قلب لب چشم سے بصد اخلاص
شکرِ نعمت ادھر بجالائے،
بہ حضور اس عظیم یزداں کے طاعت و بندگی میں جھک جائے،
کائنات و حیات و موجودات سب پہ جس نے اسے امام کیا۔
مبدعِ لم یزل بدیع عظیم (وہ نہیں کون سی جگہ موجود)،
روح اللہ سے ہمکلام ایسے صاف سب کو سنائی دیتا تھا:۔
"مثل اپنی شبیہہ کے آسان آفرید اب کر -- احسن التّقویم---
وہ مرا عکس ہو بہو -- انسان -- صاحبِ اختیار، اس کا راج
جل کی مچھلی، پون کے پنچھی پر --- ایک اک جانور پہ دھرتی کے
حشراتِ تمام پر، جو بھی پیٹ کے بل زمین پر رینگیں --
(سب کہ دمہ پر الغرض - تمشی مَن علیٰ بطن وأربعٌ و رجلین)۔"

بعد ذالکَ خَلَقنَا الاِنسانَ'
لقد آدم' کیا گیا تجھ کو بشرِ خوب --- خلق مِن صلصالِ'
ناک نقشہ سنوار کر آخر پھونکا تیرے مشامِ خاکی میں
نفس زیست (نفختُ روحی)'
نقل اتاری وہ عین مین اپنی' صاف تصویرِ حضرتِ یزدان۔
صورت مرد تو ہوا تخلیق' کی شریکِ حیات زن تیری
نسل کش' بہرِ نسل انسانی دی دعا برکتوں کی --- فرمایا
خوب پھولو پھلو بڑھو بھر دو یہ زمیں' یاں ہے جو مطیع کرو'
سب مسخر کرو یہ موجودات:
ماہیٔ آب اور مرغِ ہوا اور دیگر بھی ذی حیات ارضی۔
جس جگہ وہ کیا گیا پیدا' (نہیں مختص مکاں بنام کوئی)'
پھر' خبر ہے تجھے کیا واں سے یاں حسیں کنج زار میں آباد---
یہ حدیقہ جہاں ہے روئیدہ خوبصورت نخیل یزدانی'
خوب مرغوب دیکھئے چکھئے لطفِ "اقواتہا" فراوانی'
سب ہے جو اس زمیں کی پیدوار' ہمہ انواع جو مہیا ہیں'
سب نہ جن کا کوئی حساب کتاب --- ذائقہ دار پھل تجھے بخشے'
لیکن اک نخل کا ثمر ممنوع
گر زباں پر کبھی اسے رکھا' خیر و شر کا سمجھ مزا چکھا'
مت پھٹکنا قریب بھی اس کے ---

لب و کام و دہن کیا جس دن اس سے آلودہ چل بسے' جانو' موت اسکی سزا معین ہے!
احتیاط' اشتہا پہ رکھ قابو' آنہ لے بے خبر گناہ تجھے

اور دیوِا جل--- سیہ چاؤش۔
گفتگویاں تمام کی، دیکھا پھر نظر بھر کر آفرینش کو
اور پایا تمام عمدہ تھا--- (ہے یہ روداد) دن چھٹا ایسے
سحر و شام نے تمام کیا--- پر نہ، حتیٰ کہ آفرینندہ
کام سے ہاتھ روک کر آخر سوئے عرشِ بریں ہوا عازم،
سدرۃ المنتہیٰ، وہ عرش عروش جس جگہ تھی قیام فرمائی۔
مدعا تھا، نظارہ فرمائے اس جگہ سے جہانِ نورستہ
سلطنت کا جدید تر الحاق۔
منظر اس کا بلند کرسی سے کیا سہانا تھا، کس قدر زیبا،
اس کے اعلیٰ خیال کا پرتو۔
فوق اسوار وہ روانہ تھا، نعرے پیچھے فلک شگاف بلند
نغمگی خیز ہم سرود انگیز ایسے بربط تھے دس ہزار جنہیں
تال سر میں گگن گندھرب کریں۔ (سازندے گویے)
سب فضا، سب زمیں کھنک اٹھی (تو نے سنگیت وہ سنا ہو گا)،
سارے آکاش جھنجھناتے تھے، تارا منڈل تمام بجتے تھے،
سن رہے تھے روان سیارے، مستقر میں کھڑے ہوئے تارے،
جب کہ تھا شادماں صعود کناں (سوئے منزل) وہ پُر جمال جلال۔
باز ہو جاؤ بند دروازو، نغمہ سنجاں عروش وا کردو تم دھڑکتے ہوئے کواڑو اب
لائے تشریف، تاکہ آجائے آفرینندۂ عظیم دروں،
پلٹ آیا وہ مہتمم بالشّان، فارغِ گاھبارھا، اس کا
کارنامہ وہ ستّہ الایام--- کائناتِ تمام--- سرانجام--

پھر بھی تم باز ہونا گاہ بہ گاہ' جب خداوند ہوں قدم رنجہ
مومن و راستباز بندوں کے مسکنوں میں یہاں بہ نفسِ نفیس'
یا بہ فیضِ تعلقِ خاطر کریں ارسال آپ احیانا"
اپنے پردار ایلچی قدسی فیض کے نامہ و پیام لئے----
وہ خجستہ جلوس نغمہ سرا روبہ افراز تھا' فلک نے جھٹ
چوپٹ اپنے حسین پٹ کھولے' وہ بہ صدق و نیاز راست چلا
حرمِ سرمدی میں یزداں کے
اس کشادہ صراط سے جس کی دھول سونا کھرنجے انجم تھے۔
نظر آتے ہیں جو تجھے انجم نظر افروختہ مجرّہ میں --- (کہکشاں)
کہکشاں ایک پر تلہ گرداں توشبانہ تماشہ کرتا ہے'
غازہ بکھرا ہوا ستاروں کا۔
عدل کی سرزمیں پہ اٹھلاتی ساتویں شام کا نزول ہوا۔
سورج اوجھل ہوا شفق پھولی شرق میں پیشوائیٔ شب کو۔
عرش کے شہ نشین قلّہ پر' متبرک جبل کے پاس' جہاں
پختہ شاہانہ کرسئ یزداں دائما" ہے جڑی ہوئی لاریب'
وہ سعادت مآب آپہنچا---- اور مبدع کے قرب میں بیٹھا--
کہ یہ مستور ساتھ ساتھ گیا' باوجود یکہ یہ مقیم رہا'
(ہمہ جائی کو مقدرت یہ ہے)' کارِ ہستی کا حکم فرمایا'
ہمہ اشیا کا بانی وغائی--- کام سے فارغ آج ستّایا'
برکتوں کی دعائیں فرماکر ساتواں دن سعید ٹھہرایا'
فارغ اپنے امور سے یہ دن (سبت) آرام کے لئے مخصوص۔

---ہاں مگر پاک مون برت نہیں---
چنگ و بربط رہے نشاط افزا' بین مزمار' دف' الغوزہ' الغوزہ'
دھیوت' ارغون پر' نکھاد' رکھب'
سمادی دوادی تکموں پر' سندریوں' پردوں اور تاروں پر
وہ ملائم' لطیف' شیریں' نرم
تان پلٹے' الاپ' استھائی' سُرمدھر دکر دربل اندولت
مارواڑی اساوری' بھیروں' ---ایک سے ایک ٹھاٹھ سمپورن۔
اٹھ کے زرین عوددانوں سے' دھونیوں کے معطرابروں نے
راسئ قدس کو لپیٹ لیا' (بہاڑ)
گاھبار اور آفرینش کا گیت گایا--- نشید خلقت کا:
کارخانے شکوہ مند ترے جاح قدرت تری ہے لامحدود'
کس تصور کی یہ بساط کرے تیرا حیطہ' زبان کو مقدور کب تری ذات کا بیان کرے۔
ہاں بسا پس تفکّروفی صفات' بسکہ' بس' لا تفکّروفی الذّات'
تیری عظمت کو چار چاند لگے بڑھ کر ان باشمقچیوں سے کہیں (ف)
(اہرمن' اہرمن کے دوست لعین)'
رعد ٹوٹے بلائے جان بنے آفریدن پہ یہ کہیں افضل
آفریدہ کو میٹ دینے سے'
کس میں جرات ہے خسروِ اعظم زک تجھے دے' کرے تراش خراش
سلطنت کی حدود میں تیری۔
سہل سارے مفاخرانہ عزم مرتدارواح کے کچل ڈالے۔
سعئ ناکام غرّہ پرور کی' ختم سب زعمِ کفر سامانی

کہ پرستار کاٹ کر تجھ سے چند در چند' ضعف پہنائیں'
آس زائل تجھے خفیف کریں۔
بلکہ وہ اپنے مکر کے برعکس تیری قوت کا آپ مظہر ہے'
تو کرے شراسی کا استعمال خیر جس سے مزید پیدا ہو۔
کوئی دیکھے جہاں یہ نو تعمیر' یہ نیا عرش' بابِ عرش سے جو
فاصلے پر نہیں --- کہ سامنے ہے عرش کے آئنہ پہ نیو اس کی
عرش کا آئنہ --- یہ بحرِز جاج۔
وسعت ایسی کہ بیکراں کہیئے جس میں وہ ان گنت ستارے ہیں'
ہے مقدر ہر اک ستارے کا شاید آباد گاہ ہو جانا!
تجھ کو ان کے تغیرات کا علم'
ان میں ہی مستقر ہے آدم کا --- یہ شرابور بحرِزریں میں
ارض ان کا حسین مسکن ہے۔
بند گاں خوش نصیب سہ گونہ' اور فرزند گاں' جنہیں یزداں
ایسا اقبال مند فرمائے' منعکس اپنے عکس میں کردے،
یہ کریں اسکی بندگی واں پر' اس صلے میں وہ بخش دے توفیق
برو بحرو فضا میں اس کے سب شاہکاروں پہ راج فرمائیں'
حق پرستار' نیک بندوں کی نسل افزائشی میں ہوں مصروف،
ہیں وہ سہ گونہ خوش نصیب اگر خوش نصیبی کا درک ہو ان کو'
راست بازی کو برقرار رکھیں۔
زمزمہ سنج یوں رہے سارے' ورد اللہ ھُو کی تسبیحیں'
غلغلہ مچ گیا سرِافلاک' اس طرح التزامِ سبت ہوا۔

جان لے، التجا ہوئی پوری، کہ یہی استفسار مجھ سے تھا۔
کس طرح ابتدا میں دنیا تھی کیسے اشیا ظہور میں آئیں،
اس تری یادداشت سے پہلے کیا ازل میں ہوا وقوع پذیر؟
بے کم و کاست وہ بیان ہوا، کشف احوال ہوگیا تجھ پر،
تاکہ اخلاف پاکر آگاہی
اس تری معرفت سے نسل بہ نسل ان کے بارے میں مطلع ہوجائیں۔
اور اگر تیرے جی میں باقی ہے اور بھی ٹوہ ماورا کی لے
اور پھر ٹوہ بھی نہ ہو بیرون فہم انسان کی بساط سے----بول!"

○

فرہنگ

۲۷۹ (۵) شماسہ جمع شماس، بہ معنی راہب، یہاں مراد ملائک
(۲۱) مفرہ -- گڑھا، -- بے غایہ، بیکراں، مراد بیکراں خلا
۲۸۶ (۱۸) - اکواب جمع کوب وہ پیالہ جس کی ہتھی اور ٹونٹی نہ ہو۔ کُجا۔
۲۹۷ (۱۴) باشمقی -- (ترکی) گرگے، رکابدار

○

دفتر هشتم

تلخیص

آدم گرد شہائے سماویہ کے بارے میں معلومات کے خواہاں ہیں۔ انہیں گول مول جواب ملتا ہے' ساتھ یہ تاکید:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

انہیں ایسے امور کی جستجو میں ہلکان نہیں ہونا چاہیئے' جن کا علم ان کے واسطے لازمی نہیں۔

آدم یہ نکتہ سمجھ جاتے ہیں' تاہم رفاعل کی صحبت سے چونکہ ابھی جی نہیں بھرا تھا' اسے ٹھہرانے کے لئے اپنی رام کہانی چھیڑ دیتے ہیں۔

یزدان سے خلوت میں کیا گفتگو ہوئی' اپنے لئے کیوں کر جیون ساتھی کی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر حوا سے ملاقات اور ازدواجی معاملات کا احوال۔ اسی موضوع پر فرشتہ سے چندے اور تبادلۂ خیال۔

وہ انہیں مزید ہدایات دیتا ہے۔ نافرمانی سے احتراز کی تلقین کرتا ہے اور آخر کار رخصت ہو جاتا ہے۔

○

چپ فرشتہ ہوا مگر اس کا شکریں نطق گوشِ آدم میں
یوں رہا زمزمہ نواز، انہیں ایسا احساسِ ظن یہی چندے کہ بدستور ہمکلام ہے وہ،
یہ بدستور جیسے کان دھرے لطف پیا، کھڑے ہوئے مبہوت۔
نیند سے چونک اٹھے ہوں پھر جیسے، اور سراپا نیاز یوں بولے:
"کون سا امتنان کافی ہے یا مکمل معاوضہ ایسا
جو کماحقہٗ ادائیگی ہو؟
کی فرو سرمدی مورخ خوب یہ تجسس کی تشنگی تو نے
عین یہ بندہ پروری تیری،
فاش نکتے کیے محبانہ جن کی از خود دقیق تھی تحقیق۔
اور میں بھی تمام وقت رہا ہمہ تن گوش شوقِ وافر سے
کر کے منسوب شانِ کل جیسے یہ ہے شایانِ کردگارِ عظیم،
ایک الجھن ہنوز باقی ہے رفع ہو جائے تو جو حل کر دے۔
جب نظر ڈالتا ہوں اس عمدہ نظمِ عالم پہ، مشتمل جو ہے
ان سماوات و ارض پر، پھر میں حجم ان کا لگاؤں تخمینہ،
تو زمیں ایک تل ہے، اک ذرہ، محض مثقال روبروئے عرش
اور پیشِ نجومِ لاتعداد جو ہیں مگھمّ خلاؤں میں گرداں۔
(ہے دلالت یہ فاصلہ اس پر، یہ بسرعت مراجعت یومی)
آفریدہ یہ سب کہ ہوں ضوریز غیر شفاف ارض کے اطراف ---
یہ بہ جانقطہ --- بہرِ یک شب روز،
رائیگاں ورنہ راہ پیمودی ماسوا کل درازو دور کی ہے۔
پھر زروئے دلیل اچنبھا ہے،

جز رس و ہوش مند فطرت سے سرزد ایسے عدم تناسب ہوں،
یوں وہ اجرام احسن و اعلیٰ دستِ وافی سے آفرید کرے
چند در چند، بہتر و مہتر بہرِ خدمت گذاریٔ ادنیٰ؟
ہے صریحاً" تو آشکار یہی۔
لازماً" ان کرُوں پہ عائد ہو بے قرار انقلاب اعادہ وار
یوم فی یوم ---- گونشستہ ارض نسبتاً" اک قلیل پاٹ میں بھی
سفر آسودہ گام طے کرتی۔
پیش کار اس کے برتر و اشرف، کام بیٹھے بٹھائے چلتا ہے
لے رہی ہے خراج یہ رانی۔
تیز رفتار غیر ادراکی سفرِ بے حساب یہ اس کی روشنی، یہ حرارت و رفتار
کیا کرے کوئی شرح طراری عاجز آتے ہیں ہندسہ و اعداد۔"
یوں ہمارے بزرگوار نے بات ختم کی ---- رنگِ رخ مگر غماز
غوطہ زن خاص انہماک سے وہ گہری غامض خیالیوں میں ہیں۔
سامنے سے یہ کیفیت بھانپی جس جگہ پر نشستہ حوا تھیں،
پر تکلف نیاز کیشی سے کافرانداز دلربائی کا
دامنِ دل کشاں کہ جی چاہے وہ بہارِ نظر وہیں ٹھہرے،
صد بصد ناز، کبک وار خرام، جانبِ غنچہ و گل و میوہ
پود گھر میں مشاہدہ کرنے خود کلی پھولتی، پھلی پھلتی۔
آمدن باعثِ شگفتن ہے،
سحرِ حسنِ نگاہداری سے شادمانہ وہ لہلہا اٹھے۔
وہ نہ رخصت ہوئیں کہ دلچسپی گفتگو سے نہیں تھی خاص انہیں

یا تھا موضوع ہی ادق ایسا متحمل نہ گوشِ نازک ہو۔
بلکہ منظور یہ کہ اکلوتی اپنے آدم کی سامعہ وہ ہوں
جانبِ یارِ خوشگوار رجوع' اک کہے اور سنا کرے دیگر'
پھر یہ احساس لذت آگیں بھی کہ بہک کر وہ شوخ دلدادہ
گاہ آمیزشِ بعال کرے لاعبانہ سخن میں دانستہ' (ف)
لبِ دلدار سے برائے نشاط مطلب الفاظ سے فقط کیوں ہو۔
اب وہ زوجینِ دلنواز کہاں'
------ چاہ' چاؤ' رچاؤ کے سندر آبرو مند باہمی بندھن؟
روپ مکھ پر سجائے دیوی ساتھیں خراماں' مگر نہیں تنہا
ملکہ سی' جلو میں ساتھ لئے دیومالائی ارد بیگنیاں (کنیزیں)
(یوفروزینہ' تھالیہ' اگلئی --- اپسرائیں کہ روپ دان کریں)
اس حسینہ کے چار سو' آنکھیں تیر برسائیں یہ تمنا کے
وہ جمالِ نظر نواز تھے +
الجھن آدم نے جو بیاں کی تھی' اس تدارک کو اب رفاعل نے
پاسدارانہ خوش مزاجی سے بہ ایں الفاظ انہیں خطاب کیا:
"یہ تجسس ترا' یہ استفہام' دوش دیتا نہیں تجھے' لیکن
یہ فلک سامنے مرتب ہے دیکھ مثلِ صحیفۂ یزداں'
اس کے اندر مطالعہ کر لے حیرت انگیز ماجرا سارا
کہ ہوں معلوم موسم و اوقات' دفترِ یوم و ماہ و سال تمام
اور یہ درک بھی کہ چکر میں ہے فلک یا زمیں ---- بعید نہیں
تو کرے گر درست اندازہ۔

مابقیہ کمالِ حکمت میں کارسازِ مجید نے پنہاں کردیا آدم و فرشتہ سے۔
بہرِ تدقیق آشکارا سرارنہ کئے ان پہ ہے جنہیں واجب
صرف اس کی ستائشیں کرنا۔
منتہائے قیاس آرائی چھوڑدی ساخت آسمانوں کی
باہمی ردو قدح پر ان کی'
آپ مخطوظ خوب ہو گر وہ کل کلاں لائیں دور کی کوڑی'
باشگونہ گمان' دوراز کار ڈول آکاش کا بنائیں جب' (الٹے)
یا ستارے گنیں وہ اٹکل سے۔
وہ لڑائیں گے کون سا منطق کہ سنبھالیں یہ بیکراں ڈھانچہ'
(یہ زبردست بے ستوں محراب) ساختہ چوں' چگونہ برکندہ؟
اور ان مظہرات کی تاویل'
اس فضا پرچہ طور حلقہ بست مرکز الارض و خارج المرکز'
کل نگارشتہ' یہ کُرہ بہ کُرہ' دور اس کے محیط میں دوراں؟
عقل آرائیوں سے میں تیری کر رہا ہوں ابھی یہ اندازہ'
توہدایت نمائے نسل بنے۔ یہ تجھے دغدغہ ہے' خدمت پر
کم اثر بے فروغ کی مامور کیوں ہیں رخشاں کلاں کلاں اجرام'
کیوں دویدہ سفر پہ عرش ہے یوں' کیوں وتد پر زمیں مگر ساکن (لفظی معنی کلی)
استفادہ کرے تنِ تنہا؟
نکتہ اول تو ہو یہ ذہن نشین----
ڈیل ڈول اور چمک دمک کوئی شرفِ ذات کی دلیل نہیں۔
آسماں کے مقابلے میں ارض لاکھ کوتاہ بے شعاع سہی'

عین اغلب مگر یہ نفع رساں مہر سے وافر و وقیع ملے،
وہ ضیاپاش ہے پہ یہ خوبی ہے خود اپنے لئے فضول اسے
کار آمد ہے جو زمیں کے لئے،
اولاً" پیشوائی کی کہ ہوئی یافت برنائی و توانائی مہر کی ٹھس شعاعوں کو اس جا،
حسنِ خدمت پہ مستعد ایں طور نیّراتِ منوریں سارے
خاطر ارض کو نہیں بلکہ ساکنِ ارض تیرے واسطے ہیں۔
عرش کا حلقۂ بسیط و عریض ------ سو یہ منہ بولتا ثبوت بنے
سطوتِ کردگار کا جس نے یوں کشادہ اسے بنایا ہے۔
دور اس کا و تر دراز کیا تا رہے آدمی کو آگاہی
کہ وہ فی نفسہٖ مقیم نہیں ---- بند اس مختصر سے خانہ میں
آدمی کی بساط کیا معمور کر سکے اس قدر بسیط رواق،
اور باقی سو واللہُ اعلَم بالصّواب --- ان کی مصلحت کیا ہے؟
متعین مکاں دوائر کی، گرچہ بے حد یہ برق رفتاری
قدرتِ کاملہ سے اس کی ہے،
جو قریباً" دوش مضاف کرے مادّی جو ہروں میں روحانی---
تو مجھے بھی نہ سست گام سمجھ، عرش سے ہے جہاں مقیم ایزد،
پو پھٹے میں چلا تو آ پہنچا دوپہر تک عدن میں، طے کر کے
فاصلہ جو نہ کر سکیں ہند سے متعین یہ نام دار تمام۔
مان کر آپ ہوں مصر لیکن حرکت میں ضرور ہیں افلاک
کہ صریحاً" کھلے بڑا بود اشک ہے، دل کا جو اس سے پیدا ہے۔
یوں میں توثیق بھی نہیں کرتا

یوں اگرچہ دکھائی دے تجھ کو یاں بسیراز میں پہ جس کا ہے۔
حکمت اس کی شعورِ انساں سے ماورا ہو' فلک سے یزداں نے
دور اتنی زمین رکھ دی ہے۔
چشمِ خاکی جو ہو قیاس آرا لامحالہ مغالطہ ہو جائے۔
عالمِ ہست و بود وہ ارفع' بات گُر کی نہ کوئی ہاتھ لگے'
کیا ہے جو آفتاب محور ہے اس جہاں اور دگر کو اکب کا'
اپنے وصفِ کشش سے اور ان کی' متحرک' جو گرد رقصیدہ
کئی ہالے بنا کر اس کے ہیں؟
ان کی گشت و گذار جب' نراز' اب نشیب اور تب نہاں' پس رو
پیش انداز یا اچل زچت'
ستہ سیارگاں میں تو نگراں' ارض سبعی یہ ان میں سیارہ
ظاہرا" استوار' لیکن ہے غیر محسوس طور پر گرداں'
مختلف تین حرکتوں میں رواں (یومیہ' محوری' مدارویہ)؟
لازما" ورنہ تو یہ گردانے دیگر اجرامِ چند پر محمول'
کج اریبوں میں گامزن' معکوس' یا مشقت نہ مہر پر ڈالے'
یہ سمجھ لے شبانہ و یومی جو معین' سریع' ہر صورت
سارے تاروں کے پار او جھل ہے' رات دن کا (گھماؤ) پہیہ ہے۔
پھر تجھے زحمتِ یقیں کیسی'
خود زمیں' خوگرِ مشقت گردن ہوید اکرے سفر کرکے روز مشرق کی سمت تدریجا"
یوں کرے مہر کی شعاعوں سے طبقِ منحرف کو شب بکنار'
تابدار اس کے نور سے دیگر۔

گر فرستادہ روشنی اس کی پارچِ تو پہین وصافی سے (بت چوڑی)
بّرِ مہتاب کو ستارہ صفت نور آرا بوقت روز کرے'
جس طرح وہ بوقت شب ان کو۔۔۔۔یوں .بہمدیگر۔۔۔اور اگر واں پر
کھیت' میدان' لوگ ہوں موجود؟
داغ اس میں سحاب آسا دیکھ' پھر کہیں یہ سحاب اگر برسے'
مینہ اگادے پھلوں کی اک منڈی گوندھ کر نرم نرم مٹی کو'
چند جن کی وہاں اقامت ہے اس سے کام و دہن کو شاد کریں'
کئی سورج دکھائی اور بھی دیں ساتھ حلقہ بگوش چاندوں کے
روشنی ریز اور پر تو گیر'
یہ اہم دو نرینہ و مادین' جن سے دنیا کا دل دھڑکتا ہے'
ہر کرہ میں ذخیرہ یہ شاید بعض کے پاس' ذی حیات ہیں جو۔
ایسی فطرت کی ژرف پہنائی' اور ذی روح سے تہی یکسر'
ہو کا عالم' اجاڑ بن' سنسان' صرف ضو افگنی سے کام جنہیں
وہ بھی اندک' ہر اک کرّے کے لئے ہو فراہم ذرا سا چمکارا'
پھر اس آباد گاہ کو اتنی دور تک روشنی ضرور ارسال'
روشنی' جو انہیں کو لوٹا دے۔۔۔۔مسئلہ کلیتہ" ہے بحث طلب۔
لیکن آیا بعینہٖ یہ امور ہیں اسی طور یا نمط دیگر'
آسماں پر طلوع ہوتا ہے حاوئ ارض ہو کے سورج' یا
ارض کو فوقیت ہے سورج پر'
شعلہ زن رہگذر پہ پورب سے وہ روانہ ہے' یا خرامیدہ
اپنے گم سم سفر پہ پچھم سے بے ضرر چال میں یہ لٹوسی

نرم محور پہ محو خواب سی ہے۔ جبکہ آسودہ گام، مست خرام،
لے کے آرام سے تجھے بردوش اس ملائم ہوا میں تیرتی ہے۔
کر نہ ہلکان مفت ذہن اپنا، غیب و اسرارِ غیب کی خاطر!
جملہ بالا حوالۂ یزداں۔
بن سراپا نیاز کی تصویر، خوف، خدمت، خیال، خواب اس کا،
اور دیگر تمام موجودات من یّشا کی دلیلِ محکم جان،
جان لے ہیں بہ جاوہ جس جاہیں ---- کام جس کا ہے یہ اسے ساجھے
تو مگن رہ عطا ہوئے تجھ کو باغِ فردوس، دلرباحوا،
عرش اتنا بلند و بالا ہے درکِ احوال ہے محال اس کا،
مرد دانا فرو تنی اچھی۔
کام سے کام، فکر تن من کی، دور کون و مکاں کے خواب نہ لے،
ان جہانوں میں کون ہے آباد، کون سے روپ انوپ کی جنتا
حیثیت، حال، حد، حساب کی ہے؟
ہو تشفی کہ منکشف تجھ پر بے کم و کاست جو کوائف ہیں
فرش کیا بلکہ عرشِ عالی کے +"

ہو گئی دور الجھن آدم کی، تو جوابا" ہوئے وہ یوں معروض :۔
"کی تسلی مری متین ملک، اے مکمل فراستِ عرشی،
مخمصوں سے رہا کیا مجھ کو، بے حد آساں سکھا دیئے تو نے
سارے آداب زندگانی کے ---- سرِّ حکمت بما کہ گوید باز؟
کیوں پریشاں خیالیوں کا زہر گھولے خوشگواریٔ جاں میں

حکمِ یزداں ملا کہ دور رہیں سب تردد پذیر اندیشے'
نہ کریں دق ہمیں ---- . مصداقے بیل آمار' آپ ہم کرلیں
جی کا آزار' روح کی سوہان بے سروپا خیال 'لغو دھنیں۔
پڑ گئی ذہن ظن کو لت ایسی مارے مارے یہ بے لگام پھریں
اور آوارگی کی منزل کیا!
تجربہ ہو' سبق ملے کوئی تب یہ ممکن ہے کچھ پڑے پلے
علی الاطلاق کس لئے آخر کوئی ہلکان ان امور میں ہو----
دور از کار' مبہم اور دقیق؟
لیکن اشیائے روز مرّہ کی کیفیت کا وقوف لازم ہے
کہ یہ دانائی سے عبارت ہے۔
ماسوا فاسدہ بخارات اور خیرہ چشمی ہے یا تہی مغزی۔
اور کردے یہ (سعیٔ لاحاصل) متعلق امور میں بے مشق
اور بے التفات بھی ہم کو اور مجنونِ جستجو بھی مزید۔
تج کے پس یہ بلند بانگ فضا آؤ نیچی ذرا اڑان کریں۔
کیجے موضوعِ گفتگو چندے قرب میں جو امورِ مصرف ہیں۔
گر بہ دوران بر سبیلِ بیاں کچھ سخن گسترانہ بات آئے'
بے محل ہو نہ شوقِ استفسار' تو اجازت یہ مرحمت کر کے
اپنی مخصوص مہربانی سے کیا عجب گر نواز تا جائے۔
قصہ تیرا سنا' وقوع پذیر جو ہوا میری یادداشت سے قبل'
سن مری سرگذشت اب مجھ سے' یہ نہ شاید ہوئی ہو گوش گذار---
اور دن بھی ابھی نہیں بیتا--- خیر جب تک تجھے ہو یہ احساس

کہ تجھے رو کنے کی خاطر ہی شیوہ و اہتمامِ پُر فن ہے ۔
ہمہ تن گوش سن حدیث مری'
ناحق البتہ ۔۔۔ گر توقع ہو یہ غلط ملتفت نہ تو ہو گا ۔۔۔۔۔۔۔
بات یہ ہے کہ تیری صحبت میں ہوں ورائے نعیم گویا میں
اور تیرا سخن بگوش مجھے ثمرِ نخل سے بھی شیریں ہے۔
اس گھڑی سے زیادہ لطف انگیز
بعد محنت ملے لذیذ طعام چھک کے' جب بھوک پیاس دونوں کو
طلب ان کی تمام ہوتی ہے سیر ہوتے ہی جلد جی بھر کے'
تازگی بخش کیفیت' لیکن سخنِ دلپذیر تیرا تو
سرمدی برکتوں میں آمیزہ' ان کی آسودگی نہ سیر کرے۔"
ملکوتی ادائے حلم سے یوں تب رفاعل جواب میں ان کو:
"لب ترے ہیں ابوبشر بے طرز نہ ترا نطق بے فصاحت ہے
کہ نعم بے حساب یزداں نے کیں نچھاور دروں بروں تجھ پر
تو کہ اس کا جمیل پرتو ہے۔
لب کشائی ہو یا زباں بندی روپ ہے' آن بان ہے' چھب ہے'
لفظ اس طرز سے ادا گویا ایک تصویر سی بنا آئے۔
تیری بابت زمین پر' ہم میں ہے سرِ عرش ذکرِ خیر بہت
جیسے باہمد گر ہو یاروں میں۔
شاد جویا' اس آدمی کے ساتھ خوب راز و نیازِ یزداں ہیں
شاہد اس پر اسے شرف بخشا' بلکہ یزداں نے مرحمت فرمائی
کامل اپنی محبت انساں کو۔

چھیڑ تو اس لئے کتھا اپنی کہ میں اس روز غیر حاضر تھا۔
واقعہ یوں ہوا کہ حسب الحکم، دور میں اک مہم پہ، دوزخ کے
بابہائے خراب کی جانب، سفرِ مخفی و مہیب میں تھا۔
اک مکمل قشون صف بستہ (تھی ہماری چنیں کمیدانی)
کہ رکھیں ہم کڑی نظر، نہ کرے کوئی جاسوس یا غنیم خروج
جب ہو یزداں بکارِ خود مصروف،
خیرہ چشمانہ ایسی شورش پر وہ مبادا غضب میں آجائے
اور تخلیق میں فنا بھر دے۔
یہ نہیں ہے معاملہ، ان سے ممکن اقدام ہو بغیرِ اذن،
لیکن اس نے ہمیں کیا ارسال بطریق امرِ عالیٰ سرکار
مقتدر بادشاہ کی صورت کہ ہوں فی الفور خوگرِ تسلیم۔
ہم نے دریافت کر کے سختی سے. جھٹ بھیانک کو اڑ بھیڑ دیئے
اور مضبوط کی دھس بندی۔
آئے بھی تھے نہ ہم ابھی نزدیک کہ دروں شور و غل سنائی دیا،
یہ نہ آہنگِ رقص و نغمہ تھا،
بلکہ ہنگامہ خیز چیخم دھاڑ۔۔۔ کرب شوریدہ، شیون و زاری۔
ہم بخوش شام سبت سے پہلے لوٹ آئے سواحلِ ضوکو،
یہ ہمارے سپرد قضیہ تھا۔
سرگذشت اب مگر تری، میں ہوں ہمہ تن گوش، کم نہیں مجھ کو
انبساط آفریں سخن تیرا جس قدر تھا مرا کلام تجھے۔"
دیو تاروپ اس فرشتے نے یوں کہا، پھر بزرگوار اپنے:۔

"آدمی کو محال ہے بے شک کہ وہ بتلا سکے ہوئی کیسے
ابتدائے حیات انسانی - کس کو معلوم ابتدا اپنی (فَصَمَتْ باہنالسان الْقال !)
حیلۂ آرزو ہے یہ، تجھ سے صحبتِ گفتگو دراز چلے۔
آپ کو میں نے خواب نوشیں سے ہو کے بیدار جس طرح پایا
گد گدا سا در از گِل آگیں دوب پر، رو غنی عرق میں تر،
تھا بساندی نمی سے میں سیراب،
تیز سورج نے گرم کرنوں سے پھر مجھے خشک کر دیا اک دم۔
چشم پر اشتیاق تب میں نے منعطف سوئے عرش کی سیدھی
ٹکٹکی باندھ باندھ کر دیکھا آسمانِ کثیر کو چندے،
پھر جبلّی سریع حرکت سے ایک دم جست فوق کی گویا
سعیٔ پرواز آں جہت، لیکن پاپہ استادہ مستقیم ہوا۔
کھل گئے گرد و پیش آنکھوں پر
کوہ و میدان و وادی و صحرا، سایہ دار اور دھوپ میں اجلے
اور سیال نرم نرم بہاؤ زمزمہ خیز آبجوؤں کے،
مترنم طیور شاخوں پر، پھول افشاں شمیم سے لبریز،
حرکت مند زندگی ہر سمت خوش رمیدہ، روندہ بال کشا
ہر طرف نت نئی نئی مخلوق
ہر کجا چشمۂ بود شیریں --- ماہی و مرغ و مور بر آیند !
ڈال کر پھر نظر سراپا پر جائزہ عضو عضو کا لینا :
نرم عضلات، جوڑ لچکیلے --- رم کناں میں کبھی خرامیدہ
چاق و چوبند --- دے توانائی جس قدر بھی قدم قدم تحریک!

مطلقاً" تھی مگر نہ آگاہی۔۔۔۔ کیستم' از کجائم' اصلم چیست؟
کی جو سعیٔ سخن' ہوا گویا' جھٹ زباں ہمنوا بنی میری'
اس طرح میں سخن طراز ہوا" "شمس! تو نورِ خوشنما' بے شک
تیرے دم سے زمیں منور ہے' اس قدر دیدہ پرور و شاداب۔
جنگلو کھیتیو' ندی نالو' گھاٹیو اور وادیو۔۔۔۔ تم بھی'
خوش گِل اہلِ حیات و حرکت تم۔۔۔۔ گر کیا ہے مشاہدہ' بتلاؤ
میں' بتاؤ چہ طور ایں صورت معرضِ ہست میں یہاں آیا؟
نہیں بالذّات اگر' کسی اعلیٰ آفرینندہ کی بدولت ہوں'
وہ جمال و مجال میں خالق۔
کس طرح' یہ بتاؤ' پہچانوں' کس طرح بندگی کروں اس کی
جس کے فیضِ کرم سے میں ایسا صاحبِ حرکت و حیات ہوا'
میرے ادراک سے زیادہ یہ میرا احساسِ شادمانی ہے؟
جبکہ دیتا ہوا ندائیں میں یوں نجانے کدھر تھا آوارہ
سانس پہلے پہل ہوا میں لیا اور مبارک یہ روشنی دیکھی'
خامشی اک مگر جواب میں تھی۔
سخت دل گیر ایک سایہ دار مخملیں گُل شکر کنارے پر
گر پڑا میں نڈھال' پہلی بار خوابِ شیریں نے آلیا مجھ کو،
اک غنودہ لطیف حالت نے میرے احساس کو دبوچ لیا۔
میں بہت شانت تھا پہ لگتا تھا سابقہ کیفیت میں پھر بے سدھ
دھنس رہا ہوں کہ میرا شیرازہ جھٹ بکھر جائے گا یہ دوبارہ۔
تب اچانک سرہانے اک سپنا اپنے ٹیفِ دروں سے جنیدہ

طرزِ احسن سے تاکہ ظن میرا یہ رہے استوار۔۔ قائم ہوں،
ہے بدستور سب وجود مرا اور میں تاہنوز زندہ ہوں'
کوئی آیا گماں ہوا کوئی پیکرِ قدس زمزمہ زن تھا:۔
"خیز ہے عصر منتظر آدم! اول النّاس جدِ پیشینی!
یہ مقدر ہے تیری پشت سے ہوں مردمِ غیر ممکن ال تخمین۔
دی ہے تو نے ندا سو ہوں موجود رہنمائی کو باغِ راحت تک'
مسکن آرام دہ وہاں تیار!"
یہ کہا' ہاتھ تھام کر اس نے پھر اٹھایا مجھے' چلا لے کر
کشت زاروں میں جو بَاروں میں'
دوشِ بادِ نسیم پر رپٹے' بے اٹھائے قدم روانہ تھے۔
لے کر اونچی سپاٹ چوٹی کے بَن اٹے اک پہاڑ پر پہنچا'
اک احاطہ حصار بند و سیع' خوبصورت درخت روئیدہ'
اک خیابانِ برگ پوش حسیں۔
ارض پر جو مشاہدہ کیجے ہر سماں اس سے خوش نما کم کم'
ہر شجر باردار' آویزاں خوبصورت ترین پھل میوے'
بھوک میری چمک اٹھی یک دم' جی کرے منہ میں توڑ کر رکھ لوں.....
کھل گئی آنکھ تو حقیقت کے روپ میں سامنے نظر آیا
خوب منظر نما جو خواب میں تھا۔
رہ نوردی اسی طرح رہتی وہ مرا راہ بر درختوں سے خود پدیدار گر نہ ہو جاتا۔۔
---- سر بسر ایک سرمدی جلوہ'
شادمانی سے احترام کے ساتھ میں نے اس کے قدم لئے جھک کر۔

تب بہ تمکینیٔ تمام اس نے یہ اٹھا کر کہا مجھے --- "میں ہوں
تھی تجھے جستجو یہاں جس کی'
صانعِ کُل ہوں' جس کا شاہد تو فوق و چوگرد و تحت اپنے ہے۔
میں نے فردوس کی ہبہ تجھ کو' لے سنبھال اب یہ ملکیت اپنی
کاشتن داشتن ترا ذمہ۔
لہلہاتا ہے نخل نخل پہ جو کر ثمر نوش جان جی بھر کے۔
کل کا کوئی ہو نہ اندیشہ
ہاں مگر اک شجر پہ بندش ہے --- جس کی تاثیر سے ابھرتا ہے
خیر و شر کا شعور --- احتراز یہی
تیرے ایمان اور طاعت کی میں ضمانت قرار دیتا ہوں۔
یہ امر پیڑ وسطِ باغ میں ہے' یاد رکھنا تجھے ہے یہ تنبیہہ
کر حذر' تو اسے نہیں چکھنا کہ بری عاقبت سے بچ جائے۔
ہو خبردار' کچھ چشید اس سے تو نے جس دم کیا --- بغاوت کی!
یہ مرا امر امتناعی جان'
موت آئے گی لازماً" اس دن' ہو گی مبرم قضا تری تقدیر
اور فانی قرار پائے گا۔
اک جہانِ ملال و حرماں میں' تو یہاں سے جلاوطن ہو گا!"
صادر اس نے بڑی خشونت سے کی یہ سنگیں ممانعت' اب تک
اس تحکم کی گونج کان میں ہے --- قدغنِ رعب دار' تاہم تھا
خود مرے اختیار میں' بس میں میں نہیں ایسا ارتکاب کروں۔
جلد پھر طرزِ صاف میں اپنی سخنِ دلنواز کی تجدید:۔

"نہ فقط خوش نما یہی رقبہ بلکہ ساری بساطِ ارض تجھے
اور تری آل کو مری بخشش، قبضہ مثلِ خدیو لے اس کا،
تیرے چاکر ہیں جو بھی اس میں ہیں --- جو ہوا میں ہیں، جو سمندر میں
ماہی و مرغ و دام و ددِ سارے، (ف)
بدلیلِ ہمیں پرند چرند ایک اک نسل نسل پر اپنی
تو ذرا ان کا تسمیہ کردے۔
یاں پہ کرتا ہوں سب طلب حکما" عاجزانہ اسامیوں کی طرح
دم بھریں گے تری غلامی کا،
ہو قیاسِ ہمین ماہی پر خانۂ آب میں رہائش دار
طلبی سے یہاں کی ہے معذور،
دم کشی بادِ نرم میں ہے محال یاں اسے قلب ماہیت کرکے +"
جب یہ ارشاد اس نے فرمایا، دیکھ حاضر ہوئے وہاں زوجین
ہر پرندہ، ہر ایک چوپایہ
سر یہ نخرے سے پست نیہوڑائے، پنکھ پر خم ہر اک پکھیرو تھا،
وہ جو گذرے تو نام ٹھہرائے، کچھ خصائل کا بھی شعور ہوا
کہ مرے درکِ ناگہانی کو آگہی بخش دی تھی یزداں نے۔
پر مہیا نہیں ہوئی ان سے اک جو دل میں طلب عجیب سی تھی۔
اس طرح میں نے جراتِ اظہار ہستیٔ قدس کے حضور میں کی:۔
"اے مبارک وہ اسم پاک ہے کیا، وہ فضیلت جسے تمام پہ ہے
افضل انساں سے اور جو افضل نوع انساں سے، برتر اس سے بھی،
اور مافوقِ تسمیہ بھی ہے۔

میں تری بندگی کروں کیوں کر اے زمان و مکان کے خالق؟
ہست کن تو فلاحِ ہستی کا، جملہ بہرہ وری کو یوں وافر
نو بہ نو اس کشادہ دستی سے کر دیا ہے بہم--- کریمانہ،
کوئی لیکن نظر نہیں آتا ہم نمک، ہم نوالہ، ہم سفرہ---
اور تنہائی میں مزہ کیا ہے، کیا سواد اس اکیلے پن میں ہے
اور اگر کچھ سواد بھی ہو تو حاصل آسودگی کہاں ایسے؟"
میں تو بے باک، جلوۂ رخشاں متبسم، مزید رخشاں تر،
بجواب اس طرح سخن فرما: "شکوہ تنہائی کا تجھے کیسا؟
کیا زمین و فضا نہیں معمور جانداروں سے بھانت بھانت کے ہیں؟
سب کے سب تیرے تابعِ فرماں آئیں بازی کناں ترے آگے،
تجھ کو ادراک کیا نہیں ان کی بولیوں اور رنگ ڈھنگ کا ہے؟
وہ بھی رکھتے ہیں سوجھ بوجھ، ایسی بات تحقیر کی نہیں اچھی،
ڈونڈھ تفریح ان کی صحبت میں، راج کر، ہے بڑی تری سرکار۔"
یہ خداوندِ کل نے فرمایا، تھا یہ منشائے ایزدی میں بھی
لب کشائی کی التجا کر کے یوں بصد منت انکسارانہ
تب ہوا در جواب عرض گذار:۔ "بارِ خاطر نہ ہو سخن میرا
اے مرے کردگار ہوں معروض تو مرا کردگارِ کل بن جا،
تو نے روزِ ازل مجھے اپنا کیا خلیفہ نہیں بنایا ہے
اور یہ حیثیت میں ہیچ کئے؟
باہم ان میں مجالست کیوں کر جو نہیں ہمگناں بہم دیگر،
لطفِ صحبت کہاں کہ ہمرنگی چاہیئے ناگزیر دو طرفہ

دادہ و یافتہ بہ اندازہ باہمی نسبت و تناسب سے!
بہ تفاوت، ہو گر مجوش جو اک، اس کے باوصف سرد مہر دگر
کیا ہے دل بستگی کا پھر امکان؟
یوں تو ہو بینِ جانبین اک سا عالمِ انتہائے بیزاری۔
اس رفاقت کا ہے یہ ذکرِ جمیل، متمنّی کسی دلآرا کا،
جو بصد ہوش مندیٔ موزوں بادہ پیما بساطِ قرب پہ ہو۔
جانور کی نہیں ہے یہ اوقات کہ وہ انساں کا ہم جلیس بنے،
جملہ ہم جنس مست باہم جنس ---- باز مادہ شریکۂ نرباز،
شیر با شیر زن شریکِ حیات --- جوڑ موزوں ملائے یہ کیسے!
مرغ ماہی میں کیسا میل ملاپ، کب چرند و پرند میلانی
یار کب بقرہ بوزنہ باہم؟
بینِ حیوان ناطق و مطلق صورتِ حال اور مہمل ہے!
خارج از بحث ہی اسے کہئے۔"
نہ برا مان کر ذرا، گویا قادرِ مطلق اس طرح بجواب:۔
"ہے مجھے علم، سودِ خاطر کو یہ نفیس و لطیف ایما ہے
بہرِ ہم صحبتِ پسندیدہ،
بسکہ آدم نہ لطف چش ہو گا، لطف وافر ہزار ہو ---- تنہا۔
کیا مرے سلسلہ میں سوچا ہے، کیفیت پر مری بھی غور کیا؟
تیری دانست میں ہوں میں کہ نہیں خوب راحت نشینِ آسودہ
گو جریدہ ازل کے دن سے ہوں ---- (اَحَدٌ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ) ---
کوئی ثانی نہ ہے مثیل مرا، کسی ہمتا کا ذکر ہی کیا ہے،

متکلم ہوں جس سے کون ہے وہ میری مخلوق کے سوا آخر'
آفریدہ جو آپ کی میں نے؟
ذات میری معلّیٰ و اولیٰ' ان گنت سلسلے فروتر کل
جس طرح آفرید گاں دیگر' ہیچ سب حیثیت میں تجھ سے ہیں!"
چپ ہوا وہ تو یوں مودب میں: "اے جزو کل کے والیٔ والا'
بالِ فکرِ بشر تو قاصر ہے ابدی سنتوں کی گیرائی اور گہرائی تک رسائی ہو'
ذاتِ قدوس میں ہے تو اکمل' کسر تجھ میں نہیں سرِ مو بھی'
آدمی کا قماش دیگر ہے۔
باعثِ عندیہ ہے تدریجاً" ہم کلام ایک ہم نفس سے ہو
تب ذرا تقویت ملے اس کو' اس ذریعے سے رفع کوتاہی۔
نہ تجھے احتیاجِ افزائش' ہے تری ذات آپ لامحدود
اور جملہ صفات مطلق ہیں۔۔۔ وحدکَ لاشریک تو لاریب۔۔۔
بشر اپنی صفات سے مظہر اپنے مفرد ادھورے پن کا ہے'
مثل۔ سے مثل کا مولّد یہ نسل افزا شبیہ کا خود ہے'
اپنی وحدت میں ناتمام' ضرور جگری رابطے کا حاجت مند'
داد خواہِ محبتِ طرفین۔
بزمِ خلوت میں تو وحید سہی' لیکن احسن رفیق ہے بالذّات'
مجلسی اختلاط کا خواہاں تو نہیں' بے نیاز آسودہ۔
تجھ کو قدرت ہے دست پروردہ ہو ترا صاحبِ عروج اتنا
کہ بہ پیوستگی و ہم ربطی مظہرِ ذاتِ کبریا بن جائے۔
قم باذنی سے کر نہیں سکتا کوزپشتوں کو میں سہی قامت

نہ ہی ان کی روش سے دلجمعی خاص حاصل مجھے کبھی ہوگی"۔
بے تکلف، مودبانہ تھی یہ جسارت میں شوخیٔ گفتار،
ہوگئی عرض کی پذیرائی کہ میسر ہوا مجھے پاسخ سرمدی صوتِ خوش سواد سے یہ:۔
"یاں تک آدم تھا امتحاں مقصود، مطمئن ہوں ملاحظہ فرما
کہ نہیں صرف آشنائے وحوش۔۔۔ تو نے موسوم بھی کیا جن کو
بلکہ ہے خود شناس و خود آگاہ،
فاش کردی ہے اے مرے پرتو برملا روح تو نے باطن کی
جو نہ پھونکی گئی بہیمہ میں۔
صحبت ان کی ترے لئے ناجنس، مختلف ان سے طبع کی افتاد
بسکہ معقول ہے ترا اظہار ناپسندیدگی کا یہ کھل کر۔
اس ہمارے مکالمہ سے قبل
تھی خبر زیست یکّہ و تنہا آدمی پر بہت گراں ہوگی،
نہ مشیت مری تھی ہمدستاں ہوں جو تیری نظر سے گذرے ہیں،
آزمائش کو تھے یہ آوردہ
کہ تو موزون اور زیبا کا کس طرح امتیاز کرتا ہے۔
میں کروں گا کرشمۂ کُن سے جو مزیّن قبائے ہستی میں
تیری دلشاد بالیقیں ہوگی۔۔۔ نصف پیکر ترے وجود کا وہ
تیری شایانِ شاں مددگارہ، ہو بہو آرزو تری دلخواہ۔"
اس نے چپ سادھ لی تھی یا کہ جواب دے گئی تھی مری سماعت ہی،
عرش تمثال کا ہجوم ہوا اب بکثرت نہادِ خاکی پر
تاب جس کی طویل لائی تھی۔

ملکوتی، مگر ملوکِ کلام تھا بجدّے دباؤ کا موجب جس طرح امر ماورائے شعور۔
خیرہ و مضمحل ہوا میں تو نیند سے لطف کا تمنائی،
اور اسنے بھی کر لیا غلبہ جیسے قدرت کو ہو مدد منظور
اور دھیرے سے موند دی آنکھیں،
میری آنکھیں تو موند دیں لیکن تھا سراپردۂ تخیل باز،
وہ مری بینشِ دروں جس سے منتزع --- بے خودی کے عالم میں
دھیان گزرا، نظر پڑا مجھ کو، گرچہ خوابیدہ، میں جہاں تھا دراز،
وہ ہیولیٰ نظر پڑا، اب بھی جلوہ آرا، حضور میں جس کے
میں بہ بیداری، ایستادہ تھا۔
وہ جھکا اور پہلوئے چپ میں فصد دے کر نکال لی میری
ایک پسلی --- تپاں، تراویدہ پے بہ پے جو ہرِ تپاک اس سے،
گھاؤ گھمبیر تھا مگر جھٹ پٹ بھر گیا گوشت، اندمال ہوا۔
کی جو پسلی کی اب تراش خراش تو بنا چتر کار ہاتھوں میں
ایک پیکر حسیں بشر صورت، مختلف صنف کا وہ دلآرا
کہ فریبِ نظر لگا سارا جو زمانے میں دلفریب لگا۔
خوبصورت گندھا وہ شیرازہ اس بدن کا، نگاہ میں ایسا
کیف مرکوز رچ گئی یک لخت وہ لگا تار دل میں شیرینی
کہ نہیں یہ [illegible] چکھا تھا۔
اس وجودِ لطیف سے تحریک حبِّ دل، حظِّ عاشقانہ کی۔
تیرگی میں وہ ہو گئی روپوش، جب کھلی آنکھ لگ گیا ہَوکا
یا تو مل جائے وہ صنم مجھ کو، حرزِ جاں یا قلق مدام بنے۔

(قیس ولیلائے گمشدہ کہئے'
یا زلیخا کی چاہ میں یوسف ہر دگر لطف خیرباد کہے)۔
کچھ مجھے اب بھلا نہ لگتا تھا'

جب بڑھا حد سے دردِ نومیدی سامنے آگئی وہ محبوبہ
عین نک سک درست خواب ایسا' روپ سولہ سنگار سات ابرن'
سج دھج ایسی کہ اک سماں باندھے' وہ بناؤ کہ اک پھبن نکلے'
کبک رفتار' رہنمائی میں عقبِ کردگارِ قدوسی
جو نہاں تھا۔۔۔ وہ اس جگہ پہنچی لائی اس کی ندائے غیب جہاں۔
ناشنیدہ سرودِ عشق و شباب' راہ و رسمِ زفاف نادیدہ'
ناشناسِ نہایتِ عصمت' بے خبر وصل کی شریعت سے'
چال میں بانکپن' نظر میں نعیم' رہزنِ صبر' ادائے باتمکیں'
مست و سرشار و بیخود و خرم۔
فرطِ ہیجان' اضافۂ خلجان' کہ نہ ضبطِ سخن ہوا مجھ سے
اور بے اختیار بول اٹھا:۔
"صورت حال میں ہوئی ترمیم' مہرباں' آفرید گار' کریم'
تیرے پیمان کی ہوئی تکمیل۔۔۔ کل امورِ حسیں کے بخشندہ!
سب عطیاتِ خسروانہ میں خوبصورت ترین یہ بے شک
ہے بجا رشکِ آفرینندہ۔
استخواں میں ہے استخواں میری' لحم میں حسن میرے لحم کا ہے'
سامنے عین ذات یہ اپنی۔۔۔۔ زن لقب' مرد سے بر آوردہ۔"
کارن اس کے تجے گا پھر ماں باپ' ہو کے رہ جائے گا وہ جورو کا'

ایک تن' ایک جاں میاں بیوی۔
(رہ گئے تلسی داس اُوت کے اُوت دِھیاں لے جاں جوائی بہُواں پوت)۔ (دھی = بیٹی)
بات سن کر مری وہ دلآرام ---- بتِ زندہ' کرشمہ زائیدہ
صاف معصومیت' حیاطیّب' صفت و سیرت و صفائے ضمیر'
دل زسینہ بُرد ------ وہ پیار آئے ------
نہ گریزاں' نہ خود سپردایسی' بے طلب تو نہ آئے پہلو میں'
شیوۂ پر حجاب سے سرتیز آتشِ شوق بے تحاشہ کرے۔
قصہ کوتاہ یہ کہ فطرت نے فکرِ عصیاں زدہ سے بے بہرہ
ساخت فرمائی اس قرینہ سے کہ مجھے دیکھ کر کیا اغماض
وہ بنی آہوئے رمیدہ تو میں تعاقب میں اس حسینہ کے'
تھی وہ ناموس آشنا' محرم
کہ مری التجادلیل آمیز نازِ تمکین سے قبول ہوئی۔
بھور سی لال لاج کی ماری آئی جب حجلۂ عروسی میں'
سعد وہ ساعتِ زفاف آئی' قرنِ فرخ کی نیک فال گھڑی
----- ارغوانی سہاگ پھول کھلے -----
راس منڈل' اکاش نکشتر اخوب واریں نچھاور انت کریں
شبھ پہ شبھ بھاگوان ریکھائیں۔
ارض میں تہنیت کی دھوم مچی' ہر پہاڑی نے دی مبارکباد'
مست طائر نہال' نرم نسیم' تازہ جھونکے چلے بہ سرگوشی
جنگلوں سے یہ ماجرا کہہ کے' ---- شجر و نخل تھے شگوفہ شگفت
اور آتی تھی مست لوبانی شاخ کی خوشگوار مہکاریں۔

تھیں وہ اٹکھیلیاں مگن دل پھینک رین پنچھی نے راگ سمبندھی
خوب آنند چھیڑ کر یہ کہا۔۔۔ سانجھ تارے سے۔۔۔۔ اس پہاڑی کی
دور چوٹی پہ۔۔۔۔ بیاہ دیپ جلا!
کی بیاں کیفیت تمام تجھے' اب مری داستان آ پہنچی
دینوی نعمتِ ملخّص تک' راحت اندوز بیش جس سے ہوں۔
یہ ہے تسلیم ہوں بہت محظوظ دیگر اشیائے رنگ رنگ سے بھی'
ہو مگر یانہ ان سے ہو بہرہ
ذہن میں تو بپا نہیں کرتیں کوئی تغییرو خواہشِ سر تیز۔۔
میرا مطلب نفاستیں ساری۔۔۔ ذائقے پھول پھل جڑی بوٹی'
بوئے خوش' زمزے پرندوں کے اور نیرنگیاں نظاروں کی۔۔
یاں ہوا پر معاملہ برعکس۔۔۔ عالمِ بے خودی میں اب نگراں'
عالم بے خودی میں لمس کناں'
کیفیت یہ ہوئی ہے پہلی بار' طُرفہ ہیجاں' عجیب سرشاری'
دوسری ہر طرح کی لذت سے ہے یہ جذبہ متین اور وقیع
بسکہ بے بس ہوں روبرو کتنا
نگہِ کارگر کے جادو سے جو بظاہر نگاہ سے کم ہے۔
نقص فطرت سے رہ گیا مجھ میں' کوئی حصہ ہوا نہیں پختہ
کہ وہ یہ آفت حسیں سہتا'
یا تہی بے حساب کر ڈالا میرا پہلو نکاس کے ہنگام۔
کچھ سہی' مستزاد اسے بخشی زیب و زینت۔۔۔ یہ آن بان اس کی
ظاہرا" بے قیاس گو کم تر' باطنا" بھی بعینہٖ اتنی۔

کہ مجھے یہ شعور وافی ہے
خام اس کو بغایتِ اولیٰ آپ فرمادیا ہے فطرت نے بہ لحاظِ دماغ و استعداد'
جس نے ہم دو کو آفرید کیا
اس بزرگ و عظیم ہستی کے ظاہری عکس کی مثیل بھی کم'
کم ہے کردار میں نمایاں بھی آئے حاوی دگر خلائق پر'
تاہم اس کے جمال پر جاؤں تو مکمل دکھائی دیتی ہے' اپنے پیکر میں مستند کامل۔
اپنے بارے میں یوں مبین ہے آپ
کارو گفتار و عندیہ جو ہو نظر آئے کہ انتہائی ہے
عقلمندانہ' خیر کوشانہ' کاملانہ' نگاہدارانہ۔
گرد سارا تبحّرِ علمی' گم ہو شّی سخن طرازی میں
آئے دانش کبھی جو منہ اس کے' کھائے منہ کی' لگے ہونقّ سی'
حکم یا حزم سامنے ہو کر ایک پانی بھریں' کہ منشا تھا
ابتدا" نہ بعدہٗ یعنی صرف مطلب بر آریاں ان سے۔
بہرِ اتمام ذات میں اس کی عظمتِ ذہن و نیک خوئی نے
گھر کیا با کرشمہ و اعجاز۔۔
رعب ہستی سے وہ نمایاں تھا کہ نگہدار ہو سروش اس کا+"
تب انہیں بھوں سکیٹر کر عرشی:۔
"دے نہ فطرت کو دوش اس نے تو فرض اپنا دیا ہے سرانجام'
تو بجالا جو فرض تیرا ہے۔
ہو نہ بد ظن خرد سے یہ تجھ کو دے نہ داغِ جدائی' گر تو ہی
ترک اس کو کرے نہ جب اس کی قربتِ انتہائی ہو درکار'

جبکہ دے تو قرار بیش انہیں عمدگی میں، نہیں جو بیش قرار

جس طرح تو بذات خود شاہد۔

جس کی خوبی کا مدح خواں تو ہے، تجھ پہ کرتی ہے وجد جو طاری،

کیا بدیشی ہے؟ وہ تو دلآرام پاسداری کی ہے ترے شایان،

تیری دلداری و محبت کی، پر نہیں ہے ترے تسلط کی!

آپ کرے لے موازنہ اس سے پھر لگا اہمیت کا اندازہ۔

عزتِ نفس سے بسا اوقات کوئی شے بیشتر مفید نہیں

مبنیٔ حق و عدل، خوش اسلوب۔

ماہر اس گُن میں جس قدر ہو گا وہ کرے گی اسی عقیدت سے

اپنا سر تاج بھی تجھے تسلیم۔

مان جا، روکشِ حقیقت ہیں جو بھی ہیں خود نمائیاں اسکی۔۔

اس قدر پُر جمال جب دیکھے دل ترا باغ باغ ہو جائے،

اس قدر پُر جلال پیار کرے مونسِ جاں کو احترام کے ساتھ۔

کائیاں ہے وہ بھاپ لیتی ہے کب تری عقل ماری جاتی ہے۔

ہاں تجھے لمس کی مگر یہ حس۔۔۔ جس سے نسل بشر کی افزائش۔۔

گر فزوں تر ہے دل پسند سرور،

سوچ اس سے تو ڈھور ڈنگر کو، ہر دد و دام کو نوازا ہے؟

یہ اداعام کی نہیں جاتی منکشف ان پہ یہ نہیں کرتے،

ہے ذرا سی، بہت مزیداری

ہو مسلط روانِ انساں پر تو وہ جذبات مرتعش کر دے۔۔۔۔

عشق تجھ کو عظیم تر حاصل اس کی صحبت میں ہے مگر کتنا،

عشق گرویدہ گر، شعور نواز، آدمیت شعار، تو بے شک
عشق کے کاروبار میں مشّاق، اور جذبہ میں خامکار کہ یہ
عشقِ صادق سے ہے تہی یکسر،
عشق فکر و خیال کو صیقل اور دل کو کشادہ کرتا ہے
عشق کا عقل میں نشیمن ہے، عشق ہے نکتہ رس دقیقہ سنج
عشق مرقات تو صعود کرے تا بہ عشقِ حقیقئی قدسی (سیڑھی)
عشق نفسانیت کی لذت کا کشتۂ شوق و خواست گار نہیں۔
برَ------ یہ دلبر تری--- اسی خاطر ان بہائم سے انتخاب نہیں+"
خجل و نیم منفعل بجواب تب فرشتے سے یوں صفی اللہ:
"نہ تو یہ سامنے سراپا ہی اس قدر جنتِ نظر اس کا
نہ ذرا یہ تمام جنسوں کا مشترک فعلِ نسل افزونی
(گرچہ برتر بہ حرمت اخفا جانتا ہوں سہاگ سیج کو میں)
لذت انگیز ہے مجھے جیسے خوش کن اس کی ادائیں وہ بانکی
وہ کرشمے ہزار، پیدا ہیں جو سخن اور چلن میں روز اس کے۔
جن میں آمیزشِ محبت ہے دلربا امثالِ امر کے ساتھ،
بے تصنع معانقہ جن سے ارتباطِ خیال کا---- یعنی
جس طرح ایک جان دو قالب۔
بینِ زوجین وہ ہم آہنگی کہ نہ فردوس گوش ایسی ہو
تجربہ میں نوائے ہم آہنگ---- تاہم آتے نہیں ہیں یہ حاوی،
تجھ پہ کرتا ہوں آشکار اس سے جو بھی محسوس ہے دروں مجھ کو،
پس نہیں ہے حواس باختہ جو متنوع امور کو پاکر،

کہ ہیں مظہر نمائے رنگ برنگ۔۔
اور مختار باد جو داس کے وہ گل سرسبد پسند کرے
وہ سراہے کہ میرا جی چاہے۔
عشق پر نکتہ چیں نہیں تو بھی' ہے یہ تیرے قریں تو عرش رساں۔
راہ بھی' راہ بر بھی' راہی بھی۔
بارِ خاطر نہ ہو تو عرض کروں' گر مرا یہ سوال جائز ہے۔
بادۂ نابِ عشق سے سرشار ہیں جو روحانیانِ عرش تو یہ
کیسے اظہارِ عشق کرتے ہیں'
آنکھوں آنکھوں میں پیار ہوتا ہے کہ یہ باہم وصال نور کا ہے'
سرسری لمس ہے کہ سچ مچ کا؟"
یوں سروش ایک ابتسام کے ساتھ' جو اکاشی گلال گلگونہ
رنگ مخصوص ہے محبت کا:۔
"اس قدر بس تجھے ہو معلومات' ہم ہیں مسرور' اور سرور کوئی
گر محبت نہ ہو' نہیں ہوتا۔ جس منزّہ سے تن ترا محظوظ'
(کہ منزّہ ہوئی تری تخلیق) ہم بھی حظ یاب ہیں کثیر اس سے۔
حائل آتے نہیں غشا مُفصِل' عضب' عضلہ'۔۔۔ خصائصِ اعضا۔۔
(الجھنیں انگ جوڑ جھلی کی)۔
ہائے لطف نشاط پیرایہ ہوں جب ارواح ہم کنار' ایسا
باد کا باد سے ملاپ کہاں۔۔۔ یہ مکمل وصال کا عالم'
آرزو مند اک منزہ کا ربطِ پیوستگی منزہ سے۔' نہ ہی کچھ ضبطِ نفس کو حاجت'
جس طرح ہو بدن بدن میں ضم اور تحلیل جان جان میں ہو۔۔۔۔

بسکہ ممکن فزوں نہیں مجھ سے۔
الوداعی نگاہ ڈال کے مہر ہو رہا ہے غروب ان شاداب پچھمی ٹاپوؤں کے پار' پرے
ارض کی سبز راس (ورڈے) سے ۔۔۔۔ یہ اشارہ ہے میری رخصت کا۔
حوصلہ رکھ' یہاں پہ جی آنند اور محبت نبھا سلیقہ سے'
لیکن اول محبت اس سے ہو کہ محبت ہے بندگی جس کی'
اور پھر اس کا امر بالمعروف' اس پہ باقاعدہ عمل پیرا'
دھیان اتنا رہے نہ یہ جذبہ متنر لزل شعور کو کردے'
نہ روادار ہو رضا آزاد حرکتِ ناروا کرے سرزد'
سب تری ذرّیت کا اور تیرا راحت و رنج منحصر تجھ پر
جان' وابستہ تیری ذات سے ہے۔
میں تری مستقل مزاجی سے مطمئن ہوں' تجھے دعا دوں گا
تو بھی ثابت قدم سدا رہنا۔
ایستادہ ہے تو کہ افتادہ تیرے مقدور میں یہ مختاری،
تو بباطن اگر بنے کامل' فکر کیا خارجی سہاروں کی
تجھ میں ترغیبِ معصیت کوشی زائل از خود تمام تر ہو گی ::"
وہ یہ کہتے ہوئے اٹھا' آدم حق میں اس کے دعائے خیر کے بعد:۔
"آن پہنچی گھڑی جدائی کی' سرمدی مہیماں خدا حافظ'
ملکوتی سفیر تو جس کا مرسلہ ہے سلام کہتا ہوں اس کی میں مقتدر فضیلت کو۔
تو خلیقانہ پیش آیا ہے میرے ساتھ اس کرم نوازی سے'
میں بہ تکریم دائما" تجھ کو شاد و ممنون یاد رکھوں گا'
نسلِ آدم پہ التفات نواز'

دوستانہ یہ سلسلہ رکھنا، زحمت ایسی کبھی کبھی کرنا::"
اس طرح باہم الوداع کہی،
اس گھنیرے سماں سے پر افشاں وہ کروبی تو سوئے عرش ہوا
اور لی راہ گھر کی آدم نے +

فرہنگ

۳۰۵ (۵) بعال، خوش فعلی، باہم زن و شوکی،
لاعبانہ (لعب) مستی سرمتی کی،
۳۱۴ (۲) اس میں چپ ہی بھلی
۳۱۸ (۴) ۔ دام، جانور جو گوشت نہیں کھاتا، دد گوشت خور جانور
۳۲۵ ۔(۱۲) راس منڈل ۔ بروج،
نکشترا ۔ فال کا ستارہ

☆

دفتر نهم

تلخیص

اہرمن زمین کا چکر کاٹ کر فریب کاری سے تاریکیٔ شب میں ایک ہیولیٰ سا فردوس میں گھس کر خوابیدہ افعی میں حلول کرتا ہے۔

طلوع سحر کے ساتھ آدم و حوا روز مرہ کے کام کاج پر نکلتے ہیں۔ حوا مصر ہیں کہ الگ الگ اپنے دھندے نمٹائیں۔ آدم منع کرتے ہیں مبادا وہ دشمن، جس کے متعلق خبردار کیا گیا ہے، گھات میں ہو، اور اکیلے میں انہیں بہکاوے۔ حوا چڑ کر مضبوطیٔ کردار کے مظاہرہ پر تل جاتی ہیں۔ آدم تریاہٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

افعی میں حلول ابلیس حوا کو اکیلا ڈونڈھ نکالتا ہے، چھل سے پاس لگتا ہے، تک لگائے، خوشامدانہ سلسلہ بات چیت کا چھیڑتا ہے۔ تعریف کے پل باندھتا ہے کہ کل مخلوقات میں ان سے زیادہ کوئی قابلِ ستائش ہستی نہیں۔ سانپ کو یوں انسان کی طرح بولتا سنا تو یہ دم بخود پوچھتی ہیں کہ اسے یہ عجیب درک کیوں کر ہوا کیوں کہ جانوروں میں ایسی بول چال اور سوجھ بوجھ تو کبھی دیکھی نہ سنی۔

حیلہ گر بولا یہ ایک درخت کا کرشمہ ہے اس کا پھل کھایا تو گویائی ملی اور شعور سے سرفراز ہو گیا جس سے پہلے عاریٔ محض تھا۔ حوا کی خواہش پر انہیں بھی اس درخت کے پاس لے گیا۔ وہ مایوس ہوئیں کے ممنوعہ شجر العلم نکلا۔ افعی نے چکنی چپڑی لگائی، ادھر ادھر کا منطق بگھارا اور انہیں آخر وہ پھل کھلا ڈالا۔ بڑا مزیدار تھا، حوا نے آدم کے لئے بھی توڑ لیا، ان کے پاس پہنچیں اور ساری روداد بیان کی۔

آدم ہکا بکا منہ دیکھتے رہ گئے۔ سمجھ گئے کہ لغزش کھائی ہے اور حوا اب کہیں کی نہیں رہیں۔ لیکن وفائے محبت کے عالم میں خود بھی حوا کے ساتھ یہ آفت جھیلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ قدغن کو بالائے طاق رکھتے ہیں اور پھل منہ میں رکھ لیتے ہیں۔

جھٹ لغزش کے اثرات دونوں پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ برہنگی چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، باہم تکرار ہونے لگتی ہے اور الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

بس خموش اے زباں جہاں مہماں آدمی کے سروش ویزداں ہوں'
جس طرح یار یار سے اپنے' زرہِ التفات ہم مجلس'
ساتھ گانٹوی اَدھار' اَن جَل نوش' (خوراک)
مستزاد اس پہ درگذر کی شان' لن ترانی کی عام اجازت بھی-----
اب یہ رامشگری مگر بدلوں المیہ میں-----کہ بدظنی مذموم
باغیانہ خلاف ورزی ہو آدمی کا معاملہ' افسوس
انحراف وعدول و سرتابی۔
عرش کا ہو معاملہ گشتہ' سخت برگشتہ-------راندہ و ماندہ
آدمی پر بجا ہو خشم اس کا اور جائز' اگر پڑے پھٹکار۔
فیصلہ صادر- اس جہاں میں ہوں وارد آزردگی کے کارکنان---
معصیت' معصیت کا عکس اجل' پھر مصیبت اجل کی ہر کارہ۔
فرض افسوسناک-----یہ موضوع ہیچ تاہم نہیں' سوا یہ تو
بطلانہ غضب سے' (ہیکٹر پر) جو اخیلس نے ظلم توڑا تھا'
طیشِ طرنوس (اطالوی) سے بیش' وہ لیونیہ کی بازیابی کے وقت جس کا مظاہرہ دیکھا'
جو نو نیپچوں کی قہرناکی سے' ادھک ایسا کہ جس سے اوڈیسس
زچ ہوا (سندباد یونانی) اور فرزندِ سطریہ بھی دق---
(ظالم' آئنیس قاتل طرنوس-----نیپچوں دیوِ بحر' جو نوماں
دیومالا میں دیوتاؤں کی)-----
طرزِ درخور اگر عطا کردے وہ سماوی مربیّہ دیوی
(دیوی یورانیہ) قدم رنجہ جو شبانہ بغیرِ منت ہے'
یا تو فرمائے خواب میں القا'

شعرِ بے ساختہ کویا میرے یوں محرک کرے کہ آمد ہو۔
رزمیہ نظم کا مگر موضوع خوب اول لگا' بدیر چنا' اور بتاخیر فکر فرسائی۔
میں نہیں ہوں ریاض گر طبعاً" کہ رقم وہ محارب کرتا
صرف جو یادگار ہو جاتے رستمی و تہمتنی کے سبب!
بلکہ یہ قادر الکلامی ہے ذکر تلمیح میں کئے جائیں
کوفت پرور طویل ہنگامے جو مچاتے مبارزت میں ہیں
ظاہراً الف لیلوی لُربیگ۔ (گرانڈیل' کوہستانی)
(گفتنی کتنے جرأتِ برداشت اور اولوالعزم جاں سپاری کے
شاہنامے رہے ہیں ناگفتہ)۔۔۔۔۔۔یا فسانہ سرائی کے موضوع:
آتی پاتی' مقابلے' دنگل گتکا بنوٹ کھیل کرتب دوڑ'
ساز سامان تغمئی ڈھالیں' نادرہ کار شعلہ گوں تیغیں
پاکھریں' خنگ' سیم تاب یراق'
اسوا کوتک میں یا بلی بلوان۔۔۔۔۔' نیزہ بازی میں یا شجاع دلیر'
یا ضیافت کا اہتمامِ خاص کسی مہمان خانۂ شہ میں!
طشت بردار قورچی حاضر۔ (ف)
سفلہ کوشی و فن کی پرکاری جو کہ ایسی کمال کی بھی نہیں
کہ بجا طور پر کسی کا نام
شخص ہو تو جری کرے اس کو' نظم ہو تو رجز بنا ڈالے۔
اور میری بساط ہی کیا ہے' کہ ہمہ داں نہ میں ہنر پرداز'
تاہم اس مثنوی کا یہ موضوع عمدگی سے بیاں اگر کردوں
مکتفی ہے کہ میرے نام کا وہ بول بالا جہان میں کردے پیشتر زاں۔۔۔ کہولتِ عمری

تند آب و ہوائے یخ بستہ یا زمانہ مرے پرِ طیار
نم زدہ، ریختہ، فرو کردے۔
بسکہ یہ حادثہ نہیں ممکن کیونکہ یہ سرمدی کتھا ہر شب
وہ مری راقیہ بذاتِ خود کان میں پھونک پھونک جاتی ہے +
ہو گیا ہے غروب اب سورج، رقص میں ہے ستارۂ ناہید
جس کے ذمہ ہے فرض دھرتی پر کھیت اگائے شفق کا۔۔۔۔ کم ہنگام
چودھرائن یہ رات اور دن کی۔۔۔۔ اور پھر از کنار تا بکنار
رات کے نصف قطر نے تاریک اک لبادہ افق پہ ڈال دیا۔
جبکہ۔۔۔۔ جبرئیل کے ڈراوے سے دم دبا کر، بھی عدن سے جو
بھاگ نکلا تھا اہرمن، کر کے اپنے اوسان اور حواس بحال
حسد و دشمنی میں لے کردہ بغض، کینہ و شقاوت میں
۔۔۔۔۔ سر پر اب آسمان ٹوٹ پڑے، خواہ کوئی بلا اسے آلے۔۔۔
آدمی کی تباہ کاری پر تل گیا اور بے دھڑک پلٹا۔
شب کا مفرورِ نیم شب لوٹا ختم کر کے زمین کا گھیرا،
جب اتالیقِ مہرِ جلوہ گر، دن سے محتاط عورئیل نے جھٹ
اندر آتے ہوئے اسے تاڑا اور کیا قدسیوں کو چوکنا۔۔
ضنیق، ناخن بہ دل زدہ چل کر گھپ اندھیرے میں پار کرتا ہے
وہ مسلسل خلائے ہفت شبی،
معتدل النّہار کے خط سے سہ گنا چکر اب تمام کیا،
قطب تا قطب رات کی رتھ کے پاس سے چار مرتبہ گزرا،
(اعتدال و مدار کا قاطع) دائرہ انقلاب پار ہوا،

آٹھویں رات آخرش لوٹا' ایک ساحل پہ عام راہ سے دور
ہٹ کے ہرپاسباں کروبی سے'
چور رستہ سے یوں بچا کر آنکھ گھس گیا وہ کہ ہو نہ سان گمان----
تھی وہاں اک حسین رامش گاہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ' (آرام گاہ)
لیکن اب وہ کہاں' نہیں ہے وہ' یوں مرورِ زمانہ نے اس کی
ہیئتِ سابقہ بدل ڈالی' اور پہلی بہارِ رنگیں سب
کر کے تلپٹ گناہ نے رکھ دی----
زیرِ فردوس تھا ترائی میں تیز کاریز ساروں دجلہ
شجر الخلد کے قریب اس کی راہ پیمود موج کالطمہ
واشگاف ایک صاف اور شفاف خوب فوارہ ساں اچھلتا تھا'
اہرمن برزمین وزیر زمیں' پھیلتی گھور دھند میں ملفوف
تھا اندھا دھند ٹوہ میں خفیہ' بحرو بر اس نے کھوج ڈالے سب
از عدم تا کنارۂ اسود---(پونٹس)' رود بارِ مائیس
(بحرِ آزوف) سائبیریا میں اوب دریا کے ماورا اوپر
اور تلے منجمد جنوبی تک' غرب میں طول طول از اورنٹیز
تا ڈرن (خاکنائے پانامہ) جو سمندر کی حدِ فاصل ہے'
واں سے اس طاس تک جہاں لبریز تیز گنگا و سندھ بہتے ہیں،
آنکتا تھا کرہ پہ گشت کناں چشمِ باریک بیں سے ہر مخلوق'
غائرانہ معائنہ کرتا آلۂ کار چالبازی میں کون موزوں تریں اسے ہو
کل جہانِ وحوش میں آخر سانپ مکار انتہائی ملا'
متذبذب' بہ فکر مستغرق غور و خوص اور حیص بیص کے بعد

یہ بجا غایتِ نہایت کا گپت ہتھیار انتخاب کیا'
ڈھونگیا ٹھیک ٹھاک ڈھب کا وہ مجرمانہ فریب کاری میں
اپنے مذموم عندیہ کے ساتھ اس طرح اس کی جُون میں آئے (شکل)
چشمِ شاطر تریں بھی شک نہ کرے،
اور مشکوک چھل بٹے کیوں ہوں' بلکہ عیار سانپ میں موجود
آئینہ دار یہ تو ٹھہریں گے اس کی ہشیاری و ذکاوت کے۔
ہاں وحوشِ دگر میں گر پائیں حق بجانب یہ وسوسہ ہوگا
سایہ کوئی پڑا ہے آسیبی' خرقِ عادت کا یہ معاملہ ہے۔
عزم تو یہ تھا' اس قدر لیکن غم نہانی کہ پھٹ پڑے جذبات
منہ پہ فریاد بن کے بول آئے: "اے زمیں کس قدر بسانِ عرش'
گو نہ از روئے حق سہی مافوق' جائے ہے در خورِ خداوندا ں'
ثانوی غور سے تری تعمیر یوں کہ نقش کہن سنور جائے'
ورنہ یزدان کیوں بھلا تخلیق بعدِ احسن زبون تر کرتا؟
عرشِ کُروی' بگرد رقصاں ہے' اور اجرام ضو فگن ضوپاش'
اپنے روشن نجی چراغ اٹھائے--- نور بر نور' صاف ظاہر ہے
کہ ہیں تنہا ترے لئے' تجھ میں مرتکز وہ تمام کرتے ہیں
پاک تاثیر بے بہا کرنیں'
مثل یزداں------ وہ عرش کا مرکز' مرکزی حیثیت میں خاص اپنی----
تو بھی گویا خراج نُور رینہ سب کُروں سے وصول کرتی ہے۔
ان کے اندر کی تو نہیں معلوم کیا ہیں جملہ خصوصیات' مگر
تیرے اندر یہ آشکارا ہیں--- پھول بوٹے میں یہ نمو پرور'

یہ نژادِ شریف خلق میں بھی،
رفتہ رفتہ یہ جمع انساں میں جان بالیدہ و خرد کے ساتھ!
کیوں نہیں شاد لطف لے لے کر سیر میں تیرے پیرامون کروں؟
خوبصورت تضاد رنگ برنگ ---- دشت میدان، رود، کوہ دمن،
یہاں خشکی وہاں سمندر ہے اور ساحل بنوں سے چھائے ہوئے
ڈانڈ بھی، کوہ بھی، چٹانیں بھی۔ (ف)
وائے میرے لئے نہ جائے قرار، نہ ہی جائے پناہ ان میں ہے۔
راحتیں گردوپیش جتنی ہیں کرب محسوس اسی قدر جی میں
قابلِ نفرت اک کشاکش سے جو نقیضین کی ہے پیداوار،
میرے حق میں مفید کل مہلک،
پھر فلک پر تو میری کیفیت اور بھی بیشتر دگرگوں ہے
برسرِ عرش ہی نہ یاں زیریں متمنی ہوں میں سکونت کا،
حاکمِ مطلقِ سماوی کو زیر کرلوں اگر تو البتہ۔
نہ ہی امید، اس طلب سے خود مجھ پہ افتاد مختصر ہوگی،
بلکہ جیسا خراب حال ہوں میں دوسروں کو خراب حال کروں،
خواہ مجھ پر ہو بازگشت ابتر۔
ان مرے سنگدل خیالوں کو لطف تخریب ہی میں آتا ہے
واہ وہ شخص جو اجڑ جائے۔
کاش یوں کامران ہو جاؤں غرق بیڑا مکمل اس کا ہو
جس کی خاطر کُل اہتمام ہے یہ،
جلد ہی، کُل یہ اہتمام تمام ہو کے تلپٹ نہیں رہا ---- تو سہی،

جاننا چاہیے کہ وابستہ راحت و رنج سب اسی سے ہیں۔
رنج میں تو بسیط و عالمگیر اس تباہی کا سلسلہ ہو گا۔
جس قدر قوتیں ہیں طاغوتی ان میں اعزاز ہے مجھے حاصل،
ستیاناس کر دیا میں نے جو لگا تار سب بنایا تھا
پورے چھ رات دن میں---ہاں اس نے المسمّٰی بہ قادرِ مطلق،
اور اس کی خبر کسے، پہلے کب سے تدبیر کر رہا ہو گا۔
شاید اس سے دراز تر مدت اس مہم کے لئے نہیں درکار
کہ دلائی نجات میں نے تو لگ بھگ آدھے سروشہ ناموں کو
بے تکی شرمناک خدمت سے،
ایک ہی شب میں رہ گیا کتنا مختصر مجمعِ پرستاراں!
درپئے انتقام ہو کر بھی (کسر تعداد میں جو آئی تھی)
کچھ تدارک نہ کر سکا اس کا وہ کرشمہ قدیم ہار گیا،
مانئے، اب نہیں مگر ممکن اور کروبیان کی تخلیق
واقعی ہیں گر اس کے خلق شدہ۔
یا ہے تذلیل کو ہماری پھر یہ تہیہ کہ وہ بڑھاوا دے
اس ہمارے مقامِ علوی تک ایک مخلوقِ خاک ساختہ کو،
اس زبوں اصل کو فراز کرے بخش دے سب غنائمِ عرشی
یہ غنائم اسے جو اپنے ہیں۔
اس مشیت کی ہو گئی تکمیل، تھا جو منشا ظہور میں لایا۔
خلقِ آدم و فسّوئ کل کائناتِ عظیم اس کے لئے،
مستقر ارض کو بنا کر وہ حسبِ اعلان بن گیا آقا۔

ڈوب مرنے کا ہے مقام ارے سب فرشتوں کے بال و پر مامور
اس کی خدمت کے واسطے ہو جائیں۔
شعلہ افگن تمام کارندے، ایسی خاکستری امانت کی
پاسبانی کے واسطے پابند----
چو کسی کا غلط نہیں خدشہ، ہے مجھے لاحق ان کا اندیشہ۔
آنکھ ان کی بچائے میں ملفوف، آخرِ نیم شب کے کہرے میں
پھر رہا ہوں دبے دبے پیروں، ٹوہ لیتا ببول جھاڑی میں۔
سانپ مل جائے، نیند کا ماتا، اتفاقاً" کہیں کہ ہو جاؤں
اس کی پر پیچ کنڈلیوں میں الوپ میں سمیت اپنی زشت نیت کے۔
اوہ بھونڈی گراوٹ، اب تک تو دیوتاؤں سے یہ مہایدھ تھا۔
سب سے اونچا براجمان کبھی، اب مگر آگئی ہے یہ نوبت
جانور کے شریر میں سمٹوں، لت پت اس کی بھرشٹ رال میں ہوں،
دڑپ یہ دڑپ وان، بن مانس ہائے کردے اسے جسے آشا (ف)
پریم پاون مہاتما بن جائے!
ہوس و انتقام کی لیکن ہے کوئی انتہائے پستی بھی،
ولولہ ہے تو اس قدر نیچی ٹھیک جتنی اڑان اونچی ہے،
ہیچ کیفیتوں سے بیزاری خواہ کیسی ہو اول و آخر۔
پہلے ہاتھ انتقام شیریں ہو، جلد اچٹتا ہے تلخ تر جاں پر،
سو بلا سے مری، نہیں پروا
بس نشانہ یہ شست پر بیٹھے کہ بلندی سے مار کم ہوگی
وہ جہاں سے بھی زد میں آجائے (بعدِ یزدان) جو حسد میرا اس قدر کر رہا ہے بر انگیخت!

عرش کی آنکھ کا نیا تارا، آدمی پست خاک کا پتلا

ابنِ کین و عناد، گِل آبی۔

ہست کن نے جسے کیا تخلیق کہ ہماری مزید ذلت ہو۔

بسکہ ذلت کا بدلہ ذلت ہے، کہ مکافات واجبی یہ ہے +"

بکتا جھکتا اسی طرح ایک ایک وہ تر و خشک جھاڑ جھاڑی میں

تاکتا جھانکتا ہوا بھونڈا بھونڈ کالا بھجنگ کھوجی تو

یوں لکیریں نکھنڈ میں پیٹے کہ اسے جلد سانپ مل جائے۔ (بیچ راستہ)

جلد ہی گہری نیند میں وہ دھت مل گیا بانک دار حلزونی (ف)

پیچ در پیچ کنڈلیاں مارے، بیچ میں کنڈلیوں کے لہراتا

مکرِ پرفن کا وہ دفینہ پھن،

گھور بابنی نہ چھاؤں میں برچھک، بے نیازِ ضرر رسانی وہ (بچھو۔ موذی)

چین سے ایک دوب بوٹی پر خوابِ بے خوف میں پڑا مدہوش۔

اہرمن منہ میں گھس گیا اس کے،

اور درکِ بہیمیہ اس کی دل کے اندر تھی یا دماغ میں تھی،

بس میں لے کر، نفوذ کی فورا" روشِ زیر کی عوض، لیکن

نیند میں کچھ خلل نہیں ڈالا،

بلکہ محبوس اضطرابانہ منتظر آمدِ سحر کا ہوا +

تازہ پھولوں پہ نور کے تڑکے پاک اجالا سجل سجل پھیلا

اور عدن میں بکھیر کر مہکار

اب وہ معمور کرتے جاتے ہیں بوئے مشکور سے مشامِ جاں۔

یہ وہ ساعت، کہ موبد اشیا سب ارض کے شاندار معبد میں (مستقل)

دم کشاں ہیں، خموش حمد اوپر بھیجتی میں حضورِ باری میں۔
شاملِ بندگی ہوئے ہیرن آ کے روجین انس بھی گویا
زادگاں طائفے کے ساتھ جسے تھا میسر نہ وصفِ گویائی۔
فارغ اس سے، تو لطف پیمائی موسمِ گل سے، جو بہار پہ تھا،
شکرو شہدو مشک آغشتہ - وہ نسیمیں تھیں وہ شمیمیں تھیں۔
مشورہ پھر بہم کہ نمٹائیں کس طرح وہ طریقِ احسن سے
آج کے روز کارِ روز افزوں جو کشاورز ہاتھ دونوں کے
بہرِ تکمیل قاصر آئے تھے۔
کی پہل یوں میاں سے بی بی نے: "آدم اچھا ہے باغبانی سے
ہم قبائے چمن درست کریں---- یہ بھلا فرض ذمے اپنے ہے،
پھول، پودا، شجر، جڑی بوٹی ہم کریں دیکھ بھال تا آں دم
کچھ کمک میں مزید ہاتھ آئیں۔
کام محنت کے باوجود اپنا ہے اضافہ پہ، سہل کوشی میں تو پھر اسکا حد و حساب نہ ہو،
دن بھر اب جان مار کر چھانٹی حشو روئیدگی کی کرتے ہیں۔
گوڈی، تھونی، گندھاؤ جو بھی ہے، ایک ہی شب، کہ دوسری، کتنے
بے تحاشا اگاؤ سے بن کر جھاڑ سا، مضحکہ اڑاتی ہے۔
تو بجھا، یا خیال سے باتیں سن مرے دھیان میں جو آئی ہیں۔
یہ ہو تقسیمِ کار---- خوب لگے جو تجھے وہ سنبھال یا جن کو
کچھ ضرورت زیادہ تیری ہے--- خواہ یہ، کس طرح لپٹتی ہے
نرغہ بن بیل کر کے پرتغہ کا، خواہ یہ بندوبست کر کس رخ (برف پوش)
عشق پیچاں چڑھے بدشغاں سی۔

میں ادھر سامنے حنابستہ گلبنوں کے بہار زاروں میں
دوپہر تک انہیں سنواروں گی۔
ہم اگر پاس پاس رہ کریوں کام اتنا کثیر بھگتائیں،
کچھ عجب یہ نہیں کہ قربت میں مخل آئے نگاہ یا مسکان
یا نئی چیز سامنے دیکھیں سرسری جس پہ گفتگو چھڑ جائے،
وقفہ وار اپنا کارِ روزانہ یوں نبٹ بھی سکے تو معمولی
منہ اندھیرے بھی گر شروع کریں،
جب شبانہ طعام کی ساعت آئے بے حقِ مزد ہی آئے+"
سن کر آدم، ملائمت کے ساتھ بات کا یوں جواب دیں ان کو:۔
"تو رفیقہ وحیدہ اے حوا
جملہ مخلوق ذی حیات میں تو انتہائی عزیز ہے مجھ کو،
خوب تو نے کیا ہے یہ تجویز، دھیان اچھا بہت لڑایا ہے
ہم سلیقے سے ہوں گے عہدہ بر کس طرح کارِ منصبی سے، جو
ہمیں یزدان نے سپرد کیا---جی میں آتا ہے مرحبا کہیئے۔
سچ تو یہ ہے کہ دلکشی زن کی
ہے اگر تو یہی کہ سگھڑپن خانہ داری کے سب امور میں ہو،
اور شوہر کو وہ بنے تحریک بہترین کارکردگی کے لئے۔
پھر بھی عائد نہیں مشقت کی ہم پہ مولیٰ نے سخت گیرانہ
کہ نہ ہوں تازہ دم ضرورت میں شادکامی و ہمکلامی سے،
یہ غذا ہے دماغ کی، ممنوع کب نگاہوں کا پیار سے ملنا
یا رہ و رسم مسکراہٹ کی--- مسکراہٹ ہے آئنہ دل کی

جانور جس سے فیضیاب نہیں--- مسکراہٹ ہے پریم کا کھاجا'
پریم--- جیون کا راس رس میٹھا!
جنم اس نے دیا ہمیں سکھ میں' نہ برائے ریاضتِ شاقہ'
جوڑ سکھ کا پرکھ کے ساتھ کیا---لایکلّفُ اللّاوُسعَہا۔
سہل ہاتھوں سے ہم نہ روکیں گے روشوں اور برگ پوشوں کو
کاہے دبدا اری کہ ہوں جھنکاڑ' (فکر)
صاف رکھیں گے چاہئے جتنی سیر کے واسطے جگہ ہم کو'
ہے جو درکار بہرِ کارِ بیش آس رکھئے جوان ہاتھوں کی کچھ کمک جلد آن پہنچے گی۔
ہجر چندے برائے من بیشک--- گاہ خلوت ہے بہتریں جلوت'
مختصر سا فراق بھی بڑھ کر آتشِ شوقِ وصل تیز کرے۔
میرے جی کو مگر یہ دھڑکا ہے'
تو مبادا علیحدہ مجھ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے۔
جانتی ہے جو انتباہ ہوا' کوئی اپنا عدوئے کینہ جُو'
اپنے سکھ چین سے ہے خار جسے کہ وہ محروم آپ اس سے ہے'
فکر میں ہے کہ چالبازی سے شاطرانہ کرے کوئی پیدا
سبب اندوہ اور ندامت کا' گھات میں پاس کوئی فتنہ ہے۔
ہوس آلودۂ امیدِ خراب کہ بر آئے دلی مراد اس کی
ہو کے وہ ناامید اس امکاں سے کوئی چکمہ ہمیں اکٹھا دے
ایسی صورت میں جب بعجلت ہم آسکیں گے بہم اعانت کو۔
اور ایسا ہو اس کا منصوبہ
پہلے یزدان کی اطاعت سے وہ ہمیں منحرف کرے' پھر وہ

توڑدے پیارے بیاہ کا بندھن ---جس سے بڑھ کر اسے کوئی راحت
جو میسر ہوئی ہمیں ---شاید ہے نہیں موجبِ حسد (حوا
اور مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ ---اعوذ) ---یا وہ بد تر کرے خرابی اور!
ترک کیجو وفا کا ساتھ نہ تو جس نے تجھ کو وجود بخشا ہے
اور سایہ کناں لئے تجھ کو دامنِ عاطفت میں دائم ہے۔
ہو جو بیوی کو خدشۂ ناموس یا کوئی اور خوف و اندیشہ
تو سمجھ ہے سلامتی حاصل صرف خاوند ہی کے پہلو میں'
وہ محافظ ہے' اور ساتھ اس کے ہر کڑی کو سہار لیتا ہے +"
دلربایانہ ناز سے حوا اس طرح شیفتہ بنا جائے'
کر کے محمول کج ادائی پر اختلاف' اب یہ بول سنجیدہ:۔
"زادۂ ارض و آسماں (آدم) سرزمینِ حسیں کے صدرِ کُل!
یہ خبر تو لگی تھی دونوں سے.....
کچھ بتایا ہے تو نے' کچھ لی ہے میں نے سن گن سروشِ رفتہ سے'
شام کے پھول جب بجکتے تھے' گوشۂ سایہ دار میں ٹھہرے
یہ سنا ذکر کر رہے تھے تم کوئی موذی' کوئی عدو اپنا
پاس ہی در پئے تباہی ہے۔
لیکن اس کا نہیں ہے یہ مطلب کہ وفا پیشگی پہ شک کیجے۔
مجھ سے یہ خواہ اپنے بارے میں' خواہ یزداں کے باب میں یہ ہو
ایک بد کیں عدو کمین میں ہے' وہ قدم میرے ڈگمگا دے گا
تجھ سے میں یہ سنوں' گمان نہ تھا۔
تو نہ اس کے ستم سے ترساں ہو کہ ہمارا وجود میں جانوں

دردانگیز اجل پذیر نہیں۔
ان کی زد ہی میں ہم نہیں، ہم کو یا تدارک کی استطاعت ہے،
ہے تجھے مکرِ غیر سے تشویش اخذ تشویش سے یہ اندیشہ
میرا عہدِ وفا شکستہ ہو یا محبت مری پڑے گمراہ،
یہ خیالات وسوسہ آور خام طبعی کا شاخسانہ ہیں!
ہائے اس کی طرف سے سوئے ظن، جو تجھے جان سے عزیز بھی ہے۔"
بہ جواب اس طرح تب آدم نے نرم الفاظ کار کھا پھایا:
"دخترِ یزدو بشر، امر حوا تہمت و معصیت سے پاکیزہ!
وہم کیوں ہو خدانخواستہ میں ہو کے بد اعتماد کہتا ہوں
تو نہ میری نظر سے او جھل ہو،
ہاں مگر چاہتا ہوں میں یہ ضرور ہر بلا سے تجھے رکھوں محفوظ،
ورغلائے نہ وہ حریف کہیں---ورغلائے وہ رائیگاں سہی،
ورغلائے جسے وہ ہوتا ہے بد نما ننگ سے کچھ آلودہ،
پھر یہ مفروضہ بھی ہے مفروضہ--
کوئی کج باز اگر نہیں اس پر ہو نہ ترغیب بھی اثر انداز،
ناگواری سے ہی مگر تاؤ پیش کردہ بدی پر آتا ہے پس نہیں چاہئے غلط فہمی!
میری کوشش ہے تجھ سے ٹل جائے دو بدو اک مقابلہ تنہا،
لاکھ جیوٹ سہی، عدو جرات شاید ایسی کرے نہ دونوں پر،
کی بیک وقت بر خلاف اگر، پہلا ہلہ تو ماند کردوں گا۔
دیکھ تو اس کا جعل بغض حسد اس قدر ہیچ بھی نہیں گردان،
ایسا دیدہ دلیر وہ عیار، جُل فرشتوں کو صاف دے جائے۔

مددِ دیگراں فضول نہ جان۔
یہ کمالِ نظر کا فیض تری میں رسا ہر کمال تک گر ہوں'
روبرو تیرے بیشتر دانا' بیشتر بینا و توانا ہوں'
ہو توانائی گر بروں درکار۔
ہو جھجک' دیکھتا تجھے دیکھوں' پاؤں اپنی جھجک پہ میں قابو
اور چھا جاؤں' زور حد درجہ ہو فزوں--- متحد فرازی ہو۔
میری موجودگی میں کیفیت عین ایسی تجھے بھی ہو محسوس'
ہمرہی میں مری جو تو اپنے دست و بازو کو آزمائے گی'
خوب شاہد بنوں گا' آئے گی جو بھی خوبی بروئے کار تری۔
قصہ کوتاہ یہ مری پیاری ایک ایک اور دو گیارہ ہیں +"

شوہرانہ بپاسِ دلداری آدمِ خانہ داریوں بولے'
بہرِ تسکینِ غمزہ و پندار اس میں حوا نے جزرسی پائی'
پس جوابا" بہ لہجۂ شیریں۔
"بلبلا مژدۂ بہار بیار' خبرِ بد بہ بومِ شوم گذار'
حالتِ زار اگر ہو یہ اپنی ناطقہ بند دو کا اک کردے
اور محصور ہو کے رہ جائیں--- خوف سے حیلہ مند دشمن کے'
اور توفیق ہی یہ کھو بیٹھیں کہ اکیلے دکیلے کرپائیں
اپنا اپنا دفاع خاطر خواہ گر کسی سے مقابلہ پڑ جائے۔
مطمئن کیسے جی سکیں گے' سدا جو یہ خوفِ زیاں مسلط ہو؟
قبلِ عصیاں زیاں نہیں ہوتا۔
صرف اپنا غنیم بہکا کر اپنے اعزاز بدنما کے ساتھ

منہ تکو سیرتی کے آتا ہے---باعثِ افتخار یہ ہم کو--
خیر ماتھے پہ وہ ہمارے تو کیا لگائے کلنک کا ٹیکہ
اس کا اعزاز بدنما' اس سے آپ کالا کرے وہ منہ چندرا'
حذر و احتراز کیوں ہم کو؟
پائیں ہم لوگ منزلت دوچند' نکلے اس کا غلط جو اندازہ'
حاصل آئے طمانیت قلبی' لطف اس نیلی چھتری والے کا
شاہد اس واقعے پہ جب ہوگا'
عشق کیا' صدق کیا' صفا کیا ہے گر نہ بے منتِ دگر' تنہا
برقرار ابتلا میں رہ جائیں۔
کیوں گماں ہو کہ مطمئن حالت ناقص اس کردگارِ دانا نے
یوں بنائی کہ ہوں نہ ہم محفوظ خواہ ایکا ہو یا اکیلا پن'
صورتِ حال اگر ہے یہ بالفعل تو سکوں عارضی ہمارا ہے'
یوں ہے گر واگذار اندیشہ تو عدن کو عدن ہی کیوں کہیئے؟"

بجواب اس طرح انہیں آدم اب ذرا تیز ہو کے---"اے عورت
احسن اشیا ہمہ مقدر ہیں حکمتِ ایزدی نے کیں جیسے'
جملہ جو خلق و آفرید کیا'
کچھ نہیں خام ناتمام اس کے دستِ تخلیق کار نے چھوڑا'
آدمی کا تو ذکر ہی کیا ہے' یا کسی اور شے کا' جو محفوظ
حالتِ مطمئن رکھے اس کی' فتنۂ زورِ غیر سے محفوظ۔
خود خطر آپ' اندر اندیشہ' اندر اس کے ہی اختیار بھی یہ
نہ خلافِ رضا گزند لگے۔

جاننا چاہئے کہ یزداں نے چھوڑدی قدرت و رضا آزاد'
کوئی بندش نہیں کہ پیرو کار عقل کا کوئی شخص ہو بالذّات'
عقل کو مستقیم فرمایا۔
ساتھ ساتھ احتیاط کی تلقین وہ خبردار ہو' سدا ہشیار
یہ نہ ہو کوئی دلفریب اس کو طرح دے جائے ہو کے خوب نما
اور وہ نادرست حکم لگائے' پھر رضا سے غلط بیانی میں
فعل سرزد کرائے کچھ ایسا منع یزداں سے جو صریحاً" ہو۔
بدگمانی نہ کر' تقاضا ہے باہمی جذبۂ محبت کا
کہ سدا میں ترا خیال رکھوں اور میرا رہے خیال تجھے'
محکم اپنا سہی وجود مگر پھر بھی لغزش کا احتمال تو ہے۔
غیر اغلب نہیں کہ ہو دو چار عقل آسیب اثر کسی شے سے
جو بظاہر نظر نواز لگے' اور غچّا یہ بے خبر کھا جائے'
کر نہ پائے نگاہ داشت کڑی' کر نہ بیٹھے فرو گذاشت بڑی'
دیکھ ترغیب کا نہ لے آگا' عافیت اس سے احتراز میں ہے۔
تو اسے حفظِ ماتقدم جان' دور ایسے نہ مجھ سے ہو جانم'
یہ رہے دھیان میں کہ وقت برادے کے دستک کبھی نہیں آتا!
گر ثبوتِ وفا پہ ہے اصرار کر بہم تو ثبوتِ طوع اول'
دوسری بات یوں کسے معلوم۔
لیکن اب بھی ہے گر یقین تجھے' جس کے بارے میں انتباہ ہوا
بن بلائے عذاب سے ایسے واقعی ہم ہیں نسبتاً" محفوظ'
یاں ٹھہرنا خلافِ مرضی تو اور کردے گا دور --- بے شک جا!

جا' بہ ایں طبعزادِ معصوصی۔
جو صفا ہے کرا اعتماد' یہ لا جس قدر لا سکے بروئے کار'
تیرے ذمے جو تیرے حصے کا کام یزدان نے لگایا ہے
جا بہ طیبِ دلی اسے نمٹا۔"
یوں ابوالبشر مخاطب تھے' تریاہٹ تھی' اڑی رہیں حوا'
دب کے لیکن یہی جواب آخر:۔
"پس رضامند تو ہوا' میں بھی خوب اچھی طرح ہوئی آگاہ'
بالخصوص آخری ترے الفاظ' جن سے ثابت ہے منطقی اظہار
ہو نہ جب وہم تک' بلا ہم پر آپڑے تو بڑی خرابی ہے
ہوں نہ اس کے لئے اگر تیار۔
مستعد تر روانہ ہوں میں تو کہ نہیں ہوں خرابِ اندیشہ'
متکبر عدو بزعم اتنا' ایک زبل پہ ہاتھ اٹھائے گا'
کی یہ حرکت اگر تو رسوائی اور پسپائی کا سبب ہو گا+"
کہہ کر آہستگی سے نازک ہاتھ اپنے شوہر کے ہاتھ سے کھینچا
اک سبک حورِ دشت کی مانند---از قبیلِ ثلاثہ غسّالہ---
دیلیا یا عرید یا درئید (دیویاں چاند' پربت اور بن کی)'
یوں رواں سمتِ کنج زار ہوئی'
کہ نہ اس چال کی ادا مستی دیلیا کے خرامِ ناز میں تھی۔
سر بسر پدمنی سا بھاؤ سبھاؤ'
کب پر اس چندرما کی دیوی سی لیس وہ ترکش و کمان سے تھی'
بلکہ ہاتھوں میں تھے وہی اوزار باغبانی کے ناتراشیدہ

سرپہ جن کے نہ آگ کا احسان نہ وہ آوردۂ سروشی تھے۔

{ہو بہو اس سنگار میں مانو پیلز (راعی پری سی) لگتی تھیں
یا وہ (پھل دیوی) پومنہ ایسی، ورتمونس سے وہ جو چھپ بھاگی
(ورتمونس رتوں کا دیوتا ہے۔)
یا وہ مانائے سرس (اَن دیوی) جس کا جوبن عجب بہاریں تھا،
(بانوئے گل) پری سراپینی، باکرہ یا ابھی جو ناپیدا
ہوئی تھی جوو کی نہ ہم خوابہ۔}

آنکھ اس کی نگاہِ شوق کے ساتھ دور تک اس صنم کے شاد گئی،
جی میں بس یہ ذرا ٹھہر جائے،
اور تاکید بار بار وہی کہ پلٹ کر وہ جلد آجائیں،
اور اتنی ہی مرتبہ حوا یہ دلائیں یقین لوٹیں گی دوپہر تک ضرور مسکنَ
تاکہ نبٹا سکیں سبھی دھندے حسبِ معمول---اور بسم اللہ
کھائیں ظہرانہ اور سہ پہرے کر سکیں وہ نچنت قیلولہ۔
مبتلائے فریب، سادہ لوح، سوختہ بخت، نامرادانہ
خام قصدِ مراجعت حوا---واقعہ فاجعہ، پسِ ساعت
اب نہ فردوس میں نصیب تجھے خوابِ نوشیں، طعامِ خوش ہوں گے!
پسِ گلہائے رنگ رنگ ہے وہ درکمیں گاہ، منتظر خفیہ
دشمنِ کینہ ساز جوبن کر سنگِ راہ گراں تجھے روکے
اس جگہ پر ہی یا تجھے موڑے باختہ انبساط و سرگشتہ
بلکہ شک بافتہ یقیں رفتہ-----اور معصومیت پراگندہ!!
منہ اندھیرے ہی شکلِ افعی میں آن بیٹھا تھا گھات میں خناس

بسکہ جُویا جہاں بھی ہوں دریاب صرف "زوجین انس" وہ جن میں
ذرّیت کا شمول سارا تھا--- سوچا سمجھا ہوا شکار اس کا---
کنج و کشت و کنار میں ڈونڈھا--- ہر جگہ--- باغچے کا نخلستان
ہر چمن زار کا حسیں تختہ، ہر بھرا دوب دوب سبزہ زار ــ
وہ نگہداشت و کاشت جن کی تھی لطف انگیز شغل دونوں کو،
چشمۂ رودِ سایہ دار کے پاس جستجو میں روانہ ان کے تھا۔
جی میں کیا کیا اگر ملے حوا حسنِ تقدیر سے کہیں تنہا'
تھی تمنا مگر امید نہ تھی شاذ و نادر ہی اتفاق ایسے۔
لیکن اس کی مراد بر آئی کہ اکیلی نظر پڑیں حوا
کب توقع تھی، پر نقاب اوڑھے اک سحابِ شمیم کا تنہا
تھیں وہ نیم آشکار استادہ۔
گلبنوں میں گھنے گلابوں کی تمتماہٹ کا آس پاس گلال!
---اور لینا وہ تھام تھام ان کا ڈنڈی ڈنڈی پہ نرم نرم بہ ناز
گہ بہ گہ پھول پھول جھک جھک کر، تازہ تازہ اک ایک کا مکھڑا
لاجورد، ارغواں، ملاگیری، سیم زرداغ، خم زدہ بے ٹیک،
ٹیک دیں بندھنوں سے مہندی کی وہ انہیں تو سہج سبھاؤ، مگر
بے خبر خود یہ زہرہ تارینہ بے سہارا قوی سہارے سے
اس قدر دور تھا، قریب کہیں اس قدر تھی تباہ کن آندھی!
پاس آیا ذرا وہ طے کر کے رہگذاریں کئی--- عظیم ان کی
پوششیں دیودار، چیل، نخیل۔
حوصلہ کر کے لوٹ پوٹ بڑھا اوٹ میں وہ کبھی، کبھی ظاہر

پھول بوٹوں کے اس گھنے گنجان تانے بانے میں--- حاشیہ بکنار
جو کرشمہ تھے دست حوا کے۔ ساختہ گل کدوں سے دیدہ زیب
جو تھے پرداختہ اڈونس کے (یہ ہے زہرہ کا خوبرو دلبر)'
شہرہ آفاق اس خیابانِ (شہ نشیہ) سے پُر بہار---- وہی
النسِ میزبان (اوڈیسس) پسرِ لرتسِ کہن سالہ'
خوب تر اس سے غیر اساطیری شاہ بیدار مغز جس گھر میں
خانمِ مہ جبینِ مصری سے گرمیٔ اختلاط رکھتا تھا۔
(واقعہ حضرتِ سلیماں کا)۔
دی سوادِ جمیل کی اب داد' اب سواد اس جمیلہ کی'
مثل اس شخص کے جو مدت تک ہو کسی شہرِ پُر ہجوم میں تنگ،
متعفن جسے بدَر روئیں اور گنجان گھاٹ گھر رکھیں'
گرمیوں کی سحر میں اک ستھرے گاؤں میں کھیت کھیت آنکلے
اور ٹہلے' کرے ہوا خوری جو ملے شے اسے سرور آئے۔
مہک اَن کی' بساند توڑی کی'
گائے بھینسوں کی گندھ' میٹھی باس (دودھ لسی کی) شیر خانوں سے
ہر سماں گانویہ' سدا دیہی'
اتفاقاً" پری خرام اگر سوہنی مٹیار پاس سے گزرے
جو لگا تھا حسین اسے اب ہوا اس کے دم سے حسین تر محسوس---
تھیں مکمل جمال وہ حوا
باتجمل جمیل آنکھوں میں نقش' نشہ' نشاط' نوش لئے۔
باغ باغ اب ہوا دلِ افعی دیکھ کر خطۂ فراواں گل'

خلوتِ پر جمال حوا کی، یک بیک مل گئیں اکیلی وہ،
ملکوتی اک آسمانی حور پر بہت کومل اور نسوانی۔
حسن و معصومیت تجمل دار،
غمزہ عشوہ ادا اشارت کا دلفریب و طرب منش انداز!
غالب اس کے عناد پر آیا، کر دیا نازِ قاتلانہ نے
پاک قصہ تمام تندی کا، تند ارادے لئے جو آیا تھا۔
شرسے اپنے شرِ مجسم وہ غیر مقروں کھڑا رہا کچھ دیر
خیر آمیختہ و وارفتہ، جس طرح اس سے بدن پر سے
کیں حسد انتقام کے اس نے سارے ہتھیار اتار پھینکے ہوں۔
اس کے اندر بھڑکتی رہتی ہے جو سدا نارِ حامیہ سوزاں
--وہ میان ارم اگرچہ تھا--جھٹ بھسم کر گئی سرور اس کا،
اور ایذا رسانیت کی خو--وہ کہ جلتا ہے دیکھ کر راحت
واژگونی کا جو نصیب نہیں-- تند نفرت بحال کرتی ہے!
فتنہ پرور خیال نفریں نے اس طرح اب کیا اسے انگیخت:
"تم خیالو مجھے کدھر لے کر چل پڑے، ہے یہ کیسی مجبوری
جو غرض لے کر آئی ہے یوں ہو خوشگواری سے بے خودانہ محو؟
نفرت الفت نہیں، نہ یہ امید کہ جہنم کی جا ملے فردوس،
لغو امیدِ لذتِ راحت، بلکہ راحت تمام ہو برباد
ماسوا صرف ایک راحت کے---وہ جو غار تگری میں آتی ہے۔
چھن گئی اور سب خوشی مجھ سے،
پس یہ موقع بڑا سنہرا ہے، یہ مرے ہاتھ سے نہیں نکلے۔

دیکھ عورت یہاں اکیلی ہے اور شیشے میں سہل اترے گی۔
خاوند اس کا نہیں کہیں نزدیک وہ نظر دور پار آتا ہے
جس کے ذہنِ رسا سے ترسیدہ میں زیادہ ہوں' اور طاقت سے
اور پر اعتماد جرات سے' انگ کی سورمابناوٹ سے۔
لاکھ پتلا سہی وہ مٹی کا پر خطرناک دشمنِ جاں ہے'
زخم کاری لگے نہیں اس پر' وائے حسرت کہ میں نہیں ویسا۔
وہ زبوں کردیا ہے دو زخ نے' درد نے مضمحل کیا ہیہات!
ورنہ میں عرش پر کبھی کچھ تھا--اور اے واہ صنف وہ دیگر
وہ حسیں ہے' حسین لاہوتی' دیو تا ٹوٹ کر جسے چاہیں'
رنگِ وحشت ذرا نہیں ہر چند سخت وحشت جمال و عشق میں ہے'
سخت نفرت سے جاؤں کیوں نزدیک
سخت نفرت سہی مگر مخفی چاہئے دوستی کے پردے میں'
بس یہی چال ہے' مرا جس سے ہے ارادہ اسے تباہ کروں۔"
یہ کہا اور سوئے حوا وہ بدکمینِ غلافِ افعی اب
چل پڑا-- خصمِ نسلِ انسانی--پر نہیں موج موج سا پیچاں
منہ کے بل رینگتا ہوا بھی نہیں خاک پر جس طرح یہ تب سے ہے'
بلکہ دنبالہ پر الف' تہ گول مرتفع کنڈلیوں کی' لاٹ سمان
پیچ در پیچ اٹھتا الجھیرا اور کلغی سا پھن کو لہراتا'
لال انگارہ لعل سی آنکھیں' گردنِ صیقلی مطلّی سی'
ایستادہ تناؤ سے گرداں دائروں کے محیط میں پُرکار'
خم بہ خم گھاس میں خرامیدہ۔

موہ لے آنکھ کو وہ روپ اس کا' سندر ایسا کہ پھر ادھک سندر
ناگ بنسی کوئی نہ یوں ہو گا۔ ہیچ تھے سامنے الیریا میں
(تھیبز کے بادشاہ اور بیگم) کادمس اور ہرمیونہ بھی
جُون میں ناگ اور ناگن کے۔
(شہر یوناں) اپی ڈوارس میں صنمِ ادویہ سکولوپس'
ختم طاعون کی وبا کرنے شیش بہروپ میں جو روم گیا۔
نہ تھا کایا کلپ میں مارا ایسا جو وافریقیہ کا' عمّونی'
(ابِ اسکندرِ اساطیری) نہ ہی کیپسی تلین (جو پیٹر)
وہ تو اولمپیاس کے ہمراہ (ماں سکندر کی) اور یہ اژدر
ماہ پارہ کے ساتھ ہم صحبت' متولد تھا بطن سے جس کے
سیپیو--- فخر رومتہ الکبریٰ---(جو ہنی بال پر ہوا غالب)---
پہلے آڑا وہ ساتھ دھرتی کے---باریابی کا جس طرح خواہاں
متذبذب مداخلت میں ہو---اک طرف راستہ بناتا ہے'
اک سفینہ' جہازراں ماہر راس کے پاس جس طرح لائے'
یادہانے پر ایک دریا کے' وہ جسے تند باد دیتی ہو
ہر جگہ دائیں بائیں ہچکولے' اور وہ ٹھیک رخ پہ کھینے کو
بادبانیں ادل بدل کر دے---
چل رہا تھا بدل بدل کر یوں خم بہ خم وہ دراز دنبالہ'
پیچ در پیچ کنٹھ مالائیں پیشِ حوا پرو رہا تھا اب
کسی عنواں نظر کو پھسلائے-----
وہ مگن تھیں کہ سرسراہٹ کا شور پتوں سے کان میں آیا'

وہ نہ کھٹکیں کہ سامنے ان کے کھیت باڑی میں جانور اکثر
یوں کلیلیں کیا ہی کرتے تھے' حاضر آتے تھے ہانک پر ایسے
کہ نہیں سرسیّن کاریوڑ بھی جب بلائے وہ بالدی بن کر۔
اب ہیاؤ کھلا تو جھٹ آگے ہو گیا بن بلائے آن کھڑا'
آنکھوں آنکھوں میں جس طرح مداح کلغیٔ طرہ دار سے بہ ادب
وہ بجالائے بار بار آداب۔
اور مینائی گدگدی گردن چاپلوسی کے ساتھ نیہوڑائے'
جس جگہ تھا خرامِ نازان کا پے بہ پے اس زمین پر پابوس۔
گنگ' مسکین وضع آخر کار کھینچ لیتی ہے چشمِ حوا کو
کہ تماشہ کرے کلیل اس کی۔
جیت کر اس طرح توجہ کو جی میں پھولا نہیں سماتا تھا'
زورِ حسِ ہوائے گویائی' بن گئی یا زبان مار آلہ
حسنِ ترغیبِ پُر فریب کی یوں اس نے تمہیدِ خوشنما باندھی:۔
"کر تحیر نہ مقتدر خانم' آپ ہستی تری تحیر خیز'
آسمانِ ملائمت' منشا ہو اگر تو نگاہ میں شاید
کر بھی لے تو یہ خشمگینی کم۔
پاس آیا ہوں سخت آزردہ' سیر دیدار سے نہیں آنکھیں'
میں جریدہ مگر نہ خوفزدہ ہو اگر ترش رُو دچیں بہ جبیں
میں پلٹ جاؤں' احتراز کروں----
اے جمیلہ کہ ہے جمیل تریں عکس اپنے جمالِ خالق کی
محو ہر چیز تیری دید میں ہے جو بھی تیری بطورِ ہدیہ ہے'

ہر کوئی ذی حیات یا بے جاں اس ترے حسن کی پرستندہ'
جلوۂ دلربا ترا الاریب کیسا کر جائے ششدر و مبہوت'
جلوہ آرائی خوب ہے' لیکن--- کس نے دیکھا جو بن میں ناچامور---'
اس بیابانِ بند حلقہ میں درمیاں ان وحوشِ وحشی میں'
رائیگاں یہ ٹکر ٹکر دیکھیں کند کوتاہ بیں نگاہوں سے
کر سکیں نیم تر ہی نظارا جو تری ذات میں ہے دلآرا'
فردِ واحد کریں جو مستثنیٰ' کون ہے شاہدِ جمال ترا'
کیا حقیقت ہے فردِ واحد کی۔
ہو دلآرام خوش ادا تو تو دیوتاؤں کے جھنڈ میں دیوی'
اور کرو بیان لاتعداد ہوں پرستار و پیش کار بسان
روز تیرے حضور میں حاضر+"
چکنی چپڑی لگا کے ترغیبی حرفِ مطلب زبان پر لایا'
اور اس کی یہ گفتگو جھٹ گھر دلِ حوا میں کر گئی کیسی'
پھر ہوا ٹھیک ہی اچنبھا بھی اب انہیں بول چال پر ایسی۔
وہ یہ بے ساختہ پکار اٹھیں "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جانور کی زبان سے بولی عین انسان سی ادا ہونا'
پھر بشر کا شعور بھی ظاہر؟
میری دانست میں تو ہیں محروم کم سے کم پہلے وصف سے حیواں
آفرینش کے دن جنہیں تخلیق بے زباں ہی کیا ہے یزداں نے'
بول وہ کہہ سکیں نہ برجستہ---دوسری بات کا گماں کچھ تھا
چال ڈھال آنکھ وانکھ میں ان کی نظر آتی ہے سوجھ بوجھ اکثر۔

اور معلوم ہے مجھے یہ بھی کہ ہے افعی تمام طبقے میں
خوب ہی کائیاں۔۔۔ مگر ہو گا مرحمت نطقِ آدمی تجھ کو
یہ مرے وہم میں نہ آتا تھا۔
اس کرشمہ کو اب سوا کردے اور آگاہِ راز کر کیسے
بے زبانی بنی زباں تیری، نظر آتی ہے یہ جو روزانہ
اس قبیلِ وحوش سے بڑھ کر مجھ سے تیرا تپاک کیسا ہے؟
کہہ کہ اس طرز کا عجوبہ تو لائقِ غورِ خاص ہوتا ہے۔"
یوں وہ ترغیبیٔ دغاباز اب:۔
"کائناتِ حسیں کی سلطانہ، نور افروز، ضوفشاں حوا!
میں کروں تیرے حکم کی تعمیل حسبِ ارشاد، سہل ہے مجھ پر
ابتدا میں تھا جانور میں بھی، جس طرح پائمال شغل کو
چرتے پھرتے ہیں دوسرے ہر سو، پست ذہنیت و فرومایہ،
کوئی خوراک تھی نہ خاص بجز جو میسر ہوا وہ تھوُر لیا۔
جنس کی بھوک یا مٹاڈالی، درک تھا ہی نہیں کچھ ارفع کا۔
اسی میداں میں گھومتے پھرتے
ایک دن اتفاق سے میں نے دور چھتنار پیڑ اک دیکھا،
پھل تھے جس پر کثیر رنگ برنگ خوشنما، سرخ سرخ زر اندود۔
پاس کو میں ہوا تو شاخوں سے آئی ایسی مشامِ جاں خوشبو
جو ہوس اشتہا کی تیز کر ے۔
ہوئے سرشار سب حواس، نہ بویوں شکر بیز سوئے کی بھائے
نہ مہک شیرِ تازہ ریزہ کی سرِ پستان گوسفند و بز،

اَن پیا شام کو کلیلوں پر جو بڑا میمنوں کو اکسائے'
قصد پس یہ کیا بلا تاخیر بہرِ تسکینِ خواہشِ سرتیز
میں وہ سیبِ نفیس نوش کروں'
بھڑک اٹھی تھیں بھوک پیاس اک دم ثمرِ کام بخش ایسا تھا'
دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹا۔
تک رہے تھے کھڑے ہوئے دیگر جانور گرد کیا حریصانہ
رال پیتے تھے رشک کھاتے تھے' تھے رسا اس تلک نہ بیچارے۔
جست کی اس درخت پر یک دم' پھل فراواں تھا اشتہا انگیز
اس قدر پاس اس پر آویزاں کہ نہ صرفہ ذرا کیا میں نے
توڑ کر' خوب خوب نوش کیا۔
پہلے کب یہ ملا تھا چٹخارا سو شکم سیر ہو کے رج کھایا۔
دفعتاً"---دیر کچھ نہ گذری تھی---خود میں محسوس کی عجب کھدبد'
باطنی طور پر ہوئی مجھ میں اہلیت حدِّ عقل تک پیدا
اور بہرِ سخن زبان ملی---ہیئتِ اصل برقرار رہی---
تب خیالات کو رجوع کیا سوئے پست و بلندِ ہست و بود'
آسمان و زمیں کے جملہ امور ذہنِ روشن کے زیرِ غور آئے'
اور مابین بھی امورِ اعلیٰ' جو بھی تھے عمدہ و حسین امور۔
واہ تیرے جمالِ قدسی کی روشنی واہ وانمایاں یہ
عمدگی اور حسن سب تیری ملکوتی شبیہ میں یک جا۔
خوبصورت تیرے مثیل کوئی' یا ذرا تجھ سے خوبصورت کم
نہ عناں گیر ہو سکا' پس میں سخت بے اختیار' اور شاید

یوں بہ ابرام بھی، یہاں آیا تیرے دیدار و بندگی کے لئے،
تو کہ مخلوق کی ہے طے برحق ملکہ، کائنات کی بانو+"
طیف ساں، شاد، کائیاں افعی یوں مخاطب ہوا، تو حیرت سے
غیر محتاط اس طرح حوا: "اس قدر مدح میں غلو افعی،
پھل کی تاثیر میں ہو شک پیدا، گو بدیہی ثبوت بھی تو ہے۔
خیر بتلا درخت کس جا ہے، اس جگہ سے وہ دور کتنا ہے،
ورنہ فردوس میں تو یزدانی متعدد شجر ہیں ایک سے ایک
نوع در نوع جن کے بارے میں کچھ نہیں ہے ابھی ہمیں معلوم،
کثرت اتنی برائے چیدن ہے کہ ثمر کا ذخیرۂ وافر
اپنے کام و دہن سے بیگانہ بر سرِ ہر شجر معلق ہے،
پھر خرابی کا احتمال نہیں۔
میں تو جانوں کہ چاہئے تعداد کچھ اضافہ رسد کی نسبت سے
ہاتھ بسیار جو سبک کر دیں مل کے فطرت کا بارِ افزائش+"
شادماں ان سے اژدہا عیار:۔
"راہ پہلو کشا ہے سلطانہ، اور ایسا نہیں وہ دور دراز،
نزدِ چشمہ سپاٹ میداں میں پار بس ان حنائی پودوں کے،
گندھرس کے لہکتے جھاڑی بن اور بلسان سے ذرا آگے،
شرف رہبری اگر بخشے لے چلے یہ نیاز مند وہاں+"
تب یہ حوا اسے کہ چل لے چل ---- منحنی، مستقیم دکھلاتا،
تیز تر لے کے لوٹ پوٹ چلا سوئے فتنہ، وہ الجھٹے بٹتا' ---
مست و سرشارِ بادۂ امید، طرہ آبِ خوشی سے تابانی

صورتِ ماہتابیٔ جولاں ---- ٹھوس پیوستہ لجلجا انجز'
شعلۂ ملتہب خرامیدہ --- اور لوگوں میں یہ روایت ہو
اگیا بیتال کوئی منڈلاتا' کوئی بھوت آتمان لہراتی
ہکا بکا مسافرِ شب کو لے نکلتی ہے راہ بھٹکا کر
کنڈ کے بیچ بیں سے دلدل کو جونگل کر نشاں مٹاڈالے--
کالے کوسوں نہ یار نے یاور--
لے چلا آتشین افعی یوں اُمِّ خوش اعتقاد حوا کو
سوئے فتنہ ---- وہ نخل ممنوعہ جڑ ھماری ہراک مصیبت کی--
نخل دیکھا تو اپنے رہبر سے ہمکلام اس طرح ہوئیں حوا:-
"خوب افعی مگر یہی ہوتا زحمت آنے کی ہم نہ یاں کرتے'
بے ثمر ہے مرے لئے بے شک ثمرِ خوش کی یہ فراوانی'
تیرا حصہ افادیت' تجھ کو ہو مبارک یہ خوبیٔ تاثیر'
واقعی باعث تحیر ہے ہم چنیں گر ہے خاصیت اس کی۔
مس کریں اس شجر کو ہم لیکن یا ثمر چش ہوں' ہم مجاز نہیں
کہ ہمیں تو ہے صاف یزداں کا حکم لاتقربا---- یہی مرضی'
یہ ہی بنتِ صدا تو اکلوتی ذاتِ باری کی آئی ہے ہم تک'
ماسوا ہم بسر حیات کریں جو بھی آئین ہو یہاں اپنا'
اپنا آئین عقل اپنی ہے +"
یوں بہ حیلہ انہیں وہ ترغیبی: "واقعی یہ کہا ہے یزداں نے'
یہ ثمر نوش جاں نہیں کرنا' صرف یہ نخل ہائے گلشن میں؟
اس پہ مشہور بھی ہوئے آقا سب زمین و فضا کے تم---- واللہ!"

تاہم اس سے یہ بے ریا حوا "کھائیں ہر نخلِ باغ کا پھل ہم
باغ کے اس حسین نخل کا پھل ہے یہ ارشادِ خاص یزداں کا
تم خبردار مت اسے کھانا' مت یہ چھونا کہیں فنا ہو جاؤ۔۔۔"
لب پہ ہی تھا ابھی سخن ان کے۔۔۔ مختصر گو۔۔۔ مگر وہ ترغیبی
اور دیدہ دلیر' انساں کا بن کے ہمدرد و مدعی سرگرم'
جیسے جل بھن کے رہ گیا اس کی دیکھ کر ظالمانہ حق تلفی'
قابلیت مزید جتلائے۔۔۔ جس طرح ہو رہا ہو جذباتی'
زیر و بم اضطراب کا تاہم عمدہ شائستگی کے پردے میں۔۔۔
کاروائی کے واسطے تیار
کہ نظر میں اہم معاملہ ہو اور محتاط اسے شروع کرے!
جیسے آزاد روما و ایتھنز:
کہ فصاحت جہاں فروغ پہ تھی' (اور جو تب سے گنگ و صامت ہے)
شہرہ آفاق اگلے وقتوں کا کوئی شعلہ بیاں خطیب ادیب
ہو ستادہ جمیع خاطر سے اک اہم مسئلہ پہ کرنے کو اپنی موزون رائے کا اظہار
اور حرفِ سخن نہ لایا ہو وہ زباں پر ابھی کہ پہلے ہی
ہر اشارہ ہر آن ہر انداز دم بخود سامعین کو کر دے'
یا کرے ابتدا بہ شد و مد
کہ نہ تمہید کے لئے تاخیر بہرِ اظہارِ حق گوارا ہو۔۔۔
یوں سراپا مرقع جذبات ایستادہ وہاں رواں فرفر
سخن آرا ہوا وہ ترغیبی:۔
"اے مقدس' فہیم' دانش بخش شجرۃ' اُمِّ حکمت اب تیرا

خود پہ غلبہ دروں ہوا محسوس۔
کہ نہیں ہوں دقیقہ بین فقط اب علل ہی کا صرف اشیا میں'
بلکہ یہ دستگاہ بھی پائی میں مکمل طرح لگاؤں سراغ
سارے عمّال کا طریقِ کار' متصوّر ہیں جو بڑے دانا۔
اس جہاں کی عظیم سلطانہ' مت ٹھٹک' لاذرانہ خاطر میں
یہ ڈراوے ڈراؤنے اَجَلی ---- تو کبھی بھی فنا نہیں ہوگی'
اور ہوگی بھی کس طرح؟ پھل سے؟ جو تجھے ذوقِ آگہی بخشے۔
یا کرے گا فنا وہ تہدیدی؟ تو مجھے دیکھ' ہاں مجھے' جس نے
وہ چھوا بھی ہے اور چکھا بھی' میں سلامت ہوں' بلکہ حاصل ہے
وہ مکمل حیات اب مجھ کو' جو نہ میرے لئے مقدر تھی'
گو نہ توفیق تھی مجھے ---- جرات میں نے فرمائی ہے یہ رندانہ'
آدمی کو وہاں نہ بار ملے جانور کے لئے جو باز ہوا۔
کیوں برافروختہ بھلا ہو گا سوچ' یزداں ذرا سی لغزش پر'
اس ذرا سی خلاف ورزی پر' بلکہ وہ کیا نہیں سزا ہے گا
تری یہ باندا قیٔ بے باک ---- جاں کو آزارِ مرگ کا کھٹکا
------ جو بلا بھی یہ مرگ ہے ---- لیکن وہ نہ اس چیز سے ذرا جھجکے
جو حیا کرے حیات اکمل ---- خیر و شر کی صحیح آگاہی۔
خیر کی ہو تو یہ روا کتنی' شر' چلو جو حقیقتِ شر ہے
کیوں نہیں اس سے واقفیت ہو' کہ ہو آسان احتراز اس سے؟
پس عقوبت تجھے نہیں دے گا' بلکہ یزدان داد گر ہو گا'
گر نہیں داد گر تو یزداں کیا!

خوف بے جا ہے اور ہو سرزد فعل اگر یہ نہیں ہے سرتابی'
مرگ کا خوف ردِّ خوف بنے۔۔۔۔ورنہ کس واسطے لگی قدغن'
یوں کہ دہلائے یوں تمہیں رکھے کہتر و بے خبر پرستارو؟
وہ ہے آگاہ نخل سے اپنی تم تواضع کرو گے جس دن بھی
یہ بظاہر تمہاری صاف آنکھیں اندھلی دھندلی حقیقت بیں
اور بینا بنیں گی واہو کر۔
اس طرح دیوتاؤں کی مانند خیر و شر میں ہو دستگاہ تمہیں
درک جیسے انہیں ہے دونوں کا'
اور تم دیوتا سمان بنو' میں ہوا آدمی بساں جیسے۔۔۔ آدمی اعتبارِ باطن سے'
دیکھئے تو حساب مچکتا ہے۔۔۔
جانور سے بشر بنا ہوں میں' دیوتا تم بشر سے ہو جاؤ۔
ہے فنا کا اگر یہی مفہوم۔۔۔اس فنا کی تو آرزو کیجے!
بشریت کا جامۂ ہستی تم اتارو کہ دیوتاؤں کی ہیئتِ تامہ زیب تن کرلو۔
گر یہ تہدید ہے' تو ہو' بدتر صورتِ حال ہو نہیں سکتی۔
دیوتاؤں میں کون سے گن ہیں آدمی بن سکے نہ جوان سا'
حصہ دارِ اس اکاش بھوجن میں۔
دیوتا چونکہ آئے ہیں پیشین' اسلئے ہم پہ فائدہ لے کر
مدعی ہیں سب ان کے دم سے ہے۔
حجت اس پر مری مرے آگے بار آور ہے زرملی دھرتی
آپ سورج کی دھوپ میں تپ کر: دخل ان کا ذرا نہیں اس میں۔
ہفت خواں ہیں اگر تو بتلائیں نخلِ ممنوعہ میں کیا ہے بند کون ہستی نے علمِ خیر و شر؟

پھر اس انداز سے کہ نوش کرے جو بھی، دانش اسے نصیب آئے
حاجتِ اذن تک نہیں ان سے۔
آخر اس میں خطا ہی کیا گر یوں آگہی آدمی کرے حاصل،
کیا ضرر تیری آگہی سے اسے، کیا بدوں من یشا تجھے یہ نخل
بخش سکتا ہے کچھ، اگر کُل پر اس بڑی ذات کا تصرف ہے؟
ملکوتی صدور میں ممکن کارفرمائیٔ حسد کب ہے۔
اس طرح کی کئی دلیلوں سے ہے یہ ثابت کہ پُرمزہ پھل کی
لامحالہ تجھے ضرورت ہے۔
توڑا اٹھ کر بشر صفت دیوی نوش اس کو بلا جھجک فرما+"
بات کی ختم، لفظ لفظ اسکا
مگر میں چور چور، حوا کے دل میں اتراروا رواں جھٹ جھٹ
پھل کو تکتی تھیں ٹکٹکی باندھے، کہ نظر ہی پڑے تو للچائے،
بول ترغیب مند شوق انگیز مستقل کان میں کھنکتے تھے،
وزن دار از روئے دلیل لگی بات انہیں اور پھر خدا لگتی۔
دوپہر سر پر آن پہنچی تھی زور کی بھوک بھی چمک اٹھی،
اور چمکا دیا جسے بوئے اشتہا خیز میوۂ خوش کی
جواب اس آرزو سے مائل تر فندق و کام کی تواضع پر
طالبِ چشمِ اشتیاق بنی۔
حالت اس وقت یہ مگر پہلے جی ہی جی میں وچار کچھ ایسے:۔
"ثمرِ خوش تریں حقیقت میں تیری خاصیتیں کمال کی ہیں،
گرچہ انسان کو نہیں بہرہ تو مگر قابل ستائش ہے

کہ ترا ذائقہ ۔۔۔۔۔ رہا پرہیز اک زمان دراز تک جس سے ۔۔
پہلے دہلے فنِ خطابت سے گنگ کو سرفراز کر جائے'
نہ بنی تھی جو بول چال کو' تو اس زباں میں کرے اجاگر گُن
کہ وہ گانے لگے ثنا تیری۔
وہ بھی جس نے کیا حرام تجھے وصف تیرا نہ رکھ سکا مخفی۔
حکم لا تقربا دیا' لیکن کر دیا نخلِ آگہی موسوم
آگہی شرکہ خیر ہر دو سے ۔ لذت اس کی حرام ہم پر ہے'
حرمت اس کی مگر جو فرمائی تازیانہ سمندِ شوق کو ہے'
دیکھ ۔۔۔ حالانکہ خیر خیز ہے یہ'
درک تو نے ہمیں دیا جس کا اور ہم احتیاج مند بھی ہیں۔
کہ یقیناً" نہیں ہے نامعلوم خیر تک دسترس ۔۔۔۔ اگر ہو بھی
اور نہ کیفیت اس کی ہو معلوم تو نہیں دستیاب' ہو کر بھی۔
سادہ لفظوں میں اس طرح کہیے ۔۔۔ منع کرتا ہے یہ کہ مت جانیں'
منع کرتا ہے خیر سے ہم کو' منع کرتا ہے ہوشمند نہ ہوں'
ان مناہی کے ہم نہیں پابند۔
موت اگر باندھ دے ہمیں بے شک بعد کے بندھنوں میں' یہ باندھے
اور یہ کون سی ہے آزادی
کھائیں جس دن بھی ہم یہ نرمل پھل تو مقدر ہے جان سے جائیں!
جاں سے اپنی گیا ہے کیا افعی؟ خوب کھایا مزے سے جیتا ہے۔
وحشیٔ محض جو ابھی تک تھا بات کرتا بھی ہے سمجھتا بھی' جانتا ہے لڑاتا ہے من
کی گئی صرف کیا ہمارے لیے اجل ایجاد ۔۔۔ کیا ہمیں محروم

اس ذہانت فزا غذا سے ہیں، یہ بہائم کے واسطے مخصوص؟
یہ بہائم کے واسطے ہوگی، جو بہیمہ مگر ہوا پہلے
فیضاب اس سے، تنگ ظرف نہیں۔
ہوئی دریاب جو اسے مجھ تک خیر وہ خوش دلی سے لایا ہے۔
مشتبہ بھی نہیں سند اس کی، یہ بھی خواہ آدمی کا ہے،
پاک ریب و ریا سے بالکل پاک۔ کیوں مجھے کوئی خوف دامنگیر
بلکہ شر اور خیر سے ایسی بے خبر ہوں تو خوف ہی کیسا
مجھ کو یزدان کا، شریعت کا، ملک الموت کا، عقوبت کا؟
سب کا تریاق یاں مہیا ہے، یہ ثمر قدسی و نگاہ نواز
ہے طلبگار منہ میں رکھ لیجے، دانش آور ہے اس کی خاصیت۔
کون ہوتا ہے پس مزاحم، لے بدن و ذہن کی ضیافت کر؟"
ہائے منحوس وہ گھڑی جب یہ کہہ کر اپنا انہوں نے مارا ہاتھ
بے دھڑک اس ثمر پہ، توڑ لیا، پھر مزے سے نگل لیا یک دم!
جیسے دھرتی لہولہان ہوئی، جیسے فطرت نے اپنی مسند سے
یوں بھری آہ اس کی صناعی ایک اک غم زدہ دکھائی دی--
چوں بدیدم پسے، نماند بسے!
گپت چپکا، قصوروار افعی جھاڑ بن میں کھسک گیا واپس،
سہل تر اس لیے کہ حوا کو تن بدن کا رہا نہ تھا کچھ ہوش،
چاٹ منہ کو لگی، کسی پھل میں پہلے ایسا ملا نہ چٹخارہ۔
تھی حقیقت کہ وہم ایں معنی حاصل آئے گی آگہی اعلیٰ
نہ تصور میں سرمدیت سرد---بس حریصانہ، اک ندیدہ سی

بے تحاشہ وہ تھورتی جائیں،
غافل اس امر سے یہ خورانی اصل میں ایک نُقل اجل کا تھا۔
سیر آخر، خرابِ مے جیسے، مست و سرشار خوش بخوش خود سے:۔
"جملہ اشجارِ باغِ رضواں میں مقتدر وصف دار، بیش قرار،
فیض دانائی ہے تری تاثیر۔۔۔۔ رہا اب تک پہ رسوا و روپوش
یوں معلق کیے لطیف ثمر کہ نمو یہ ہوئی ہو بے مصرف،
لیکن اب لو لگا کے آیندہ منہ اندھیرے ترے بھجن گاؤں
گن الاپوں، کروں تری سیوا۔۔۔۔ اس بروبارِ تازہ و تر کے
بوجھ سے ٹہنیاں سبک کردوں مفت سب کے لیے جو حاضر ہے۔
آگہی تام ہو، تناول سے دیوتاؤں کی مثل ہو جاؤں
تام ان کی سی آگہی، جن کو علمِ تامِ تمام اشیا ہے۔
رشک کیا کیا انہیں ہے گو اس پر، جو عنایت وہ کر نہیں سکتے،
ان کی سوغات یہ اگر ہوتی یوں نہ ملتی یہاں پہ روئیدہ،
تجربہ ہے مجھے یہ تیرے بعد، ہے ترا فیض رہبرِ کامل
میں نہ تیری متابعت کرتی غرق رہتی سدا جہالت میں،
تو نے بینش کی راہ دکھلائی، اور اس تک رسائی میری ہے
گو بسیرا تھا راز میں اس کا۔۔۔۔ اور شاید وہ راز ہوں میں ہی،
ہے بلند آسماں، بلند اتنا
کہ نظر واں سے آ نہیں سکتی صاف ہر ایک چیز دھرتی کی۔
شاید اپنے عظیم مانع کو اور مصروفیت رہی در پیش
کہ توجہ اچٹ گئی اس کی متواتر نگاہداری سے،

اپنے سب مخبروں کے جھرمٹ میں وہ کہ بالکل سلامتی سے ہے ــــ
لوں پر آدم کا سامنا کیوں کر؟
کاش کایا کلپ کروں اس کی' وہ شریکِ خوشی بنے میرا'
یا نہیں ــــ رمز بلکہ بے ساجھے میں رکھوں آگہی کے اپنے تک'
کسر کی اس طرح تلافی ہو رہ گئی ہے جو نصف نازک ہیں۔
کیونکہ ہمدوش میں بنوں اس کی' وہ کرے مجھ پہ التفات مزید
نہ رہوں ناگوار شے شاید' حیثیت ہو مری بسا فائق
کہ زبوں حیثیت ہے کون آزاد؟ بس رہے گا معاملہ یوں خوب۔
پر لیا ہو جو دیکھ یزداں نے اور کردے اجل مجھے ناپید'
خانہ آباد شاد پہلو میں وہ کسی اور ایک حوا کے
ہائے مرجاؤں بیاہ کر آدم سوت حوا کی شادمان جئے۔
اف مٹوں میں جنم جلی' توبہ یہ تصور تو عین موت مجھے۔
پس یہ عزمِ صمیم کرتی ہوں'
عید ہو یا محرم اس میں تو میں کروں گی شریک آدم کو'
جسم و جاں سے مجھے عزیز ہے وہ' ہے گوارا جو ہمرکاب اس کے
موت پر موت بھی مجھے آئے ــــ زندگی اس بنا اجیرن ہے +"
سوچ یہ' پیٹھ نخل سے موڑی ــ لیکن اول وہ عجز مندانہ
رسم تعظیم کی بجالائیں ــــــ ذات انواط کی مثال اسے'
کوئی قوت فروکش اس میں ہو اور اس کے وجود سے جیسے
عرقِ علم آفریں جاری ہو رگ و پے میں نخل کی تازہ'
یا کشیدہ پوترامرت سے' سوم رس' دیوتاؤں کا مدھرا ــ

آرزو مند واپسی کے ادھر'
آدمِ منتظر نے اس دوران اک پرویا تھا ہار چن چن کر
بہترین پھول 'حور حوا کی زلف و کاکل سنوارنے کے لیے'
مزدِ دیہی کا یہ صلہ ---- سر پیچ' ریت ہے 'باندھتے ہیں ماتھے پر
جو درو کار فصل دیوی کے۔
لے رہے تھے وثوق سے فالیں فرطِ تفریح کی خیالوں میں
آئے گی جب پلٹ کے دل آرام 'ہو گا آرام دل کو دوبارہ ---
ہو گئی تھی مگر بڑی تاخیر --- جی میں اک وسوسہ سا آتا تھا'
غیب سے ایک بد شگونی سی 'ہول ساجی کو --- اور لغزش کی
حرکت کا ذرا ذرا احساس ---- چل دیئے ڈھونڈتے اسی رستے
صبحدم جس پہ وہ سدھاری تھیں جب ہوئے تھے جدا جدا دونوں۔
شجر العلم ہی کے پاس انہیں راستے سے گذر کے جانا تھا
پاس اس کے ہی وہ ملیں آتیں ------ ثمرِ خوش کا ہاتھ میں خوشہ'
نرم و گل خندہ و نوی چیدہ بھینی بھینی بکاؤلی کی بو'
سوئے آدم بڑھیں لپک کر وہ 'چہرہ عذرِ حسیں کا دیباچہ
معذرت خواہ گل عذار ہوئیں. جھٹ بناؤ سے شکّرین شکن:۔
"یہ جو آدم مجھے ہوئی تاخیر کچھ تجھے اضطراب تو ہو گا؟
اف وہ تیرے بغیر سُونا پن. جس طرح اک زمانہ بیت گیا'
تیری صحبت سے وائے محرومی کلفت الفت میں یہ نہ دیکھی تھی'
یوں نہ اللہ بارِ دیگر ہو 'توبہ تجھ سے بچھڑ کے دردِ فراق'
الاماں کاوشِ حصول کہ تیز کی جو نا آزمودہ کاری میں۔

لیکن اس کا سبب عجیب ہوا گر سنے کوئی تو اچنبھا ہو!
نخل جیسا سنا، نہ تھا اتنا پر خطر، گر ثمر چشید کریں
کوئی کھلتی نہیں ہے ان دیکھی رہ مصیبت کی، بلکہ اس کا تو
سرمدی کیف کھول دے آنکھیں، کھائے جو، دیوتا سروپ بنے۔
ہو چکی یہ ثمر چشانی---(سن یوں ہوا) ہوشمند وہ افعی
قدغن اس کو نہیں تھی ہم ایسی، یا پھر اس نے خلاف ورزی کی---
وہ ثمر کھا کے بدمزہ نہ ہوا، اور پھر جان سے نہیں گذرا،
خوف اپنا ہے جس کا خمیازہ--- متصف بلکہ وہ تو آئندہ
نطق و احساسِ آدمی سے ہوا--- منطق ایسی کہ دنگ کرتی تھی۔
میرے اوپر تو کر دیا جادو،
بیخودانہ ہوئی میں آمادہ اور لذت سے شاد کام کیا۔
تھا مرتب اثر وہی مجھ پر، آج تک جو رہیں مندی آنکھیں
ہو گئیں وا، لطیف جان ہوئی، دل مرا بلیوں اچھلتا تھا
سرمدیت کی خاص حد چھولے میں تھی جس کی ترے لئے جویا،
آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا جس کو بسکہ تجھ بن نہیں گوارا تھا!
رحمت اب تیرے ساتھ رحمت ہے، تو نہیں ہو شریک، زحمت ہے،
پیشتر طبع میں گرانی ہو، یہ ثمر تو بھی نوش فرمالے
تاکہ تقدیر ہو بہم یکساں، ہو محبت کی سرخوشی اک سی،
گر کرے احتراز تو باہم ہو مبادا تفاوتِ بسیار---از کجا ایں "فراق" تا بکجا!
ترک سرمد کروں تری خاطر، جب نہ تقدیر یہ اجازت دے،
وقت جب ہاتھ سے نکل جائے+"

اس طرح شاد چہر حوا نے آپ بیتی بیان کی--- ہر چند
صاف عارض کے حسنِ تاباں میں تھے نمایاں خلل کے بھی آثار۔
اس طرح جاں ستان سرتابی' جب سنی دھک سے رہ گئے آدم
ششدر ایسے' نہ کچھ بجھائی دے' خوف سے شل و رید شریانیں'
سن بدن' دے گئے جواب اعضا' گر پڑا ڈھیلے ہاتھ سے نیچے
بہرِ حوا جو ہار گوندھا تھا--- گل فسردہ بکھر گئے سارے۔
گم سم ایسے کھڑے تھے وہ' منہ پر اڑ رہی تھیں ہوائیاں--- آخر
دل ہی دل میں سکوت یوں توڑا---
"آفرینش میں کل جمیل تریں جملہ صناعیوں میں یزداں کی
دیریاب انتخاب اے شہکار--- بہرِ فکر و نظر تراشیدہ
تجھ میں فن نقطۂ کمال پہ ہے' پاک' قدسی' حسیں' سجل' دلکش!
آپ کو غرق کر لیا تو نے' یک بیک غرق کیوں کیا ایسے'
کم شدہ' و قرباختہ' لقمہ اب کسی وقت بھی اجل کر لے۔
کیوں ہوئی ارتکاب آمادہ سخت جس کی ہمیں مناہی تھی؟
کیسے دستِ تطاول اس پھل پر جا پڑا--- وہ حرام پھل ممنوع؟
کوئی دشمن کا حربۂ مذموم دے گیا جُل تجھے مگر اس طور
کہ خبر تک نہ ہو سکی تجھ کو--- ساتھ اپنے مجھے بھی خوار کیا'
کہ تہیہ مرایۂ پختہ ہے جان تیرے شریک دیدوں گا۔
کیسے زندہ ترے بغیر رہوں' آخرِ کار کس طرح تج دوں
تیری شیریں مقالیاں' تیرا عشقِ صادق' کیا ہمیں جس نے
شوقِ وارفتگی سے ہم آہنگ۔

ایک مہجور شخص آوارہ دشت و در میں پھروں میں دوبارا'
اک مہیا کروں دگر پسلی' خلق یزداں کرے نئی حوا'
تیرے مٹنے کا داغ اے پیاری میرے دل سے مگر نہ جائے گا'
واللہ ہرگز نہیں' نہیں ہرگز---
صاف محسوس' ہے کشاں مجھ کو کوئی فطری تعلقِ خاطر'
لحم کی لحم' استخواں میری استخواں کی ہے تو' محال محال
کیفیت ہو تری مری مفروق۔ ہو سعادت کہ یہ قیامت ہو+"
خود سے کرکے یہ گفتگو' جیسے یاس نومید میں قرار ملے
یا پریشاں خیالیوں کے بعد اس پہ راضی' بظاہر اب جس کا
کوئی بھی تو نہیں مداوا ہو' شانت ہو کر کلام کا دھارا
سوئے حوا: "مری جری خانم کام جیوٹ کا کردیا تو نے
کس جسارت سے' کس قدر سنگین خطرۂ احتمال برانگیخت۔
یہ بھی جرات کی بات تھی گر آنکھ دیکھتی پھل حرام للچاکر'
واجب اعراض جس حرام سے ہے۔ کوئی تشنہ جگر کرے ایسا'
مس پہ جس کے ہو سخت پابندی لب و دنداں کا شغل ہو اس سے
واقعی ہے کمال دل گردہ--- عہد رفتہ کو کون دے آواز--
اور کسی کو مجال ہے صاحب کہ وہ کردہ بنائے ناکردہ'
نہ یہ قدرت خدائے قادر کو' نہ یہ مقدور ہے مقدر کا۔
وہ چشیدہ ثمر نجس ناپاک عام شے کردیا تھا افعی نے پہلے اس سے کہ نوش ہم کرتے'
خیر وہ اس وحوش کے حق میں مضر و جاں ستاں نہیں نکلا'
وہ بدستور خیریت سے ہے خیریت سے کہ تو بتاتی ہے۔

فائدہ مند ہے کہ انساں ساوہ کرے اب بسر حیات اعلیٰ۔
خوب ہم کو یہ باعثِ ترغیب گر تناول کریں تو منطق پر
اسی نسبت سے ہو عروج اپنا
ماسوا کچھ نہ ہو، صنم ہم یا دیوتا یا سروش بن جائیں۔
شائبہ شک نہیں مجھے اس کا کہ وہ یزدان ـــــ خالقِ دانا
خشم و تہدید تو کرے لیکن مار دے، واقعی ہلاک کرے
یوں ہمیں جو ہیں فخرِ موجودات
بر محل اس کے سب نظام پہ ہم فائزِ رتبۂ بلند ایسے،
ہم پر آئے زوال تو لابُدّ ساتھ اپنے تمام زائل ہوں
جو ہمارے لئے ہوئے تخلیق کہ وہ ملزوم آفریدہ ہیں ـــــ
کرے نا آفریدیوں یزداں، دل شکستہ ـــــ یہ کانَ، وَفانَ،
ساری محنت اکارت، ایسا تو بابِ یزداں میں فکر نا ہنجار۔
کُن پہ بارِ دگر سہی قادر، تاہم اس سے اِبا اسے ہو گا
نیست کر دے ہمیں، مبادا یہ فاتحانہ عدو پکار اٹھے
لو وہ یزدان کے عزیز، ان کی محض ناپائیدار ہستی تھی،
کون راضی اسے سدا رکھے ـــــ میں ہدف اول اس کا، اب انساں
دیکھئے آگے کس کی باری ہے، کوئی ہو کس کو رستگاری ہے!
دے عدو کو نہ طنز کا موقع ـــــ بے نیاز اس قدر قدیر نہیں ـــــ
میری تقدیر تجھ سے وابستہ عزم ہے حشر ہو تو یکساں ہو
گر تری ہمدمی میں موت آئے، جانِ من زندگی ہے موت نہیں،
دل میں شدت سے ہے مجھے محسوس ہے کشاں یہ سرشتۂ فطرت

اپنی ہی ذات کی طرف مجھ کو ذات میری جو تیری ذات میں ہے'
کہ ہے جو کچھ بھی تو مجھی سے ہے' اپنی حالت میں افتراق نہیں'
تن من اک اپنا' تو من و من تو ---- تو نہیں ہے تو میں کہاں باقی۔"
آنچناں آدم' ایں چنیں حوا: ---- "واہ وا بیکراں محبت کا
کامیاب امتحان' یہ تصدیق مستند' ایک بے نظیر مثال!
شرط سعیٔ مماثلت آدم'
تو مگر ہو جو تشنۂ تکمیل میں بھلا کیسے کامراں ہونگی'
تو کہ جس کے عزیز پہلو سے ہے مجھے فخر آفرینش کا۔
کس قدر ہو گئی ہوں میں دلشاد یہ جو ہمتائی کا ہوا اظہار
ایک دل' ایک جان ---- یہ جس کا آج کا دن ثبوت بیّن ہے۔
تیرے عزمِ صمیم سے واضح' موت یا موت سے مہیب افزوں
کوئی ہم کو جدا کرے تو کرے' یوں ہیں گرویدگی سے پیوستہ۔
میرے ساتھ ارتکابِ ہر لغزش' میرے ساتھ اشتراکِ ہر عصیان
ہے خطا یا گناہ پھر بھی یہ ثمرِ خوش چشید کر لینا۔
جس کی خوبی (کہ خوب سے حاصل خوب بالواسطہ کہ سیدھ سبھاؤ)
میرے سر تاج تیری الفت کو اس حسیں تجربہ میں لائی ہے
جو نہ ہرگز بصورتِ دیگر اس طرح آشکار ہو سکتی۔
ہو ذرا سا گمان گر مجھ کو ہے جو تہدید وہ اجل ہوگی
اس مری کردنی کا خمیازہ' میں اکیلی بلا کسے منہ آؤں'
یوں کروں میں تجھے نہ آمادہ'
بہ خوشی ہو قبول مرجانا بے سہارا' مگر کبھی ایسے

نہ تجھے میں رہینِ امر کروں جو سکوں کا ترے زیاں کردے۔
بالخصوص اس وثوق سے مجھ پر یہ صراحت سے جب ہویدا ہے
عشق صادق ترا' وفا پرور کوئی جس کی کہیں نظیر نہیں۔
لیکن اس امر میں مرا بالکل مختلف ہے یقیں---اجل کیسی'
ہے فزوں زندگی' نظر بینا' نو بہ نو کیف' نو بہ نو امید
ذائقہ سرمدی کچھ ایسا ہے۔
کام آلودِ انگبیں آگے اس کے تلخ اور بے مزہ نکلا'
تو مرے تجربے کے بعد اس سے ذوق فرما بلا جھجک آدم'
دغدغہ دل میں لا نہ کچھ اس کا' کلموئی موت آج مردہ باد۔"
کہہ کے یہ گود میں گریں ان کی' اشک فرطِ خوشی سے آنکھوں میں'
سرخرو ہو گئی ہیں' آدم نے کر دیا عشق کو نجیب ایسا'
جان کر' اس کی پاسداری کو' مول ناراضگی سما دی لی
موت سے بھی نہیں دریغ ہوا'
پس کریمانہ پیش خوشہ سے ثمرِ خوش نما و دلاویز'
نوش جاں از رہِ تکلف تھا' نہ رسا فہم کے منافی ہی'
نہ بہ دامِ فریب افتادہ--- بلکہ دیوار نہ وار' وہ مغلوب
ایسے سحرِ جمالِ زن سے تھے---!
ارض آنتوں تلک لرز اٹھی' سخت اسے درد زہ اٹھا' اے وائے
لبِ فطرت پہ دوسری فریاد!!
چڑھ گئی آسمان کی تیوڑی' بڑبڑاتا ہوا گرج کے ساتھ' رو پڑا پھوٹ پھوٹ کے---ہیہات
اصل مہلک گناہ انساں کا اپنی مرضی سے ہو گیا سرزد!!!

لیکن آدم کو ہوش ہی نہ رہا منہمک وہ خورش میں ایسے تھے،
باک تکرار میں نہ حوا کو سابقہ اس خلاف ورزی کی۔ (ف)
صحبتِ دلنواز سے خواہاں کہ مسرت فزود ہو باہم
دونوں مخمورِ بادۂ تازہ تھے رواں موج ہائے عشرت پر،
اس تصور میں، بال و پر پیدا کر رہی تھی الوہیت ان میں
یہ زمیں تو نظر میں ہیچ ہوئی۔
وائے مکروہ پھل سے اول تو کچھ پدیدار اثر ہوئے دیگر۔
فرطِ ہیجانِ نفسِ امّارہ،
اور عورت کو مرد نے دیکھا طلب آلود ڈال کر آنکھیں
اور آنکھوں میں کھنچ گئے واں بھی شدتِ آرزو سے ڈورے لال۔
انگ انگ آگ میں سلگ اٹھا۔ جل رہے تھے بدن، بدن کی پیاس اب بدن میں بھڑک بھڑک اٹھی۔
بہرِ بوس و کنار عورت کو مرد نے اس طرح کیا مائل:
"بہرِ تسکینِ شوق مرغوب اب میرے نزدیک تو مکمل ہے،
شستہ انداز، ذوق شائستہ،
اب ہر اک بات لطف سے تعبیر، کیجے حظ و سرور کی تدبیر
تجھ پہ تحسیں بہر سانی کی ایک معقول کیفیت کی بیش،
کس قدر لطف کا ضیاع ہوا!
ہائے جب تک رہا ہمیں پرہیز اس مزیدار خوشنما پھل سے
یہ دریغانہ تھا ہمیں معلوم ذائقہ کیا ہے، اصل لذت کیا۔
کیفِ اشیا اگر ہے یہ ممنوع
آرزو کیجئے کہ نخل ایسے ایک کیا دس حرام ہو جائیں۔

ہو لیے خوب تازہ دم، آہم جی اب اک دوسرے سے بہلائیں،
تھے سبھاؤ بسیکھے، حسن، ادا، دلربائی کہاں مزیّن یوں (ف)
جب رچائی کہیں جسے شادی ---وہ شناسائی کی شبِ اول۔
آگ جذبات میں شدید لگی گود میں آسہاگ رات منا'
اس خیابانِ جسم سے تیرے والہانہ ہو شغلِ گل چینی'
بج رہی ہے حسین آنکھوں میں کہ نہ ایسی بجی کبھی پہلے'
یہ درختِ نکو کا ہدیہ ہے +"
یہ کہا اور ہاتھ سے جیسے دامنِ صبر و ضبط چھوٹ گیا۔
نارضامند وہ نہ ساتھ آئیں، ہوش مندی یہ بے خودانہ تھی،
پھر تو کوئی نگاہ پُر ہیجان، کوئی چھَل، چُھل عشق بازانہ
رہ گیا اب کہ یہ نہ کھل کھیلے۔ خوب مطلب عیاں تھا حوا پر
آگ جذبات گیر، شوق افزا، شعلہ افشاں نظر میں تیز بہ تیز'
پیار سے تھام کے وہ ہاتھ ان کالے چلے کنجِ سبزہ و گل میں
جس پہ بالائے سر گھنیرا چھتر، سایہ انداز سقف صورت تھا'
سوسن و سنبل و بنفشہ کی خوبصورت سدا سہاگن سیج۔
پشپ--- چمپا، دوپہریہ، جوہی، کرنا، کچنار، کیتکی، کیسو۔
ارض کی تازہ و گداز آغوش، انتہائی گداز اور تازہ۔
عشق سے سیر شاد کام ہوئے، خوب خوش مشغلہ وصال رہا'
ان کی تقصیرِ باہمی کی مہر، معصیت کی سبک مزہ تکمیل'
ہر تقاضائے جسم کی تعمیل۔
جب محبت کے کھیل سے تھک کر ہو گئے چور چور جسم ان کے،

شبنمیں نیند نے دبوچ لیا۔
مستیٔ میوۂ مغالطہ خیز جو مفرح نفس ہوئی بسیار
طبع میں خوشگوار شغل کناں'
کر کے آمادۂ عجب کاری داخلی قوتوں کو جب خارج ہو چکی 'کیفیت عجیب ہوئی'
بد اثر ابخروں کی پروردہ 'خوابہائے شعور سے بوجھل 'ہوئی رخصت جو وہ مکدر نیند
تو کسلمند سے اٹھے دونوں پر نہیں جیسے کوئی آسودہ۔
جب پڑی ایک دوسرے پہ نظر
تو ہوا فاش کس طرح آنکھیں وا ہوئیں 'ذہن کیسے بند ہوئے۔
گئی معصومیت کہ پردہ سی تھی انہیں مانعِ بد آموزی'
اعتمادِ بجا' طبیعی حسن اور ناموس نے انہیں سونپا
ننگِ لغزش نواز کو ننگا۔
ستر پوشی جو کی تو آدم کو اور بے ستر کر گئی پوشاک۔
وہ اٹھے ۔۔۔۔ سیمسن قوی جثہ (سبطِ یعقوب) ڈانیا مضبوط
یوں اٹھے گا چھنال گودی سے فیلسبیئطینوی دلائلہ کی۔
زور زائل شدہ ہوئے بیدار 'سب محاسن سے عاری و محروم'
گنگ چہرے عرق ندامت سے'
دیر سے بدحواس بیٹھے تھے گم سم ایسے کہ سانپ سونگھ گیا!
کم نہیں تھے خجل وہ حوا سے 'پھر بھی بھی آدم گھٹے گھٹے الفاظ
لائے نوک زباں پہ یہ اپنے:۔ "وائے حوا ہوائے نفس کی وہ
ساعتِ بد کہ تو نے کان دھرا اس فریبی ذلیل کیڑے پر'
جس کسی سے بھی سیکھ آیا تھا نقل بولی کی وہ بشر ایسی'

کہ ہمارے زوال میں برحق اور حتمی کمال میں باطل۔
واہوا ہے ضرور اب دیدہ' بے گماں ہم پر آشکارا ہے
آشکارا یہ خیرو شر ہم پر ---- گم شدہ خیرو بازیافتہ شر'
آگہی کا یہ حاصلِ مکروہ۔
گر یہی آگہی کا تھا مقصود کہ ہمیں اس طرح کرے عریاں
ضبط' معصومیت' وفا کیشی' شرم' ناموس سے تہی داماں'
ہائے فطری تکوئی و خوبی ہو گئی جو خراب و آلودہ۔
کیسی پھٹکار اپنے چہروں پر فعلِ نفسانیٔ کریہہ کی ہے۔
یہ فضیحت بھی ---- پس غنیمت ہے کم خرابی سے گر پڑے پالا۔
کر سکوں گا زیارت اب کیسے میں لقائے سروش ویزداں کی'
وہ نظارہ کہ تھا ہمیں اب تک باعثِ سرخوشی و سرمستی۔
خیرہ ضو سے کریں گی لاہوتی صورتیں خاکدانِ ناسوتی
تابِ نظارگی ہو سلب اپنی
اوہ وحشت کدے کی خلوت میں گھور اندھیرے سے گھر یہ بیہر ہو' (اکمز ۱۱ جز ۱)
چتر خاکستری محیط ایسا کہ نہ تارے نہ دھوپ جھانک سکے،
ڈھانپنا اے صنوبرو مجھ کو،
دیودارو تم ان گنت اپنی ٹہنیوں میں مجھے چھپا لینا'
وہ سماوی فضاؤں کے باشی' او جھل ان سے مجھے کرو ایسے
وہ نہ دیکھیں مجھے نہ میں ان کو دیکھ پاؤں --- مگر مری حوا!
آؤ اس حالِ زار حالی میں غور فی الوقت بافراغ کریں
کہ ان اعضا کی ستر پوشی ہو' بہ لحاظِ حیا یہ بے ہودہ'

واہیات اس قدر نظران پر ڈالنا تک نہیں ہے شائستہ۔
گر کسی پیڑ کے ملیں پتے نرم، چکلے، لطیف توسی کر
ایک بندِ کمرازار سے یہ ڈھانپ لیں بیچ کے حصص مخصوص۔
واں نہ جم جائے ننگِ نووارد اور ملامت کے سنگ برسائے
کہ اب اطہر نہیں رہے ہم لوگ +"
کی یہ باہم صلاح پھر دونوں ساتھ داخل ہوئے گھنے بن میں
ڈھونڈتے ڈھانڈتے پھرے، آخر نخل انجیر پر نگاہ پڑی،
نہ وہ مشہور قسم اس پھل کی،
بلکہ مانوس آج کل جس سے مالا بار و دکن میں ہندی ہیں،
اس طرح جو کھڑے ہیں پھیلائے ٹہنیوں کی دراز باہوں کو
کہ خمیدہ، معلقہ نیچے وہ زمیں میں جڑیں پکڑ جائیں
خورد خوردا ک کلاں درخت کے گرد
اور ان کا خنک خنک سایہ، ایک محراب سی چہل پایہ،
سر پہ اونچی تنی ہوئی، گنجان، تنگ پگڈنڈیوں کی ٹھنڈک میں
دھوپ سے بچ کے بیچ موکھوں سے دکھنی بالدی کرے نٹکار
گھاس چرتے بکھرتے ریوڑ کو۔
ایموزینی کھلے سپرچوں سے برگ دونوں نے یہ سمیٹ لئے،
جو مہارت تھی، جوڑ جاڑ لئے کہ وہ کچھ اندری پہ چپکالیں۔
رائیگاں یہ حجاب، انہیں مقصود پردہ پوشی اگر قصور کی تھی
یا اذیت رساں خجالت کی۔
متضاد آہ کس قدر سارا ابتدائی برہنہ عظمت سے---

پھر کولمبس کو ہم چنیں مابعد 'ٹاپوؤں' بَن اٹے کناروں پر
یوں ملے تھے قدیم امریکی ننگ پٹکے پروں کے اٹکائے'
بے نیازِ لباس' شوریدہ جابہ جا بیچ میں درختوں کے۔۔۔
یوں لنگوٹی سی باندھ کر جیسے ننگ دانست میں ڈھکا اپنا'
چین دل کو' نہ ذہن کو آرام' زار و گریہ کناں وہ بیٹھ گئے۔۔
آنکھ ہی سے نہیں جھڑی' اندر آندھیاں چل رہی تھیں سینہ میں۔
شبہ' ہیجان' برہمی' نفرت' سوئے ظن' اختلاف' بیزاری۔۔۔
داخلی کیفیت دماغ کی تھی' رکھ دیا ہو جھنجھوڑ کر جیسے
تھا ابھی تک جو شانت ورش وشال سخت آفات کی لپیٹ میں تھا' (ف)
ہو گیا تھا زمانہ چرّ آشوب۔
دور ادراک کا تمام ہوا' داستاں پاستاں نہیں اسکی درخورِ اعتنا ارادے کو۔۔۔
۔۔۔۔ خواہشِ نفس کے یہ دونوں اب ایسے زیرِ نگین آئے تھے'
بلکہ تسلیم ہو یہ حرّافہ
عقلِ کامل کے سر چڑھی ایسی کہ حکومت جتانے بیٹھ گئی۔
دل میں ہلچل' کھنچاؤ نظروں میں' کچھ وطیرے میں بھی تصرف تھا۔
بات ادھوری رہی تھی حوا سے وہ پھر آدم نے اس طرح چھیڑی:۔
"دھیان دیتی مری نصیحت پر' تو اگر میرے پاس رک جاتی'
غلط اصرار' جب خدا جانے نحس زا صبح سیر کی سر میں کیا نرالی ہوا سمائی تھی۔
ہم بدستور مطمئن ہوتے' جو ہوئی گت بری نہیں بنتی'
خیر و بہبود دستبرد ہوئی' ہیں برہنہ' فلک زدہ نادم۔
نہ کرے کوئی سعی آئندہ کہ وفا کا عبث ثبوت ملے

جس کے پابند ہیں وہ اخلاقا" ' یہ جو سنجیدگی سے چاہیں گے
تو پھر انجام کار جانیں گے کہ وہ بے نیل و بے مرام رہے +"
جز بز الزام کی درشتی پر یوں شتابی سے اب انہیں حوا:۔
"تیرے ہونٹوں سے آج نکلے ہیں کیسے الفاظ یہ درشت' آدم
مجھ پہ تہمت یہ میری کوتاہی یا مری ضد کا شاخسانہ ہے'
سیر کی ضد جسے بتاتا ہے'
کون جانے کہ ٹوٹتی ہم پر تیری قربت میں بھی یہی بپتا
یا فقط تو جھپٹ میں آجاتا'
میں تو کہتی ہوں تو وہاں ہوتا' یا بچھاتا یہاں پہ دام افعی
فاش ہوتا نہ عندیہ اس کا۔۔۔ نطق اس طور وہ ہوا ناطق۔
پھر نہ وجہ مخاصمت معلوم'
کس لئے ہو مراوہ بد اندیش' ہو تو کیوں میرے درپئے آزار۔
کیا نہ تجھ سے کبھی الگ ہوتی؟
ایک پسلی بنی تری بے جان تجھ سے چسپاں مگر سدا رہتی۔
میری ہستی ہی کیا ہے' کیوں تو نے۔۔۔ کہ ہے فائق۔۔۔ نہ حکم فرمایا
کہ نہ ہرگز ادھر کا رخ کرتی' جان جوکھوں میں ڈالتی ایسے۔
چاہتا گر تو روک سکتا تھا۔۔۔ اب ڈھنڈورا جو رائیگاں پیٹے'
شور اشوری کا اب جو یہ عالم' بے نمک تب ہوا تھا کیوں اتنا۔
حجت اب اس قدر نہیں اچھی' مہرباں تھی رضا تری شامل
کہ اجازت بھی مرحمت کی تھی' خوش دلی سے کیا تھا رخصت بھی۔
تیری جانب سے واقعی ہوتا خاص اظہارِ نارضامندی

تو اگر جانتا تھا اپنی بات ٹھیک ایسی ہی تو اڑا رہتا'
مرتکب میں بھی یوں نہیں ہوتی' نہ ہی تو یوں شریکِ حال مرا+"
طیش میں آدم اس طرح بجواب:۔
"یہ محبت ہے کج ادا حوا' یہ صلہ ہے مری محبت کا'
دی محبت جو بے دریغ تجھے جب کہ برباد ہو چکی تھی تو؟
میں تو مامون تھا' سدا میری زندگی شاد و مطمئن رہتی
نعمت و لطف دستیاب مدام'
جانتے بوجھتے مگر میں نے موت تیرے شریک اپنائی۔
طعن مجھ پر' ہدف ملامت کا تو مجھے ہی بنائے' میں گویا
تیری بے رہروی کا ذمہ دار؟
تیرا منطق کہ میں درشت نہ تھا جب تجھے روکنے کی بات آئی'
ماسوا کیا تھا میرے امکاں میں کہ خبردار کر دیا تجھ کو
خوب تنبیہ کی' کیا آگاہ قبل از وقت سخت خطرے سے
خصمِ خفیہ سے' جو کمین میں تھا؟ اس سے آگے تو جبر ہو جاتا'
ہم کہ آزاد رائے رکھتے ہیں جبر کا تو کوئی جواز نہیں۔
تیرا پندار لے گیا تجھ کو۔۔۔۔۔ یا سمائی ہوائے نخوت تھی'
یا تجھے امتحان میں پڑ کر موجبِ افتخار بننا تھا۔
وہ قصیدے جمال کے تیرے' وہ بیاں سب کمال کے تیرے
آسمان و زمین کے میں نے جو قلابے ملائے۔۔۔ جھک ماری'
غلطی پر بہت پشیماں ہوں' اب تو یہ جرم بن گئی میری'
تو بنی مستغیث بھی اس میں۔

بسکہ یہ حشر لازما" جو بھی اسطرح زن سے حسنِ ظن رکھے۔
تریاہٹ کو جو راج ہٹ مانے۔
زن نہ برداشت روک ٹوک کرے، گر اسے اس کے حال پر چھوڑیں
اور جھنجھٹ کوئی نکل آئے، تو وہ کمزور بردباری پر
مرد کو صاف نام دھر دے گی +"

یونہی کیچڑ اچھالتے باہم کئی گھنٹے گزر گئے بے کار،
ختم کیسے فضول چخ چخ ہو کوئی بھی جھانک کر گریباں میں
تھانہ کہنے کو ہر گز آمادہ ـــــ بسکہ از ماست ہر چہ بر سرِ ماست،

فرہنگ

۳۳۶ (۱۳) اسوا کوتک = گھڑ سواری کے کرتب،
۳۳۴ (۱۰) قورچی = قوربیگی، سامان حرب کا رکھوالا
۳۴۰ (۶) ڈانڈا = اونچی سطح کی زمین، ڈابر کے برعکس
۳۴۲ (۱۳/۱۴) درپ ناز، غرور ـــ روپ وان = صاحب خوبی
پرم پاون ـ بہتریں
۳۴۳ (۸) ملزونی ـــ گھونگے کی طرح، یہاں مراد حشراتی
۳۸۰ (۲) باک تکرار میں ... یعنی سابقہ خلاف ورزی دہرانے میں کوئی باک نہ ہوا، دوبارہ اور کھلایا
۳۸۱ (۱۳/۱۴) سبھاؤ ـ طبعی میلان، ـ ملیکھ ـ بکثرت
۳۸۵ (۹) شانت = پر سکون ـ ورش = خط ـ وشال = عمدہ

دفتر دهم

تلخیص

انسان کے گناہ کا چرچا ہوا۔

نگران فرشتے فردوس سے سوئے عرش آئے کہ عذرِ کوتاہی پیش کریں۔ یزدان نے درگذر فرمایا کیوں کہ وہ اہرمن کا داخلہ روکنے پر قادر ہی نہیں بنائے گئے تھے۔

دونوں خطاکاروں کی تقدیر کا فیصلہ روح اللہ کے سپرد ہوا۔ حسبِ ارشاد نزول کر کے انہوں نے مقدمہ کا تصفیہ کیا اور درگاہِ باری تعالیٰ سے عفو کا کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ ان کی برہنگی کے ستر کا سامان کیا اور واپس عرش پر صعود فرمایا۔

باب دوزخ کے دربان معصیت و اجل تحیرانہ دلچسپی اور مخصوص غرض مندی سے اہرمن کے منتظر تھے۔ جونہی انسان سے جرمِ سرتابی سرزد ہوا' یہ دربانی چھوڑ چھاڑ کاشانۂ انسان کی طرف لپکے اور دوزخ و دنیا کے درمیان آمدورفت کے لئے اختلال پر پل باندھ دیا۔ اہرمن نشۂ کامیابی میں بدمست' واپس اسی راستہ پر چلا آتا تھا کہ ان کی مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ باہم علیک سلیک' دارالخبائث پہنچ کر عام اجلاس میں اہرمن نے آدم کے خلاف اپنی کارگذاری بیان کی' جواب میں شورِ تحسین کی بجائے سوں سوں کی آوازیں آئیں' وہ اور اس کے سب ساتھی اچانک سانپ بن گئے تھے' یہی اجر عالمِ بالا میں ان کے لئے فیصلہ ہوا تھا۔ شجر ممنوعہ کا عکس ان کی نظروں میں لہرایا اور یہ چھایا مایا اُتارنے کے لئے اچھلے کودے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کڑوی کسیلی راکھ پھانکنے لگے۔

معصیت و اجل کی کارستانیاں اور یزدان کی روح اللہ کو ان پر غلبہ کی بشارت — لیکن جب سب اشیاء کا احیا ہو جائے۔ کروبیاں کو حکم ہوا کہ عناصر میں تبدیلیاں عمل میں لائیں۔

آدم خستہ و خراب حال مصروفِ آہ و بکا تھے۔ حوا نے ڈھارس بندھائی اور کوشش کی کہ آدم کو تشدد کی راہ پر لگائیں وہ نہ مانے اور دامن امید کو ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ حوا کو یاد دلایا کہ ابھی ابھی انہیں بخشش کی بشارت مل چکی ہے — البتہ پیماں شکنی کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا ہو گا — سو توبہ استغفار سے یزداں کی رحمت کے طلب گار اور سعی کناں ہوں کہ وہ مہربان ہو جائے۔

دریں اثنا--- شنیعہ و پر کیں حرکت اہرمن نے جو کی تھی۔
باغِ فردوس میں کیا گمراہ--- شکلِ افعی میں اس نے حوا کو
اور حوا نے اپنے شوہر کو--- ثمرِ جانستان چشانیدن---
مشتہر عرش پر تمام ہوئی۔
کیا نہاں ہے بصیر یزداں کی چشم سے' کیا فریب ممکن ہے
اس ہمہ داں کی فہم سے' لاریب وہ ہمہ امر عادل و دانا؟
کیوں عناں گیرِ اہرمن ہو تاکہ نہ ذہنِ بشر پہ وار کرے
جب ودیعت کیا مکمل زور' عزمِ آزاد سے مسلح بھی'
بھانپ کر دے شکست فاش کوئی مطلبی یار ہو کہ دشمن ہو'
وہ نہ آئے کسی کے جھانسے میں؟
تھی انہیں آگہی' یہ لازم تھا حکمِ قطعی کو یاد وہ رکھتے
خواہ ترغیب کوئی بھی دیتا جرمِ میوہ چشی نہیں کرتے،
سرزدان سے ہوئی جو کوتاہی' منکرانہ صریح سرتابی
ٹھیک مستوجبِ سزا ٹھہرے'
تھی شرابوریٔ گنہ ایسی شاخسانہ ہبوط جس کا ہو!
تیز فردوس سے صعود کیا حارسانِ فلک نے عرش کی سمت'
حالتِ آدمی پہ افسردہ' دل گرفتہ' اداس اداس خموش
سب قیافہ لگا چکے تھے وہ--- تاہم اس پر تھے ششدر و حیراں
کیسے چوری چھپے بچا کر آنکھ گھس گیا تھا وہ کائیاں خناس۔
خبرِ بد اثر مگر جونہی فرش سے بابِ عرش پر پہنچی
دم بخود رہ گیا سنا جس نے۔

آئے تھے چہرہ ہائے اہلِ جناں گو ملالِ خفیف کی زد میں
تاہم آمیزشِ ترحّم سے ان کی راحت میں اختلال نہ تھا۔
گِردان واردانِ تازہ کے لپکے اہلِ اثیر کے انبوہ'
کہ سنیں' کچھ پتہ لگے ان کو کس طرح سب یہ ماجرا گذرا؟
زود تھے کرسئ معلّٰی کے روبرو وہ جواب دہ حاضر
پاسبانی میں سہو کالے کر خاص عذرِ صفائئ معقول'
ازرہِ لطف ہو گیا جو قبول!
سرنہاں خانۂ سحابی سے یوں گرج کر وہ لم یزل اعلیٰ
خود بخود گفتگو طراز ہوا:۔
"اژدحامِ فرشتہ گانِ جلیل اور کروبیان ذی قوۃ
تم کہ امر مفوّضہ سے یوں ہو کے ناکامیاب لوٹے ہو'
ہو نہ آزردہ خاطر و مضطر جو زمیں کا یہاں لگا احوال
باہمہ احتیاطِ سنجیدہ تم سے ممکن نہیں تدارک تھا۔
حال ہی میں تو صاف کر دی تھی پیش گوئی وقوع کیا ہو گا
پار کر کے خلیج دوزخ سے آن اترا تھا جب وہ ترغیبی'
حکم میرا تمہیں تھا جانے دو' تیز مقصد قبیح پانے دو'
بیش انساں کو ورغلانے دو'
چاپلوسی سے پھول کر اس کو ہر دگر امر بھول جانے دو'
خواہ خالق ہی کے خلاف سہی' جھوٹ پر اعتبار آنے دو۔
تھی مشیت نہ متفق میری اقتضائے ہبوط میں تاہم'
ہوئی ہیجان کے خفیف تریں ثانیہ میں نہیں اثر انداز ان کی مختار رائے پر ترغیب،

حسبِ رجحان میں نے چھوڑی وہ ٹھیک میزان میں توازن سے —
اب مگر وہ خراب و خوار ہوا'
اور اس کے لئے رہا کیا ہے' بس کہ ہو جاں گسل سزا صادر
انحرافِ صریح کی پاداش۔
موت جس کی نفی کے بارے میں تبصرے کیا نہیں ہوئے اس روز
یہ ہوا احتمال باطل ہے' بے حقیقت' نہ مثلِ برق گری
کیوں کہ اندیشۂ بشر تو تھا کہ یہ فوری کرے گی ضرب رسید۔
جلد ہی دن نہیں ڈھلا ہو گا' سب حقیقت یہ منکشف ہو گی
برّیت بھی نہیں مگر برداشت!
عدل کا یہ معاملہ تو نہیں کوئی ٹھکرائی ٹھور نعمت ہے۔
لیکن اب ان کے فیصلے کے لئے میں روانہ کروں وہاں کس کو؟
کون نائب مرے' بجز تیرے' نورِ دیدہ تجھے کیا تفویض
عدلِ کُلّی جہاں ضرورت ہو — خلد میں' ارض میں' جہنم میں۔
صاف لیکن مرا یہ منشا جان عدل ہمدستِ دردمندی ہو۔
تو حبیبِ بشر ہوا مبعوث' ہاں شفیع اور ناجیٔ موعود'
آپ فدیہ بہ طیبِ دل اس کا'
متعین بہ ہیئتِ انساں راندہ انساں کا دادگر ہو جا+"
رب کا ارشاد تھا' ہویدا راست عظمت اس کی ہوئی درخشندہ'
روح اللہ میں الوہیت بے حجابانہ تمتما اٹھی
منعکس سر بسر ہوئی ان میں اپنے رب کی تجلّیٔ تامہ۔

سرمدانہ ملائمت سے جواب: "ہے ترا ربِّ لم یزل فرمان'
عین میرا فریضہ اب' تکمیل "من تشا" کی سما و ارض میں ہو۔
اور تو مجھ میں یوں حلول کئے ۔۔۔۔ میں چیختا ہوں نور عین ترا ۔۔۔۔
مطمئن تا ابد مقیم رہے۔
سوئے ارض اب نزول ہے میرا کہ میں ان سرکشوں پہ فتویٰ دوں۔
ذات تیری خبیر' جو کچھ بھی فیصلہ ہو مجھی پہ لوٹے گا
وقت جس وقت بھی ہوا موزوں۔
اب ترے سامنے بھری ہامی اور اس پر نہیں پشیمانی
بسکہ ان کا کروں خفیف عذاب' جاں پر اپنی سنگھیڑ لوں سختی'
عدل و رحم اس طرح ہوں ہم آمیز
کلیتہ "مطمئن دکھائی دیں وہ بشر اور تو بھی راضی ہو۔
متصدی نہ پیش کار وہاں' نگراں کوئی اژدحام نہیں'
روبکاری ہے جن کی بس دونوں وہ ہی حاضر وہاں ہیں پیشی پر'
ہے روا غیر حاضری ہی میں تیسرے کے خلاف عائد ہو
فردِ جرم و گناہ یک طرفہ'
ہو گیا ہے وہ توڑ کر قانون موقع واردات سے مفرور
کچھ نہیں پس ثبوتِ جرم کو ہے اور افعی کے باب میں درکار۔"
اس قدر عرض کر کے وہ اپنی عظمتِ یک نہاد کی اعلیٰ مسندِ نور تاب سے اٹھے'
طبقاتِ سروش اعانت کوش (دوسرے' تیسرے' چھٹے' چوتھے)
اہل تخت' اہل زور' اہل دول' اور اہل تسلط و غلبہ
آئے سب بابِ عرش تک ہمراہ۔

عدن و ساحلِ تمام وہاں اک سماں سے نظر پہ کھلتے تھے۔
راست نیچے وہاں سے وہ اے ---وقت تخمینہ کر نہیں سکتا
گرچہ رفتار کا خداؤں کی تیز پر دار ساعتوں سے بھی۔
دوپہر ڈھل چکی تھی، سورج تھا سوئے مغرب زوال پر مائل،
ٹھیک موزوں گھڑی تھی جاگ اٹھیں پنکھیاں لے کر ارض کو جھلنے
نم ہوائیں کہ شام کو اپنے دم قدم سے خنک خنک کر دیں۔
ہؤا مدھم عتاب میں نازل رحمدل، عدل گستر و شافع
کہ وہ انساں کا تصفیہ فرمائے۔
محوِ گل گشت وہ چمن میں تھے جب خداوند کی صدا گونجی
دن ڈھلے نرم رو صبائیں جو آئیں لہروں پہ تابگوش لئے،
جب سنی یہ ندا تو وہ دونوں --- زوج و زوجہ --- حضور سے ان کے
چھپ گئے جھنڈ میں درختوں کے۔
جب خداوند کچھ قریب ہوئے، یوں پکارا بلند آدم کو:۔
"ہو کہاں، کیا نہ خندہ روئی سے خیر مقدم کو آؤ گے آدم،
میں کہ آیا ہوں دور سے ملنے، ہے تمہاری کمی گراں محسوس،
جی بھلا کچھ نہیں ہوا آکر، ایسی تنہائی سے تواضع ہو،
بے رخی کیوں، کہ بے تکلف تھا پہلے دستورِ پیشوائی یاں۔
ہے بڑی کم نما مری آمد یا کوئی انقلاب آیا ہے
یا عناں گیر اتفاق ہوا یوں یکایک جو ہو گئے غائب،
آؤ، بس اب تو سامنے آؤ۔"
وہ نکل آئے، ساتھ حوا بھی، طوعاً" و کرہاً" اس طرح پہلے

—

کہ طبیعت میں ناگواری ہو، سر بسر سرگراں سراسیمہ،
تھیں نگاہیں تہی محبت سے
نہ خداوند کے لئے ہی تھیں اب نہ یہ تھیں برائے یکدیگر۔
ان دریچوں سے صاف جھانکتے تھے جرم، تقصیر، انفعال، قلق،
حیلہ جوئی، عناد، نومیدی، خفگی، خفّت اور خودرائی۔
لکنت ان کی زبان میں تادیرِ آخر آدم یہ مختصر بجواب:۔
"ہاں سنا تھا پکارتے تجھ کو باغ میں۔۔۔ اور میں برہنہ تن
چھپ گیا سہم کر صدا سے تری"۔ منصفِ مہربان و عالی ظرف
یوں جوابا "بغیرِ طعن انہیں: "تھا سدا تو صدا بگوش تجھے خوف کیسا کہ شاد ہوتا تھا۔
ماجرا کیا ہوا وہی آواز یوں تجھے ہولناک لگتی ہے؟
تو برہنہ ہے، یہ کہا کس نے؟
کی ہے کیا نخل سے ثمر خوری جس سے لاتقربا کی قدغن تھی؟"
بجواب ان کو آدمِ دل گیر۔۔۔۔۔ "اے فلک واژگون عالم میں
پیشِ منصف کھڑا ہوا ہوں میں سر پہ سارا قصور خود لے لوں،
تھوپ دوں یا تمام اس جی پر جو شریکِ حیات میری ہے۔
چاہیئے اس کے جرم پر پردہ دم جو مجھ سے وفا کا بھرتی ہے،
نہ شکایت کروں، نہ دوں الزام۔ لیکن افتادِ سخت سے لاچار
اور اندوہ گین مجبوری کہ مبادا گناہ و بازدہی
ناروا ہی سہی، مرے سر ہوں، لاکھ میں پرسکوں نظر آؤں،
بھانپ لے گا مگر بہ آسانی جو شواہد رکھوں میں پوشیدہ۔
خوب عورت بنائی تھی تو نے یہ مرے واسطے سہارے کو،

تیرا انمول بے بہا تحفہ جو سخی نے فقیر کو بخشا'
ملکوتی صفاتِ ذات میں وہ دم بخود میں ہوا اسے پاکر'
شائبہ شبہ تک نہ تھا اس کے ہاتھ سے اس قدر خرابی کا۔
کیا کیا اس نے' جو وہ کر گزری تھی وہ اس کے تئیں بجا کر توت'
نخلِ ممنوعہ سے کیا پھل پیش اور میں نے ضرور نوش کیا!"
یوں بپاسخ انہیں حضور انور: "ملکہ تھی نہ مالکہ عورت
جو نہ رد کر سکا کہا اس کا اور جھٹ بات مان لی چپ چاپ۔
تری قائد نہ تجھ سے فائق تھی' کب اسے تھی برابری تیری'
دست کش اس کے سامنے اس طور اپنی مردانگی سے ہو جاتا
فوق من حیث مرد جو اس پر تھا ترا مرتبہ -- وہ بھول گیا'
جو تراشی ترے لئے تجھ سے -- درجۃ الرّجل علیہا' جان!
اصل عظمت میں بے گمان ترا..... زن سے حسنِ کمال افزوں ہے؟
زیور اس کا..... جمال بے شک ہے' --- گل بدن --- خوش ادا' جمیل ایسی
دامنِ دل کشد کہ جاا۔ نجاست۔ زن مریدی روا نہیں تاہم'
جوہر اس نازنین کے سارے زیر دستی میں خوب کھلتے ہیں۔
گر ملے اقتدار بد گوہر' بسکہ منصب تجھے مبارک یہ'
ہے تری ذات ہی کو یہ زیبا تو بجا حیثیت جو پہچانے۔"
یہ سنا کر انہیں تو حوا کو سخن ایجاز سے ---- "بتا عورت
کیا غضب ڈھا دیا اری تو نے؟"
دل گرفتہ نڈھال انہیں حوا' مان کر ایک دم خطا اب تو
وہ عدالت کے سامنے ویسی من چلی ہی رہیں نہ باتونی' -- شرم سے بلکہ پانی پانی تھیں۔

"چل گیا چال وہ مٹوا افعی' اور میں نے ضرور نوش کیا!"
کی خداوندِ آنجناب نے پھر اس سماعت کے بعد ہو کے رجوع
کاروائی مقدمہ کی خلاف ملزم افعی کے ۔۔۔۔ بے درنگ شروع
جانور ہی سہی قصور اپنا مڑھ نہ سکتا تھا اس کے سر جس نے
بھولپن سے رفیق اسے جانا۔۔
آلۂ کارِ شر بہ ایں پاداش لغو تخلیق کی مثال بنا'
کور باطن بجا ہوا مغضوب استغاثہ کی اس گواہی پر۔
ماسوا' علم چاہیئے اس سے آدمی کا نہیں تعلق تھا'
(نہ اسے ماسوا کا علم) نہ کچھ نوعیت اس کے جرم کی بدلی۔
پس خداوند نے کیا ماخوذ اہرمن کو گناہ میں اول'
واصلِ صد عذابِ پُر اسرار' جو بہت ہی بجا شمار ہوا۔
نازل افعی پہ یوں عتاب کیا کہ مددگارِ جرم ثابت تھا۔۔۔
"چونکہ تو مرتکب ہوا سنگین تجھ پہ پھٹکار ۔۔ پالتو' جنگلی
جو بھی حیوان ہیں' ذلیل ان میں ۔۔۔۔ پیٹ کے بل گھسٹ کے رینگے گا'
عمر بھر خاک چاٹنی ہوگی' میں عداوت کا بیج بوتا ہوں
عورت اور تیرے درمیاں' تیری اور اس کی نژاد کے مابین۔
زن کی اولاد سر ترا کچلے' اور تو کاٹ کھائے ایڑی کو۔"
یوں وہ صدر الصدورِ حق نادی۔
ہوئی تصدیق پھر کہ جب عیسیٰ ابن حوائے دوشیزہ مریم'
نگراں تھے' برآگرا نیچے اہرمن مثلِ برق گردوں سے۔۔۔
اور احیائے قبر کے مابعد ازلی شاہ فتح یاب ہوئے

روبدو جنگ آزمائی میں، کیں اقالیم اور دوَل تاراج،
نور، ارفع وہ درمیانِ فضادام افگن کئے اسیر چلے،
بلکہ مدت کی غصب کردہ وہ سلطنت اہرمن کی بالآخر
روند دیں گے ہمارے پاؤں تلے۔
اور مہلک خراش اس پر بھی، پیش آگاہ جو ابھی ٹھہرا!
ہوئی عورت کے حق میں پھر صادر یہ سزا بارگاہ سے اس کی:
"یہ مرا امر ہے کہ چند بہ چند تری تکلیف میں اضافہ ہو
حمل میں، وضع حمل میں تکلیف، ماسوا جبر تجھ پہ یہ عائد
حکم بردار اپنے شوہر کی تو ہمیشہ رہے گی، تو تابع وہ مجازی خدا ترا ہو گا۔"
آخر اس میرداد کا فتویٰ آدمِ بد عمل کے بارے میں:
"اپنی زوجہ کی بات میں آکر چونکہ تو نے کیا چشید اس سے
صاف جس کے لئے ہدایت تھی۔۔۔ 'دیکھیو اس شجر سے مت کھائیو'
تنگ ہو گی زمین یہ تجھ پر، زندگی بھر کڑی مشقت سے
رزق کرنا پڑے گا اب پیدا، صاف کر کے یہاں وہاں خودرو
گوکھرو، بھٹ کٹائی، گٹ بینگن، تیری خوراک ساگ پات اناج
جو اگائے گا آپ کھیتی سے، خوں پسینہ کرے گا ایک تو پھر
تو کمائے گا پیٹ بھر روٹی۔۔۔ یہ مقدر ہوا ترا، جب تک
خاک میں پھر نہ لوٹ جائے گا، خاک ہی سے خمیر ہے تیرا،
اصل پہچان لے کہ خاک ہے تو اور پھر خاک ہی میں ملنا ہے!"
ناجی و عدل گسترِ مرسل آدمی کا یہ فیصلہ دے کر
متوجہ ہوئے، اجل کا وار جو کہ تھا نافذ العمل فوری

ملتوی کر دیا' نہ اس دن ہو' اور میعاد کچھ بڑھا ڈالی۔
رحم فرمایا ہائے وہ کیسے یوں برہنہ کھڑے تھے اس رت میں
تھا تغیر بھی اب اثر انداز۔
پر نہیں تھی انہیں ابھی منظور خادمانہ وہ حیثیت اپنی
اختیارانہ بعد ازاں جیسے آپ خادم کے پاؤں دھلوائے۔
جس طرح اک کٹمب پُرکھا ہوں ڈھانپ دی یوں برہنگی ان کی'
چارپاؤں کی پوستینوں سے۔۔ چارپائے ذبیح وجاں دادہ۔
وہ بدلتا ہے کینچلی بانکی سانپ جیسے نئی۔۔۔۔ نہیں گذرا
لحظہ بھر یہ ملال وہ ملبوس کر رہے تھے مخالفین اپنے۔۔
نہ فقط پوست چارپاؤں کی اوپری' بلکہ دی سنوار کہ تھی
وہ جو افزون تر کہیں اس سے اندرونی برہنگی مذموم'
جامۂ پارسائی خود میں نگہِ رب سے پردہ پوش کیا۔
پھر صعودِ سریع سے رجعت سعد پرور جنابِ یزداں میں'
جاگزیں عظمتِ قدیمہ پر' ذات باری کو شادمان کیا'
وہ ہمہ دان ہے مگر پھر بھی کہہ سنائی بشر کی سب روداد
کر کے عمدہ شفاعتیں شامل +
ابھی ناٹک جزا سزا کا یہ نہ رچایا گیا تھا دھرتی پر'
ملک الموت و معصیت جم کر اسی دوراں ڈٹے رہے دونوں
بابہائے جحیم کے اندر' وہ کہ چوپٹ کھلے اگلتے تھے
غضب آلود شعلے سوزندہ دور سرحدِ اختلال تلک'
وہ کہ خناس کے گذرنے پر معصیت نے کئے تھے وا اس پر۔

ملک الموت سے مخاطب یہ :۔ "اے پسر کیوں تکا کریں بیٹھے
ہاتھ پر ہاتھ یوں دھرے بیکار، جب مہاچتر کار وہ اپنا
اہرمن دوسرے جہانوں میں فارغ البال، اہتمام میں ہے
اک بہار آفریں سرابستاں ہو فراہم ہمیں۔۔ ہم اس کے ہیں
بال بچے، اس آنکھ کے تارے۔
واقعہ بے گمان اور نہیں، کامرانی سے ہمکنار ہوا،
آفت اس پر اگر کوئی آتی لوٹ کر کب کا آگیا ہوتا،
یاں غضب میں دھکیلتے اس کو منتقم، اور تو نہ موزوں تھا
ہاویہ زاویہ عقوبت کو
جس جگہ پھینک کر اسے ان کی آتشِ انتقام بجھ سکتی۔
لگ رہا ہے کہ اک نئی شکتی لے رہی ہے جنم مرے اندر
بال و پر اگ چلے، بڑا سنسار اب مرے راج پاٹ کو ہو گا
دور اندھیرے نرک سے آگے۔۔۔۔ دور،
اس طرح جو کشاں ہے۔۔۔۔ ہمدردی یا کوئی ہم مزاج حس پُر زور
انتہا فاصلہ پہ دور دراز، ہم خصائل تمام اشیا کو
ایک مخفی تریں وسیلہ سے خفیہ یکجائی میں پروتی ہے۔
جیسے ناخن سے گوشت پیوستہ، تو مرے ہمرکاب جائے گا،
ملک الموت کو جدا کردے معصیت سے مجال کس کی ہے؟
پر، مبادا گذر کی دشواری حائل اس کی مراجعت میں ہو
یہ ہی ناقابل عبور خلیج پار جس سے نہ ہو سکے کوئی۔
آگ ساگر سے نیو مارگ رکھیں نئے سنسار تک، یہاں سے ہم

وہ جہاں نامِ اہرمن کا سدا سکہ چلتا ہے ڈنکہ بجتا ہے۔
یادگارِ کمال، طاغوتی لشکرِ طالع آزما کے لئے
آمد و رفت کی سبیل، آساں جو گراں جانیٔ سفر کردے
جب کہ بنجارہ کوئی لاد چلے، کھینچ لے جائے جس طرح تقدیر۔
راستے سے بھٹک نہیں سکتی میں کہ شدت سے یوں کشانیدہ
جذبہ و التفاتِ نورس ہے +"

سایۂ ہیچ مایہ تب اس کو بجواب ایں چنیں شتابانہ:

"چل جدھر لے چلیں بزور تجھے بخت و میلان --- میں نہ پس ماندہ
صورتِ گردِ کارواں ہوں گا، یا جہاں گردِ راہ گم کردہ،
کہ بنے تو مرے لئے رہبر۔
آئی ہے بو فساد کی مجھ کو، کشت و خوں، صید یہ قمرغہ میں (ف)
ان گنت ذی حیات ان سب سے موت کی تازہ باس آتی ہے۔
ذائقہ ہے زباں پہ مقتل کا۔۔ اس مہم میں، ہمیں ہے جو درپیش
پائے کوتہ قدم نہ تو مجھ کو، میں ہمہ وقت دست راست ترا۔
یہ کہا، بوفنا پذیر اس نے ہو کے بدمست ارض سے سونگھی،
کہ ندیدے پکھیروں کا غول لوبھ میں جیو لوتھ کی بو سے
کئی فرسنگ سے کرے یلغار سوئے جنگاہ قبلِ روزِ ستیز
خیمہ زن دو بدو عساکر کو جس جگہ کل اجل کا تر لقمہ
خوں فشاں معرکہ میں ہونا ہے۔
(یہ روایت ہے گدھ لڑائی کی باس پہلے ہی سونگھ لیتے ہیں)
اس طرح بولقندرے نے لی دور سے تاڑ کر شکار اپنے،

سنگدل شکل نے سکوڑ لیا گھپ فضا میں فراخ نتھنے کو۔
بابہائے جحیم سے دونوں تیز پھر وہ برون بال کشا!
(لاامارۃ میں اختلال کے تھی
بے ڈھب انداز سے وسیع' اجاڑ' نم زدہ' تیرگی پراگندہ)
وہ بصد زور شور طیرانی (الاماں زور شور کیسا تھا)
لجلجے ساگروں پہ منڈلائے' یمِ سیل آفریں پہ دوش بدوش
تہ و بالا' رواں' ہجوم کئے۔۔۔۔
جیسے قطبی مخالفانہ دو آندھیاں جو دھکیل کر لے جائیں
برف سرپوش کوہساروں کو اور راہِ دراز اٹ جائے
پیسطورا کے شرق میں ساری الحطا کے نعیم ساحل تک۔۔۔
ملک الموت نے بندھی مٹی اپنے اس خوفناک' خشک' خنک
گرز سے اس طرح اڑا ڈالی جیسے ترشول (اناج کو گاہے)'
گوندھ کر پھر جما دیا محکم جیسے ڈیلوز کا رواں ٹاپو'
گورگانی خشونت آلودہ آنکھ اٹھا کر بچی ہوئی باقی (بھیڑیے ایسی)
کیچ گارے سے ریت بجری سے یوں جکڑ دی' نہ کر سکے جنبش!
جس قدر تھا فراخ دروازہ' نرکی نیونیو تک گہرا
کس دیا کل کنار اندودہ۔۔۔۔ سخت و سنگیں اپار گودی میں' (رنگ روغن ملا)
قلزمِ کف فشان پر بالا' حیرت افزا طویل محرابی
پل' دفاعی پناہ کا حامل اس جہاں کی جدارِ بے جنباں
(قشرۃ الارض) سے ہوا ملحق' ملک الموت کے تسلط میں۔
اک سبیلِ کشادہ سہل گذر' جو کہیں سے نہیں تھی اڑ بنگی'

واں سے دوزخ میں جا اترتی تھی۔۔ پس اگر ہو موازنہ جائز
باہم اشیائے ہیچ و اعلیٰ کا۔۔۔ شہ خشہ یار شہ نے کوچ کیا
قصرِ کسریٰ سے، شوش کی تعمیر میمنونی، کرے گلو در طوق
اہلِ یوناں کی حور آزادی، اس بجیرے سے (فاسفورس کے)
پار اترا ملا کر اک پل سے یورپ و ایشیا کو یوں باہم،
اور دُرّوں کی ضربِ شاقہ سے لی خبر خشمناک موجوں کی۔۔۔۔۔
(حبشہ کا تھا میمنوں سطراپ)۔۔ (والی)
حیرت انگیز، حسبر سازی کا یہ نمونہ کمال فن کا تھا۔
اک معلق چٹان کی مگری، ساتھ ساتھ اہرمن کی اس رہ پر،
کوڑھی پاتال پر سے کرتا ہوا نیچی نیچی اڑان وہ پہلے
بحفاظت جہاں فرود آیا،
اس مدوّر جہان کے بیروں قشر عریاں پر اختلال کے بعد۔۔۔
جڑ دیا پھر سلاسلِ آہن اور او تادِ سنگِ خارا سے
خوب مضبوط و محکم و پختہ۔۔۔۔ مل گئے اب قلیل عرصہ میں
ارض و عرشِ اثیر کے ڈانڈے، حدِ تارِ نگاہ تک حاجز۔
جانبِ دستِ چپ معلق تھا، سامنے (عرش ارض دوزخ تک)
مختلف تین راستے تینوں ان مقامات کو نکلتے تھے۔
ارض تک اب انہوں نے رہ دیکھی سمتِ فردوس سے گذرتی تھی۔۔۔
بھیس میں اک سجل فرشتے کے اہرمن راس کو روانہ تھا،
عین مابینِ عقرب و قنطور، مہر برجِ حمل سے نکلا تھا۔
بابِ صورت بدل کر آیا تھا ایک دم لیکن ان دلاروں نے

اس کو بہروپ میں لیا پہچان۔
دے کے حوا کو جل، وہ ان دیکھے پاس بن میں کھسک گیا تھا، پھر
کی یہ کایا کلپ کہ ہو معلوم کیسے چلتا ہے سلسلہ آگے۔
فعلِ حوا فریب خوری کا ہوا معلوم تو میاں نے بھی
سادہ لوحی میں کر دیا ایضا"۔۔۔۔ پھر نظارہ کیا برہنہ جب
ان بچاروں نے لاج سے کٹ کر رائیگاں ہاتھ پاؤں مارے تھے۔
متعین برائے دادگری روح اللہ کے نزول پہ وہ
سخت دہشت زدہ فرار ہوا۔۔
تھی بچاؤ کی آس کم، کنّی کچھ سرِدست ہی وہ کترائے۔۔
ڈر رہا تھا قصوروار تو ہے، جانے کیا قہر ناگہاں ٹوٹے!
وہ گھڑی جب گزر گئی، تو پھر رات کے وقت لوٹ کر آیا،
تاکہ اس بدنصیب جوڑے کی یاس انگیز گفتگو سن لے،
باہمی شکوہ و شکر رنجی!
جب بھنک یہ پڑی مواخذے کا فوری امکاں نہیں تو خوش کیسا،
اب تو آرام سے گزرتی ہے، عاقبت کی خبر خدا جانے۔
شاد، بغلیں بجاتا دوزخ کی سمت لے کر چلا یہ خوشخبری
اور نکڑ پہ اختلال کے پاس اس نئے طرفہ پل کے پرلی کھونٹ
کون یہ مل گئے خلاف امید، وہ ہی دونوں ملے عزیزا سے،
دیکھ کر ہو گیا نہال جنہیں۔
جب پڑی شاندار پل پہ نگاہ اور فرحت سے کھل گئیں باچھیں
دیر تک وہ کھڑا رہا مداح۔

کاہنہ دختر جمال آرا، معصیت نے سکوت یوں توڑا،

"اے پدر تیرے کارنامے سب طرۂ امتیاز تیرے ہیں،
آپ سے گو کرے نہ تو منسوب۔۔۔ چترکار اور اولیں موجد
ہے تری ذات ہی فقط ان کی (ترے دل سے دلِ خموش آہنگ
ساتھ ساتھ آج یہ دھڑکتا ہے خوبصورت تعلقِ جاں سے)
تو برومند ارض سے لوٹا یہ ہوید انظر سے تیری ہے
ایک دم ہو گیا مجھے احساس لاؤں فرزند کو ترے پیچھے،
اس طرح ہم جو تین مل بیٹھے تو مقدر کا ما حصل جانیں۔
نہ جہنم حدود میں اپنی رکھ سکی ہے مزید پابستہ،
نہ ہی ناقابلِ سفر تاریک یہ خلیج آسکی ہمیں مانع
کہ تری تابناک راہ چلیں۔
تیرے صدقے رہا ہوئے اب تک پسِ زنداں تھے ہم جہنم میں،
تو نے بخشا یہ حوصلہ اب جو ہم میں ہے قوتِ عمل پیدا،
کالے پاتال پر عجوبہ پل اس طریقے سے استوار کیا۔
جو نہ قوت سے ہو سکی توفیق، دستیابِ ہنروری تجھ کو،
جو لڑائی میں ہم سے کھیت رہا عقل سے معجزانہ حاصل ہے۔
پورا پورا چکا دیا تو نے عرش کی اس شکست کا بدلہ،
تو یہاں شاہ حکمراں ہو گا، نہ سہی واں، وہاں پہ چلنے دے
اس ظفر مند کا ابھی سکہ۔۔۔۔ کہ یہ قضیہ چکا تھا یوں رن میں،
اس نئے دہر سے کنارہ کش اجنبی۔۔۔ کردنی سے خود اپنی۔۔۔
پادشاہی کے سب لوازم میں تجھ سے کرنا پڑا ہے بٹوارہ،

منفصل سرحدی ثغور سے ہے عرش اس کا مرتّعی کچھ بیچ
دہرِ کُروی کے سامنے تیرے'
اور کرسی کے واسطے پنجہ پھر اگر کیجئے تو خطرہ کیا؟"

شاہ تیرہ پناہ شاد اسے:۔

"خوب اطوار دختر۔۔۔۔۔و فرزند یہ بیک وقت سبط بھی میرا'
یہ مہیا ہوا ثبوت اعلیٰ' واقعی اہرمن نژاد ہو تم'
(اس لقب پر مجھے ہے فخر کہ ہوں شاہ مختارِ آسماں کا حریف)
تم ہو شایانِ شانِ اصل مرے آتش اندود سلطنت میں تمام
اس قدر رباب عرش کے نزدیک جو کیا کارِ فتحمند اپنا
فتحمندانہ ہمکنار مرے قابلِ فخر کارنامے سے۔
کیسا دنیائے دون و دوزخ کو ایک اقلیم کر دیا تم نے شارعِ عام کے ذریعے سے،
اسلئے اب نزول کرتا ہوں ظلمتوں میں تمہاری شارع سے
اپنی ہمکار قوتوں تک سہل
کہ میں ان کامرانیوں سے انہیں مطلع کر کے جشن عام کروں۔
ہو لو اس راستہ پہ تم دونوں' متعدد کُروں کی جانب اب
ہو گئے جو تمہاری ملکیت' تحت فردوس میں اتر جاؤ
اور دھرتی پہ چار کھونٹ اپنا خوب سکہ چلاؤ ٹھاٹ کے ساتھ'
آدمی خاص کر غلام بنے ہے عطا جس کو خواجگی سب پر'
لاؤ تم دام میں اسے پہلے' کام آخر تمام کر ڈالو۔
میرے قائم مقام ہو' جاؤ کہ مدار المہامِ ارض کیا'

مجھ سے پیدا بلا کابل تم میں، مشترک زور پر تمہارے ہی
منحصر اب تمام تر میرا اس نئی سلطنت پہ قبضہ ہے'
اب مرے معرکہ سے یہ زد میں، معصیت کے سبب، اجل کی ہے۔
مشترک زور گر رہا قائم، مت کرو فکر، امورِ دوزخ میں
کسی رخنہ کا احتمال نہیں--- جاؤ بن کر جیو وہاں جی دار+"
یہ کہا اور انہیں وداع کیا--- تیز رو رہ میں نحس برساتے
گنجلک راس منڈلوں میں یوں کہ ستارے چنخ کے زرد پڑے'
پڑ گئے زرد زرد سیارے، یا مکمل خسوف میں آئے۔
دور دوزخ کے اس طرف نیچے گامزن اہرمن رصف پر تھا۔ (ف)
منقسم اختلال پر تعمیر دونوں اطراف سخت غوغائی
بولتے تھے اچٹ اچٹ دھارے آندھیوں، جھکڑوں کے دھارے تند،
تاؤ، تیوڑی کی تان اس کا تھا۔
تھے نہ دربان، پٹ کھلے چوپٹ، ژرف پھاٹک سے اہرمن گزرا
چار سو ایک ہُو کا عالم تھا۔۔
ترک کر کے قراولیں چمپت ہو گئے تھا طلایہ گرد اوپر،
بٹ گئے بعض کر کے پس قدمی دور زیرِ فصیلِ دارِ فتن،
لوسی فر کی عظیم اقامت گاہ، بلدۂ لولئی فلک بے مثل
یوں وہ موسوم نجم تابندہ---اہرمن کا نمونہ تلمیحا"---
گرد تومان چوکس استادہ،
تھے اکابر صلاح میں مصروف بے قراری کے ساتھ چشم بہ راہ
کون سے اتفاق سے کس وقت وہ شہنشاہ واپس آ نکلے!

وقت رخصت کیا جو صادر حکم، بالکل اس پر رہے عمل پیرا
جیسے برفیلی وادیوں میں تتار اپنے روسی غنیم کے آگے
استراخاں کے قرب میں پسپا۔۔ خسروِ باختر گریزاں تھا
باہلالی درفش ترکاں سے سوئے قزوین، جانبِ تبریز
کرکے ویراں قلمروِ الدول، (سب کبیر آرمینیہ یعنی)۔۔۔
اس طرح لشکرِ فلک راندہ کالے کوسوں اجاڑ تاگذر اوہ علاقہ جہنمیں سارا،
۔۔۔ نزدِ اُمّ البلاد جمع ہوئے سب خبردار اور چوکنے،
تھا انہیں انتظار ہر لحظہ
وہ مہم جوئے مقتدر لوٹے ٹوہ لے کر دگر جہانوں کی۔
درمیاں سے گزر گیا پنہاں، متوجہ ہوا نہ کوئی بھی،
ایک عامی سروش حلیے میں، لانس نائک سا ایک برقنداز۔
سقری بابِ نار سے چپ چاپ اچ سنگھاسن پہ جابراج گیا
دور پرلے سرے پہ جو محکم باہزار آب تاب رکھا تھا،
جاجم اس پر بچھی ہوئی عمدہ جامدانی کے تارو پود کی تھی،
او جھل اس طرح بیٹھ کر اس نے بہ توقف نگاہ دوڑائی۔
آخرِ کار ابر سے اڈی ضو فگن شکل، نجم تاب تراش
شکل روشن تر اس لئے، ملفوف اس کے اندر رہا بوقتِ ہبوط
بہ اجازت جو نور پس انداز۔۔۔۔۔ یا ملمع کا خام چمکارا
تیز اچانک لپٹ کا لشکارا، کہ چکا چوند ہو گیا سارا
اسفلیں اژدحام خم آگے احتراماً" بہ جوہرِ تسلیم۔
خواہشِ عیدِ دید جس کی تھی، لوٹ آیا وہ سورما سردار

مرحبا مرحبا کا شور اٹھا۔
امرائے مشیر جھٹ لپکے چھوڑ کر تیرگی زدہ دیوان
خیر مقدم کو گرمجوشانہ عرض کرتے ہوئے مبارکباد۔
چپ کیا ہاتھ کے اشارے سے، متوجہ کیا انہیں پھر یوں:
"ذوالارائک ملوک، الوللقوہ، احسن اصحاب باحشم ارباب
قبضۂ ہم چنیں بہ حقداری، بلکہ اب میں کہوں ببانگِ دہل،
ہو یہ مژدہ، سوا توقع سے لوٹ کر کامگار آیا ہوں
کہ ظفر مند لے چلوں تم کو باہر اس آتشین حفرہ سے،
غمکدہ یہ کریہہ، بد، منحوس، تیرہ زندان خانہ جابر کا۔۔
اے نوابو تسلط اب اپنا اس جہانِ بسیط پر ہو گا
وطنِ عرش سے جو ہیچ نہیں۔۔
وہ مری جدوجہد کا انعام جان جوکھم سے دستیاب ہوا۔
داستاں ہے دراز ترگر میں کارناموں کا سلسلہ چھیڑوں۔
جو کئے ہیں مصائب و آلام میں نے برداشت، جب عبور کیا
بحرِ موہوم، بیکران عمیق ہولناک انتشار سے مملو۔
ملک الموت و معصیت نے تیار راہ اس پر کشادہ کردی ہے،
کر سکو گے گذر سریعانہ۔ بخرامِ شکوہ مندانہ۔۔۔"
ورنہ سنسان اجاڑ پگڈنڈی یہ صعوبت سے میں نے طے کی تھی۔
گاہ تحت الثریٰ و بے عرضہ، اختلالِ خلل خلا خالی،
گاہ مجبور کوہ پیما میں شب یلدائے بے چراغ میں تھا،
گاہ بے نام اک انوکھی کھوکھ اور غوطہ زنی کٹھن اس میں،

کاٹ کرتے ہوئے، مزاحم تھے اس سفر میں حسود پر اسرار
غل و غوغا میں مستقل حجت کہ بہ تقدیر وہ معظم ہیں۔
سوجتن سے رسائی آخر کی گیتی تازہ آفریدہ تک
جس کی خوبی کی پیش گوئی کا عرش پر مدتوں سے شہرہ تھا
کہ وہ صناعِ مکمل کا ایک حیران کن نمونہ ہے۔
باغِ فردوس کی فضاؤں میں خوش و خرم بشر کی آبادی،
(ہم جہاں سے جلاوطن ٹھہرے)
اس بشر کو فریب کارانہ میں نے گمراہِ کردگار کیا،
حیرت افزون تر تمہاری ہو یہ کرشمہ سب ایک سیب کا تھا۔
قابل دید سرگرانی تھی پھر وہ یزدان کی، ہنسی آئے
واہ واُخود بخود ہوا کیسا صید اس کا بشر، جگر گوشہ،
اور وہ کیا تمام کون و مکاں اجل و معصیت کے ہاتھ پڑے۔
غم، تردد، جفاکشی نہ ہراس، صف بہ صف ڈال کر پڑاؤ وہاں
حکمراں ہو بشر پہ، وہ ہم پر جس طرح حکمران ہونا تھا۔
ٹھیک ہے میرے حق میں بھی فتویٰ کچھ ہوا، بلکہ یوں کہو حق میں
کرم افعی کے میں نے جو بہروپ بھر کے انسان کو فریب دیا۔
بسکہ میرے لئے عداوت ہے
جو مری اور نسلِ آدم کے درمیاں اب دوام رکھ دی ہے،
میں کروں اس کی پاشنہ مجروح، (ایڑی)
اور اسکی نژادِ ناخوش بھی زخم کاری مجھے رسید کرے۔
ایک دنیا کسے قبول نہیں گر ملے ایک زخم کے بھاؤ، بلکہ ہو کر لہولہان بھی لے۔

سب مری کارکردگی کی یہ مجھ سے روداد تم نے سن لی ہے۔
اور کیا رہ گیا ہے بس اتنا اے مرے دیوتاؤ، تم اٹھو،
ہے لبالب نعم سے جو گیتی داخل اب اس میں بے دھڑک ہو جاؤ::"
پھر توقف کلام میں چندے ---- اس توقع میں خوب گونجیں گے
نعرہ ہائے ستائش و تحسیں، ڈونگرے واہ وا کے برسیں گے
شور وہ بج اٹھیں گے کان اس کے ----
اس کے برعکس اسے اداس اداس سوبسودی سنائی سسکاری،
کہ ہو گھبراہٹ اور گھن آئے اس طرح کا چرُج اچنبھا تھا، (حیرتناک)
کیفیت یہ رہی نہ دیر تلک کہ چرُج آپ بن گیا وہ بھی!
کچھ لگایوں کہ ہو گیا کھنچ کر چہرہ کوتاہ اور مخروطی
پسلیوں سے چپک گئی باہیں اور ٹانگوں میں بل بڑے آئے۔
وہ اکھڑ کر دھڑام سے نیچے آرہا پیٹ کے بل اژدرسا،
گرچہ مارے بھی ہاتھ پیر بہت
سب یہ بے سود تھا کہ اس پر تو برتر اک قوت آئی تھی حاوی۔۔
یہ عقوبت کہ روپ اچرج اُک وہ بنا کر گناہ گار ہوا،
یہ تلافی، یہ کیفرِ کردار ----
ہر نکیلی زباں پہ سسکاری اور ان کے جواب میں یاں بھی
رہ گئی سعئی نطق میں کر کے یہ نکیلی زبان سسکاری۔ دشت کایا کلپ میں یہ درگت،
سارے ایواں میں شور ہیبت ناک ان کی سسکاریوں سے پھیل گیا،
سانپ کی جُون میں تمام ڈھلے جو بھی اس کے شریکِ فتنہ تھے۔
غول در غول پیچ تن عفریت ---- سب سراپا وہ سرپ اژن بردت (سانپ)

گھور پھن دار، گھاگ، دو مونہے، سینگئے، پن سنپولئے، کالے، (سانپ کی مختلف قسمیں)
گوھواں ڈونٹر، کریت، سنکاتر، بس کٹاری، جلندھری زہری
(کہ گزیدہ ہو اس کا مستسقی اور کاٹا نہ مانگ لے پانی)!
یوں اٹھ کر نہ ٹھٹ لگا ہو گا خاکِ (لبیا) میں قطرہ بر قطرہ
مار زاخونِ گورِ گانی سے، نہ (جزائر بلیر کے کہنہ)
او ئیس نام سانپ ٹاپوپر۔۔ ناگ ناتھ ان میں جثہ ور اجگر
تھا کہیں بیش اس سے ڈیلفی کی دلدلی پیتھیا میں سورج نے خوب پروان جو چڑھایا تھا۔
کم مہاناگ کو ڑیالا وہ نظر آتا نہیں تھا ہیبت میں،
وہ بدستور سب پہ حاوی تھا۔
وہ چلا، تو جلو میں دھامن کے سب نکل آئے صاف میداں میں،
تھے جہاں جملہ آسماں راندہ بچ کے فتنہ گری کی. بھگڈر سے
صف بہ صف فرد فرد جابر جا متوقع بصد خوشی ہوں گے
فیضیابِ زیارتِ آقا جو مظفر و قار مند آیا۔
منظر اک مختلف دکھائی دیا، بد قوارہ قطار سانپوں کی،
رہ گئے دل مسوس کر ڈر سے، ہوئی اندیشہ ناک ہمدردی.....
پھر جو دیکھا تو انقلاب وہی اپنے اندر انہیں ہوا محسوس
ہاتھ نیچے گرے، گرے نیچے ہاتھ سے نیزہ و سپر چھٹ کر،
آپ بھی پھر گرے دھڑام سے وہ۔۔۔ پھر وہی ہولناک سسکاری،
متعدی زبوں زبوں جیسے،
جرم میں جسطرح شریک بنے، اب شریکِ عذاب بھی وہ تھے۔
تھا جو مقصود آفریں کہنا۔۔۔ ایک سنکار، ایک بھنکارہ

بن گئی تھی ظفر کا کل اظہار منہ میں اب شرم شرم کی پھٹکار۔
حکمتِ حکمرانِ بالا سے ان کی کایا کلپ کے ساتھ اگا
ایک گنجان جھنڈ پیڑوں کا تا عقوبت شدید ہو جائے'
اور فردوس ہی سامیوہ بھی خوب ہر پیڑ پر تھا آویزاں
ذائقہ دار خوش نما لاسہ (آزمایا گیا جو حوا پر)۔
اس عجب پر امید نقشہ پر جم گئی آنکھ کیا حریصانہ
یہ سمجھ کر کہ ایک ممنوعہ نخل کا باغ لہلہا اٹھا۔
مدعا تھا مزید ہو جائیں مبتلائے غم و پشیمانی'
تھے بہت پیاس کی جلن سے نڈھال 'سخت شدت کی بھوک سے بے حال'
گو فریبِ نظر کا ناٹک تھا' دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹا'
تو دہ تو دہ لڑھک لڑھک کر وہ ان درختوں پہ چڑھ کے جا بیٹھے'
کنڈلیاں تھیں چڑیل چمرخ کی ناگن ایسی لٹوں سی گھنگھریلی۔
مر بھکے اس ثمر پہ ٹوٹ پڑے جو بظاہر بڑا سہانا تھا'
ہو بہو 'جو کثیر روئیدہ گوندیہ رال دار جھیل کے پاس
(در نواحِ بحیرۂ مردار) جھلملاتا تھا جس میں شہر سدوم۔
مس وہ کر پائیں یا نہیں لیکن ذائقہ میں انہیں مغالطہ تھا
احمقانہ خیال' رغبت سے اشتہا کو فرو وہ کر لیں گے۔
پھل کہاں' راکھ پھانک لی کڑوی' وہ کسیلی کہ لگ گئے اُچھّو'
جس کو تھو تھو اگل اگل ڈالیں۔
بھوک اور پیاس سے مرو ڑا ٹھے 'کر رہے تھے جتن سڑاپ سڑاپ
لیکن ابکائی آئے' متلی ہو۔۔۔۔ذائقہ کر کرا کچھ ایسا تھا'

منہ میں اٹ کر کلونس انگارے کھینچتے تھے تمام کے جبڑے۔
متواتر وہ اس سراب میں غرق'
ہائے اس چال کے سبب جس میں وائے انسان آ کے چوک گیا!
بے کل آشفتہ کال کے مارے انت کے بھر رہے تھے سسکارے
کہ ہوا اذن انہیں کریں اپنی گمشدہ ہیئتیں بحال آخر۔
بعض کا قول ہے' برس کے برس ہیں وہ پابند اٹھائیں سالانہ
ذلت ایسی مقررہ کچھ دن' تاکہ انساں کی گمرہی پہ انہیں
جو بھی ہے ناز خاک میں مل جائے' جو خوشی بھی ہے ختم ہو جائے۔
دوسری ایک یہ روایت ہے'
منتشر ہو گئے وہ صید تمام اپنے فتراکِ مشرکانہ میں۔
اک کہاوت ہے کس طرح افعی ---- دیومالائی او فیئن لے کر
آری نومی کو (اغلباً "حوا") قابض آیا بلند المپس پر ----
جس جگہ سے انہیں دھکیل دیا الپس وکیواں نے' قبل ازاں ان کے
متولد ہوڈ کٹیہ برحیس' ---
(کریٹ میں ڈکٹ اک پہاڑی ہے جس پہ تھا یہ مقیم اوائل میں)۔
دریں اثنا جہنمی جوڑا (ملک الموت و معصیت دونوں)
زود فردوس میں ہوا وارد' -- معصیت ایک مرتبہ پہلے
خوب کھل کر یہاں پہ کھیل چکی --- (ڈگمگائے جب آدم و حوا)۔
آن دھمکی بذات خود بذات کہ سکونت پذیریاں ہو جائے۔
ساکنِ پُرسکون کی صورت ---- ملک الموت اس کا دم چھلا
تھا قدم سے قدم ملائے ساتھ'

اسپ اسفرپہ وہ سوار نہ تھا گو ہنوز۔۔۔ اس سے معصیت بولی:

"ہے بھلا کیا ترا خیال اپنی اس نئی سلطنت کے بارے میں
جو برے دکھ جتن سے ہاتھ لگی۔ کیا مبارک نہیں ہے یہ دوری
یا بدستور ہم پڑے رہتے تیرہ دوزخ کے آستانے پر'
ناشنار عب وداب سے محروم۔۔۔ اور تو ناشتا بہ دربانی؟" (ف)

بجواب اس طرح اسے فی الفور تند عفریت معصیت زادہ:

"عرش فردوس یا جہنم میں کیا تفاوت مرے لئے' میں ہوں
پیٹ کی آگ میں سدا بریاں' اے خوشا وہ جگہ جہاں مجھ کو
صید اندازیاں مہیا ہوں' ہیں جو بسیار اس جگہ' لیکن
اندک اتنی کہ ایک چٹکی بھر' داڑھ بھی گرم ہو نہیں جس سے۔
کیا بھلا اس۔ سے اوجھ کا ہوگا' یہ مراد ھڑ ڈھبوس پوست آزاد؟"

گُتر گمنی حرام کارا سے: "تو لہٰذا تمام یہ پہلے (ف)
پھول پھل بوٹیاں جزیں چٹ کر' بعد ازاں ہضم دام ودد سارے
ماہی و مرغ تر نوالہ کر' کاٹ کر وقت کی درانتی پھر
تیرے آگے جو ڈال دے اس پر ٹوٹ پڑ' کر ہڑپ' ڈکار نہ لے۔
جب تلک آدمی میں رس بس کے نسل کے واسطے سے آلودہ
نظر و فکر و قول و فعل کروں۔۔۔۔ خوانِ نعمت پہ میں ترے تیار
آخری چٹ پٹی مرغن قاب::"

یہ کہا اور لگ لئے رستے اپنے اپنے' الگ الگ دونوں'
تلف اتلاف پر کمربستہ' وہ اتاریں' فنا کے گھاٹ اترے زود تر یا بدیر ہر اک چیز
ایسے تیار یہ کہ جیسے ہی فصل پک جائے' کاٹ کر رکھ دیں۔

ربِّ مطلق نے ربیّوں میں ربوس جب تماشا کیے معلّی سے (پیٹو)
طبقاتِ منوریں سے وہ بایں لہجہ ہوا سخن پرداز:۔
"یہ سگانِ جہنمی دیکھو تیز کیسے بھڑک کے لپکے ہیں
شورش و نیستی بپا کر کے دور دنیا کریں تہ و بالا
خوب جو آفرید کی میں نے'
ایک سی دلپذیر حالت میں قائم اسکو میں رکھتا ہموارہ
گرنہ ان گھاؤ گھپ بلاؤں کو آدمی راہ جہل سے دیتا۔
اب مڑھیں میرے سر یہ کوتاہی (ہاں یہی باشلیق دوزخ کا (سردار: باشلیغ)
اور منحوس اور تاق اس کے) میں ہواہوں مجازوہ آئیں (ساتھی)
سہل اس وادیِ عرش آسامیں اور قابض بزور ہو جائیں'
چشم پوشی سے میں نے ان مقہور دشمنوں کے چلن پہ صاد کیا۔
زہر خندہ کہ جس طرح میں نے موج میں آکران کو بخش دیا'
اور برداشت کی ہے بے اٹکل ان کی ہنگامہ پروری مذموم۔
وہ بلائے گئے ہیں بے چارے اور آئے کشاں کشاں از خود'
غیر آگاہ تاکہ یہ کتے چاٹ لیں وہ غلاظت و فضلہ
جو نجس معصیت نے خارج کی اطہر انسان سے پلیدانہ
کہ اسے داغدار کر ڈالے' یوں ٹھساٹھس اٹیں گے ان کے پیٹ
بھک سے پھٹ جائیں گے وہ یہ آخور تھورنے' ٹھونسنے' ڈگلنے سے۔
راحتِ من عزیزِ من! تیرے دستِ منصور کا فلاخن تیز
آخرِ کار اختلال میں سے منہ پہ دوزخ کے یوں فگندہ ہو
کہ وہ تیغا کرے اسے یکسر۔۔۔۔ ملک الموت و معصیت گم ہوں'

بند اندھیری لحد یہ منہ پھاڑے، دوختہ یہ حریص جبڑے ہوں،
آسمان و زمین کا احیا اس طرح ہو مقدس و طاہر
کہ نہ ہو داغدار دوبارہ،
اور جب تک نہ آئے وہ ساعت شامت ان پر یہی مسلط ہو۔۔۔
یہ مرا امر ہے علی الاعلان::"
ختم ارشاد جب ہوا اس کا سامعینِ فلک ہوئے پر زور
وردخواں لاالہ الا اللہ۔۔۔۔ سگرئی ساگروں کے سر جیسے: (شام کاراگ)
"تیرے انداز عادلانہ ہیں، تیرے احکام راستبازانہ
باب میں جملہ آفرینش کے، کون ہے جو تجھے خفیف کرے؟
کس کو مقدور ماسوا بے شک ہے مقدر عزیز اللہ کو
تیری عالی جناب سے اعزاز کہ وہ آبادکارِ انساں ہوں،
اور ہے کون جس کی برکت سے عہد بر عہد، عصر اندر عصر
آسمان و زمیں پھر ابھریں گے، یا کرے گا نزول عرش سے کون؟"
تھی مناجات و منقبت جاری۔۔۔ خاص کروبیاں جلیل و کبیر
کردگارِ عظیم نے کر کے طلب ان کو امور پر مامور
حسب حالات و واقعات کیا۔۔۔ حکم اول کہ مہرِ گردندہ
ایں چنیں، آں چناں درخشندہ ارض کو خنکی و تمازت سے
متاثر کرے مساواتی خوشگواری سے جو مسا برداشت۔
گر شتائے اشد شمال سے تو مدعو وہ جنوب سے کر لے
حدتِ صیفِ راسِ سرطانی۔
ماہتابِ سفید کو اس کا فرض پوری طرح سے سونپ دیا۔

(بدھ، سنیچر، برہسپت، منگل، سکر) خمسہ سیّارگان کے پھرطے
گردشیں زاویئے کئے سارے (ساٹھ درجے پر، اور نوّے پر،
ایک سو بیس، اک سواسّی پر۔۔۔۔ جبکہ ان کے الگ ہوں نکھشترا)
شصتی و قائمہ و دائرہ ثلث۔۔۔۔۔ ضد قرانی و واژگون اثر
اور کب ہوں قران نحس ان کے، کب ثوابت کیا کریں بوچھاڑ
اپنی تاثیرِ ناموافق کی، کون ثابت عروجِ مہر کے وقت
یا بوقتِ زوال طغیاں خیز۔۔۔۔ رخ معین کئے ہواؤں کے
پار، منجدھار، یا کنار میں کب ان کے جھکڑ سے انتشار مچے،
ہول، ہیبت سے گڑگڑاہٹ کب گھپ ہوائی اطاق میں دوڑے؟
بعض راوی ہیں، حکم فرمایا پھر فرشتوں کو ارض کے قطبین
دو سے دس درجے اور بھی آڑا محورِ آفتاب سے کردیں،
مار کر زور اریبوان کیا متوسط کُرہ فرشتوں نے۔
بعض راوی یہ مہر کو تاکید۔۔۔ مثلِ عرضِ بعید ترک کرے
معتدل النّہار کی شارع، موڑ کر باگ سوئے ثور چلے،
ساتھ لے ہفت اطلسی بہنیں (عقدِ پرویں) توام سپارٹئی
(برج جوزا) وہاں سے پھر سرطان (برج) حارہ تلک، بصد سرعت
اسد و سنبلہ کہ میزاں کے عین نیچے وہ برج جدی کو۔۔۔
تارتیں دیس دیس کی بدلیں۔
ورنہ آنچل میں گل لئے شاداب متبسم بہار کی دیوی
اس زمیں کو چمن چمن رکھتی، ایک سے رات اور دن ہوتے،
ایک سے ماسوا فقط جو ہیں ماورا دائراتِ قطبینی،

روزنا آشنائے شب ان پر ضوفشاں (مستقل رہا کرتا)'
جبکہ بہر تلافیٔ دوری مہر پست ان کی آنکھ کے آگے
یوں بدستور افق پہ منڈلاتا' غرب سے اور نہ شرق سے مانوس'
برف کو بھی ممانعت ہوتی
باردا سٹوئی لینڈ کے رخ سے (اک جزیرہ قریب لیبریڈار)
دور نیچے جنوب میں پھیلی میجلاں (آبنائے) کی حد تک۔
مہر جرم ثمر چشی کے بعد سفرِ طے شدہ سے یوں لوٹا
جیسے طسطن کے خوانِ یغما سے ---- (باپ' اطروس جس کے بیٹوں کے
سامنے سر سجا کے لایا تھا' ظالم اطروس بھائی طسطن کا)۔
یہ نہ ہوتا تو پھر یہی دنیا ---- نامعاصی ---- رسی بسی ہوتی
خوب افزون' خوب تر محفوظ'
سخت گرمی سے جو جھلستی ہے' سخت سردی سے جو ٹھٹھرتی ہے۔
انقلاباتِ عرش یہ ہر چند تھے بتدریج' ہم چنیں آئے
کہر' تبخیر' دم کشی تپ ناک' بد' مضرت رساں' زبوں' فاسد'
نیوانگلینڈ کے شمال میں اب نورامبگ سے (سائبریا میں)
ساحلِ سیموئیڈ تک اپنے توڑ کر مجبس بر نجینی'
برف' ٹھر' ٹھار' جھکڑاولوں سے لیس ساری ہوائیں ورزیدہ ----
بوریس (اتری پون) کیسس (اتری پوربی پون) اگستس
تھارسی لیس چنگھاڑتی' جل کو ساگروں میں اتھل پتھل کرتی'
جنگلوں کو اکھاڑتی' --- آندھی ناموافق جنوب کی اوفر

(دکھنی پچھمی) الٹ ڈالے، گھپ اندھیری کڑکتے ابروں کی
(دکھنی) لوٹیس اڑالے جائے۔
(غرب افریقیہ کے ساحل پر) سرالیونہ سے آرپار کہیں
تند چڑھتی ہوئیں، اترتی ہوئیں پھر سمُو میں اسی طرح پُروا
اور پچھوا۔۔۔ لوانٹ اور پونینٹ۔۔۔ متوازی صباو صرصر کے
تیز ہلڑ بپا قیامت کے (باد شرق و جنوب) سرّاکو اور لپاچو (ہوائے غرب و جنوب)۔
یوں ہوئی ابتدا جفاؤں کی ان کے ہاتھوں کہ جاں نہ تھی جن میں۔
موت نے اولاً "عموماً" کی غیر ذی عقل میں مروّج پھوٹ
جو بلا معصیت کی بیٹی تھی۔۔۔ بے تحاشہ ہوئی شدید شروع
سر پھٹول بہم بہائم میں، چل گئی مرغ مرغ کے مابین،
آئی مچھلی کی جان کو مچھلی، اک بنا اک کے پیٹ کا ایندھن
بھات اب گھاس پات کی چھوٹی اور اک نے ہڑپ کیا اک کو،
(عمل جہدِ للبقا کہیئے) نہ رہا آدمی کا خوف انہیں
رم کناں گاہ، گاہ خیرہ چشم ٹھیگر آنکھوں سے گھورتے جائیں۔
تھے مصائب بروں عیاں افزوں، کر چکے تھے نظارہ گو آدم
یہ گھنی اوٹ سے نہاں جزوی، وقفِ افسردگی، مگر محسوس
اندروں تھی خلش قیامت کی۔
کھا رہے تھے شدید ہچکولے بحرِ جذبات کے تلاطم میں
دل زدہ یوں ہوئے وہ فریادی کہ نجات اس حیات سے پائیں:۔
"او خوش اقبال یوں شکستہ حال، اس نئی شاندار دنیا کا
یہ ہے انجام، یہ بزود مآل کتنا آئینہ دارِ عظمت تھا عظمتِ ایزدی کا عکس فشاں!

وائے افسوس میں کہ ۔۔۔ تھا مسعود کس قدر آج ہو گیا مردود،
اوٹ میں اب لقائے یزداں ہے عید دیدار جس لقا کی تھی
باعثِ صد طمانیت اب تک ۔۔۔۔۔ یہ بھی تاہم بڑی غنیمت ہے
گر اسی مسکنت پہ ٹل جائے ۔۔۔۔
کردنی کا بھروں میں خمیازہ ، گو نہیں اس سے فائدہ ہو گا۔
میں سزاوارِ اجر ، وہ سب بھی جو مری صلب سے جنم لیں گے ،
ایک شامت کا سلسلہ سمجھو ۔۔۔۔۔ اس ندائے نوید کے بدلے
خوب پھولو پھلو بڑھاؤ بڑھو ۔۔۔۔۔ اب اجل کی سنائی دے بھاکا۔
کیا اضافہ ، کہاں کی افزائش اب کسی کی نہیں ہے گنجائش ،
شامت اب جسم و جاں کی آلائش ۔۔۔۔ کون ہو گا نہ ہر زمانے میں
کوئی جس کو نہ ہو خیال کہ شر میرے باعث ہی اس پہ ٹوٹا ہے ،
وہ تبرا کرے گا یوں مجھ پر مورثِ بد شعار آدم نے
کس قدر حرکت شنیع وہ کی کس لئے آنجناب کے ممنون ؟
برکت کی دعا سراپ بجا ٹھیک یہ جرم میرے سر پہ منڈھا۔
ذات سے جلد ہی اڈ کریہ مجھ پہ بھاٹا سمان اچٹ آئے ،
ہر جگہ وزن دار شے جیسے اصل مرکز پہ لوٹ آتی ہے۔
ہائے جنت کی بو مشامِ جاں وائے اے معتدل ہوائے جناں
میں نے شاید گراں خریدا تھا دیر پا رنج کے عوض تم کو!
لیکن اے آفرید گار تری منت ایسی بھی میں نے کب کی تھی
خاک سے ڈھال کر بنا مجھ کو؟ تیرگی سے فروغ فرمادے!
التجا کب یہ کی تھی کر آباد اس خیابانِ پُر بہاراں میں ؟

جب کہ میری رضا کو دخل نہ تھا اس طرح میں وجود میں آؤں
تو ہے یکساں مرے لئے مجھ کو پھر مری خاک میں ملا ڈالے'
دستکش خوشدلی سے ہو جاؤں' پھیر دوں جو ہوا مجھے بخشش
بسکہ میری بساط سے ہے بروں تیری شرعِ گراں کی پابندی'
خیر مقسوم تھا صلہ جس کا متلاشی تھا میں نہ خواہش مند۔
اس زیاں پر نہ کم تھی کچھ تعزیر کہ اضافہ مزید فرمایا
درد کا غیر مختتم احساس --- یہ ستم کیوں روا رکھا تو نے؟
یہ تری عدل گسترانہ شان شرح سے ماورا دکھائی دے'
بات دراصل یہ ہے بعد از وقت ہے مری یہ محاذ آرائی'
جو شرائط بھی تھیں مجھے انکار چاہیئے تھا یہ جب ہوئیں تجویز ----
لیکن (آدم) قبول کیں تو نے ----
میٹھا میٹھا تو کر لیا ہپ اب کڑوے کڑوے پہ تھُو یہ کیسی ہے؟
خیر' یزداں نے آفرید کیا بر خلافِ رضا تجھے مانا'
کوئی فرزندِ ناخلف لیکن سرزنش پر جواب دے منہ توڑ:
یہ تمنا تو کی نہ تھی میں نے کیوں تولد کیا مجھے تو نے؟
تو گوارا کرے گا اس کی یہ خیرہ چشمی قبول یہ توہین'
رہنِ خواہش ترا نہ تھا اس کا گو جنم قدرتی لزوم سے تھا؟
حسبِ منشا کیا ہے یزداں نے خود تجھے آفرید' تو بندہ
حسبِ منشائے ایزداں کا ہے --- تیرا انعام ہے کرم یزدی۔
سو' بہ آئینِ عدل مبنی ہے من یشا پر مواخذہ تیرا۔
خیر یونہی سہی کروں تسلیم فیصلہ اس کا منصفانہ ہے

خاک ہوں، مشت خاک ہو جاؤں، مرحبا جب وہ ساعتِ خوش ہو
ہاتھ تعمیل امر میں لیکن متامل ہے کیوں جسے اس نے آج کے واسطے کیا طے ہے؟
کس لئے زندہ زائد المیعاد، ملک الموت کیوں کرے تضحیک،
کیوں مروں میں مدام جیتے جی دشنۂ درد لاعلاج سے یوں؟
یہ جزا ہے اگر، ملوں بے شک والہانہ گلے فنا سے میں
اور بے حس غبار ہو جاؤں۔۔۔۔ وہ لٹائے مجھے سکون کے ساتھ،
گود شیتل ملے جو اس ماں کی، سوؤں اس میں نچنت ستاؤں،
میرے کانوں کے پھاڑ دے پردے، نہ بھیانک چنگھاڑیوں گونجے۔
نہ ہو میرے لئے عذابِ جاں، نہ مری آل کے لئے کوئی خونیں اندیشۂ زبوں امید۔
وسوسہ حرزِ جاں یہ تاہم ہے۔۔۔ اب تو گھبرا کے خیر کہتے ہیں
ہم کہ مرجائیں گے مگر سوچو
مر کے بھی چین اگر نہیں پایا، پھر کدھر جائیں گے، کدھر سوچو؟
میں مبادا نہ ہوں فنا کلی، یہ مبادا دمِ لطیف حیات
یہ جویزداں نے روح آدم میں آپ پھونکا، نہ ہو سکے زائل بدنِ ساختہ کلوخ کے ساتھ،
کیا خبر ہوں لحد میں یا دیگر کلبۂ بے چراغ کے اندر
زندہ در گور مرگ کا نخچیر۔۔۔۔ وحشت انگیز اف خیال مرا
گر بجا ہے تو کس لئے یوں ہو۔۔۔ نفسِ زیست سے خطا سرزد،
موت لیکن کسے مقدر ہو، معصیت کا روزیست دار ہے جو؟
وہ تو دونوں بدن سے عاری ہیں، پس یہ سالم مراد جود مٹے، (یعنی موت و معصیت)
رفع ابہام اس طرح جانو کہ نہیں آدمی رسا آگے۔
وہ کہین و مہین کا مولا، جس طرح بیکراں ہے، کیا اس کے قہر کی کیفیت بھی ایسی ہے؟

کچھ سہی آدمی نہیں ایسا کہ اسے توفنا مقدر ہے۔
بے حد انسان پر وہ توڑے گا قہر کیسے کہ موت کام اس کا لامحالہ تمام کردے گی۔
لیکن امکان میں ہے کیا اس کے وہ اجل ہی کو بے اجل کردے؟
یوں تو ہو گا تضاد بو قلموں، یہ ادق ہے برائے یزداں بھی،
پھر سند اختیار کی کیسی، یہ سند بلکہ بے بسی کی ہو،
کیا سزایاب آدمی میں وہ بہرِ تسکینِ قہر کردے گا
حد کو لاحد کہ وہ درشتی ہو آخرِ کار مطمئن، جس کا
ہو نہ ممکن ہی مطمئن ہونا؟
ماورائے غبار بھی اسکی ہو عقوبت کو طول اس صورت
یہ خلافِ اصولِ فطرت ہے کہ ہیں جملہ علل بروئے آں
فعل پر کاربند اپنے ہی مادّے کی اثر پذیری سے،
نہ کہ مخصوص اپنے حلقہ تک۔
بلکہ مانو اجل نہیں تعبیر بس فقط ایک ضربِ کاری سے،
ظن ابھی تک رہا ہے جو مجھ کو ـــــ وائے ادراکِ غمزدہ میرا،
آئینہ اب ہوا مگر مجھ پر یہ تو ہے غیر مختتم کلفت،
داغ بیل آج پڑ گئی اس کی مستقل نیشتر زنی محسوس
ہے درون و برونِ ذات مجھے ـــــ تا ابد برقرار یہ ہو گی۔
آہ میں، خوف گھن گرج کے ساتھ، چکروں میں بڑا مہیب مہیب
ہے مری ذات میں نفوذ کناں، غیر محفوظ سر پہ نازل ہے۔
تا ابد ہمرہی ہوئے دونوں، مرگ اور میں ـــــ ہیں ضم بہمدیگر،
ذات میں صرف میں نہیں تنہا، نسل مغضوب سب ہوئی مجھ میں۔

چھوڑ کر جاؤں گا تمہیں پیچھے خوب ترکہ عزیز فرزندو'
کاش اسراف سے لٹا سکتا' یوں تمہارے لئے نہ کچھ رہتا۔
ایسے ترکہ سے ہو کے تم محروم پھر نہ کیا کیا مجھے دعا دیتے'
موردِ شتم اب تمہارا ہوں۔
صرف اک شخص کی خطا پر ہو کیوں بہ پاداش کل بنی آدم
قابلِ سرزنش ---- بڑی معصوم' ہو جو معصوم؟ اور ہو گا بھی
کیا مری ذات سے نمو پرور؟
لیکن آغشتۂ گناہ تمام ذہنیت' دل' ارادہ فسق زدہ'
نہ فقط ارتکاب' پھر ایسی گر میں خواہش کروں تو باک نہ ہو؟
کون سے کلّیہ سے ٹھہریں گے یہ مبرّا نگاہِ یزداں میں؟
پس انہی حجتوں سے ہوں مجبور دوں قرار اب اسے بری ذمہ'
بسکہ از ماست' ہر چہ بر ماہست۔
اور لیت و لعلّ تسامح عذر' بے حقیقت ہیں ---- منطق استدلال (ابہام)
صاف رہ رہ کے بس دلاتے ہیں میرے ہی جرم کا یقین مجھے۔
ہے بجا سر مرے' مرے سر ہی جملہ الزام اول و آخر
ماخذِ شر' بدی کا سرچشمہ فی الحقیقت یہ ذات ہے میری۔
یہ وہ بار گراں ہے' تو بود امتحمل بھلا کہاں اس کا' وہ زنِ بد بھی لاکھ دے کاندھا؟
یہ نہیں ہے زمین کے بس کا' روگ یہ سب جہاں سے بھاری ہے
تیرے اندیشہ و تمنا سود دونوں قاتل امیدِ ملجا کے۔
ماحصل' یوں ہوا فلک زادہ اور فلاکت زدہ رہے گا یوں
کر سکے گا نظیر جس کی پیش عہد ماضی کبھی نہ مستقبل۔ جرم و انجام اہرمن سا ہے۔

دائے میرے ضمیر تو نے مجھے ایک پاتال میں دھکیل دیا
جو عمیق اور بیم ناک ایسا' دے نہ باہر بجھائی کچھ رستہ'
پست سے پست تر ہوں میں غرقاب:::"
شبِ خاموش میں رہے آدم اس طرح محوِ گریہ و شیون'
وہ کہاں کیفیت کہ تھی مقدور آدمی کو زوال سے پہلے!
ساتھ تھیں وہ اندھیریاں جن کا یخ کناں خوف زا اندھیرا اب
آئینہ کر رہا تھا سب اشیاء ان کے چرکیں ضمیر پر دگنے
ہول ہیبت' ہراس' ہل بل سے! (پریشانی)
برف سی یخ زمین پر لیٹے کوستے تھے وجود کو اپنے۔۔۔'
موت پر بھیجتے تھے صلواتیں کیوں پھسڈی کو وار میں دبدا جب ہیں روزِ خطا سے مستوجب؟
پھر کہا چیخ کر: "کہاں ظالم مرگئی' کیوں اجل نہیں آتی
کیوں نہیں ایک ضرب سے' سہ بار' کہ ہے تسلیم یہ بلا تاخیر
کام میرا تمام کر دیتی؟۔۔۔۔ قول کا پاس کیا نہیں حق کو؟
کیوں بہ سرعت روا نہیں ہوتا عادلانہ یہ عدلِ ربانی؟
موت کا ایک دن معین ہے' نیوتے سے تو یہ نہیں آتی (بلاوے پر)
سستِ رفتار عدلِ ربانی تیز گامی پہ کب ہے آمادہ
کیجئے لاکھ منت و زاری؟
اے بنو' کوہ سارچو' چشمو' وادیو' برگ پوش کاشانو!
میں نے کل تک تمہاری راحت کو بازگشتِ دگر کا درس دیا'
تم جوابا" کچھ اور کہتے تھے' مختلف راگ الاپ یکسر تھا!"
دیکھ ان کا یہ دکھ' دکھی حوا' تھیں وہ بیٹھی ہوئیں جہاں چپ چاپ'

اٹھ کر آئیں قریب اب واں سے تاکہ تکلیف پر رکھیں پھاہا'
تند ہیجان پر ذرا چھڑکیں کو مل الفاظ کا سجل نکتار۔۔۔
لیکن آدم نے ترش رویانہ پاس آنے پہ یوں انہیں جھڑکا:۔
"دور میری نظر سے ہٹ ناگن' نام تیرا یہی مناسب ہے
ناگ سے کی ملی بھگت تو نے' چھل چر تران' چکّری' مکرو
گھن مجھے تجھ سے ویسی آتی ہے تو وہی عین مین لگتی ہے'
سانپنی سی جو کینچلی بدلے تیرے بھیتر کا سب بھرم کھل جائے۔
بسکہ چھوٹے بڑے لگائیں سب ہاتھ کانوں کو تجھ سے آگے کو
پھر مبادا یہ کامنی مورت داؤں دے بِس بھرے چر تروں سے'
تجھ بن آنند میں رہا بیرن' خوب جیتے اسی طرح آنند
بل بے تیری اناو خود بنی!
کاش تیری نسائی نخوت یوں میری تنبیہہ کو نہ ٹھکراتی'
تو سمجھتی نہ کسرِ شان اگر تجھ پہ کم کم تھا اعتماد مجھے۔
یوں نہ اڑتی ہوا میں خود چر کا تو لگائے گی ۔۔۔ گر ملا خناس
وائے افعی سے جب پڑا پالا خاک میں مل گیا ترا پندار'
تو بنی اس کے ہاتھ سے ابلہ میں ترے ہاتھ سے بنا بدھو!
میرے پہلو سے زائیدہ! تجھ کو میں سمجھتا تھا زیرک و ہشیار
ایسی مضبوط اک چٹان کہ جو سخت ہلّے کا سامنا لے گی۔
غلط اندیشی' خیال افسوس' خود ستائی کو بیٹھ کر اب کوس۔
میں تجھے قیصرہ سمجھتا تھا' تو قصیریٰ تھی' کج مج اک پسلی (بونی عورت)
جو خمیدہ بنائی حضرت نے' جس طرح روبرو مرے اب ہے۔

حصۂ لغو و حشو جو مجھ سے ایک جانب نکال پھینکا تھا ــــ
فالتو تھی وہ (تیرھویں) میری ٹھیک (بارہ) عدد پہ ــــــ ناکارہ۔
او خداوندو خالقِ دانا!
عرشِ اعظم پہ چہل پہل ہے خوب کہ ہیں کرو بیاں ذکور تمام'
ارض پر کس لئے عجوبہ یہ خامیٔ دلفریب فطرت کی؟
پھر نہیں کی ذکور سے دنیا کیوں ملائک سی بے اناث ــــــ مگر
کوئی ترکیب ڈھونڈھ لی ہوتی اور انسان کے تناسل کی
کہ یہ فتنہ نہ مستزاد ایسے اور فتنے کبھی بپا ہوتے۔
ایک تریا چر ترے خوں کی کھیلی جائیں گی ہولیاں کتنی'
نار سے اک منش بچارے کا بسکہ کیسا اچرج یہ سنجوگ!
زندگی کی رفیقہ مشکل ہے مل سکے گی کبھی بھی موزونی
ہاں مگر شومئی مقدر یا غلطی سے گلے کا ہار بنے ــــــ
جان ارمان سے جسے چاہا وہ تو پہلو کرے نہ آسودہ۔
اس کی خودرائی سیج پر ایسا گل کھلائے کہ خار کی صورت
دل میں اترے نگاہ میں کھٹکے ــــــ
(حور لنگور کی بغل میں ہو' زاغ کی چونچ میں سجل انگور)
دل کا دل سے معاملہ پٹ جائے والدین آئیں بیچ میں آڑے'
یا کہ محبوبِ دیریاب ملے ــ (آ کے منزل پہ ہمسفر جیسے)
اور جب کوئی خوش نصیب اسکو لے چلے عقد کے حبالہ میں'
ہائے بیچارہ عاشقِ ناکام وائے بختِ رقیبِ روسیاہ!
اس غضب سے مصیبتیں کتنی بشریت کی جان پر ٹوٹیں'

گھر گرہتی سکون برہم ہو+"
کہہ کے یہ سخت ست، موڑلیا ان سے منہ، پر نہیں ٹلیں حوا،
آنسوؤں کی جھڑی لگی اک سار، بال سارے ہوا میں پھیل گئے،
ان کے پیروں میں گر گئیں نادم، منتیں کیں چمٹ کے سینے سے
مان بھی جائیں وہ، پسیجیں بھی، اور غصہ کو تھوک دیں بارے،
بار بار التماس کرتی تھیں. "یوں اکیلا نہ چھوڑنا آدم،
آسماں کو گواہ کرتی ہوں
بے غرض چاہ ہے مجھے کیسی، کس قدر قدر دل میں تیری ہے،
کچھ نہ دانستہ یہ قصور ہوا کھا گئی میں فریب بے چاری،
بنتی کرتی ہوں، در گذر کر دے، پاؤں پڑتی ہوں، ہاتھ جوڑتی ہوں،
چھین مت مجھ سے ہیں مراجیون یہ سہارا، یہ مہرباں نظریں،
اس کٹھن روگ میں تری صحبت میری شکتی ہے، چین سکھ میرا،
چھوٹ کر تجھ سے کس طرف جاؤں کون سے میت کو تلاش کروں
کون ڈھارس مری بندھائے گا، ہو سکے گی کہاں بسر میری؟
جب تلک سانس کا یہ تانتا ہے، یہ گھڑی دو گھڑی سہی، ---شاید،
صلح درکار ہے، ملاپ، ملیں جیسے باہم جنم جلے بد بخت۔
صاف لکھی گئی مقدر میں اک عدو سے عداوتیں اپنی،
بیری افعی، مؤا عدو خناس!
دیکھ تو تو خفا نہ ہو مجھ سے یوں نہ دھتکار مت چڑھا تیور،
میں تو پہلے ہی کشٹ سے ہاری تجھ سے بڑھ کر عذاب ماری میں،
مرتکب ہم گناہ کے ہر دو---- صرف یزداں کا تو مگر مجرم،

میں خطاوارِ ذاتِ یزداں بھی، اور تیری گناہ گار بھی ہوں۔۔۔
کہ ہوں لونڈی تری، کنونڈی ہوں۔۔۔۔ (خوف زدہ)
عرصۂ عدل کی طرف چلئے آہ وزاری کروں گی، منت سے میں خداوند کو پکاروں گی۔۔۔
کہ تری آئی بھی مجھے لگ جائے، میرے سر پر پڑے بلا تیری۔
صرف ہوں ذمہ دار میں پاپن اس تری واژگون بختی کی،
پس تقاضائے عدل بھی یہ ہے، میری جھولی میں خار و اخگر ہوں،
قہر سارا مجھی پہ وہ توڑے +"
بات کی ختم، بندھ گئی گھگی، زار و سرگشتۂ الم ایسی
تن بدن شل تھے پاؤں من من کے، ایک پتھر سی، ہل نہ سکتی تھیں۔
صدق سے جرم کی مذمت کی، بے ریائی سے سہو کا اقرار،
کچھ تسلی ہوئی، بندھی دھیرج۔
دل ہی تھا، نرم پڑ گئے آدم، اور ان کی طرف سے صاف ہوئے
کہ پڑی لوٹتی تھیں قدموں میں وہ وحیدہ کہ راحتِ جاں تھی۔
کیا پشیمان چاند سی رمنی، پدمنی ملتجی کہ من جائیں (حسینہ)
یوں جو بیٹھے ہیں سرگراں سرتاج،
اک سوالی، چھما بھکارن تھی، ایک داتا سہائتا کردیں! (چھما=شما، معافی)
تن کے بیٹھے تھے جو پڑے ڈھیلے۔
سپر انداختہ، ہوا سارا جھاؤ تاؤ کرودھ رس کافور۔ (غصہ بدظنی)
پیار سے جھٹ اٹھالیا ان کو، پھر لگا کر گلے یہ کومل بول:۔
"کیسی معصوم بلکہ ناداں ہے کچھ خبر بھی ہے چاہتی کیا ہے
متمنی ہے تو عذاب مہین تیری گردن پہ آپڑے سارا؟

---جو ترا اجر ہے' وہی سہہ لے'
کچھ ہنسی کھیل تو نہیں کر لے کوئی برداشت قہرِ یزداں سب
تو نے عشرِ عشیر ابھی چکھا۔
بوتہ اتنا نہیں تجھے میریٔ خفگی' بے رخی سہار سکے۔
گر میسر شدے بہ گریہ وصال بہ تمنا کنیم ایں صد سال ،
التجاؤں دعاؤں سے گر ہم لوحِ تقدیر کو بدل سکتے
آنسوؤں سے نوشتے دھل سکتے--- تو میں یہ چیخ چیخ کر کہتا:
غضب و غیض مجھ پہ ہی ٹوٹے
تو کہ ہے صنف نازک و کمزور احتساب و عذاب سے چھوٹے۔
تو تو میری حوالگی میں تھی' یہ مرا سہو تھا اگر میں نے
تجھ کو اس بھولپن میں یوں ایسی صورتِ حال سے کیا دوچار'
ختم لیکن مناقشت اب ہو' بند بہتاں تراشیاں باہم
بسکہ پہلے ٹھہر چکے کافی ہم کہیں اور موردِ الزام'
سعیٔ پیہم ہمیں یہ لازم ہے ڈوب کر پیار کے قرینوں میں
اپنے اپنے غموں کے حصہ کا بار اک دوسرے سے کم کر دیں--
محو ہو جائے تلخیٔ ایام۔
ہم ہیں مستوجبِ اجل' فوری سانحہ یہ نہ رونما ہو گا'
میری دانست میں یہ ست آفت اس تمنائے جاں گسل میں ہے
کہ مریں ہم رگڑ رگڑ کر ہی ایڑیاں اس پہاڑ سے دن میں'
تا اضافہ ہمارے کرب میں ہو' کرب پھر جو نژاد اخذ کرے'
(ہائے اپنی نژادِ سوختہ بخت)۔" ڈھارس اب کچھ بندھی تو یوں حوا:۔

"آدم اس تلخ تجربے کے بعد اب یہ افشا ہوا ترے نزدیک
میری باتیں مغالطہ انگیز قابلِ اعتنا مزید نہیں'
واقعہ تلخ جو ابھی گذرا ثابت اس سے کہ واژگون بھی ہیں۔
تاہم اب ولدہی جو کی تو نے' میں فقیرِ حقیر پُر تقصیر
معتبر ہو گئی ہوں' ۔۔۔۔۔اور مقبول!
آس ہے جیت لوں گی پیار ترا' دھیرج اب میرے من کی یہ کیول (صرف)
جیتے جی اور مرتے مرتے بھی۔
نہ چھپاؤں گی تجھ سے جو آئے دھیان میرے اشانت سینے میں'
کہ شدائد میں کچھ افاقہ ہو یا وہ ہو جائیں کلیتہ "معدوم۔
گرچہ دلدوز ہے یہ پابندی' ان مصائب کے سامنے تاہم
نسبتاً" پھر بھی قابلِ برداشت ۔۔۔اور آساں جو اختیار کروں۔
نسل کی فکر میں بجا ہلکان کہ مصیبت میں وہ جنم لے گی' ملک الموت اسے نگل لے گا۔
(موجبِ رنج ہے اگر کوئی دوسروں کے لئے ہو رنجیدہ'
اپنی ہی پشت کے جنے اپنے وائے دنیائے دوں میں ہم لائیں'
ایک نسلِ الم نصیبہ جو دن اجیرن بِتا کے جیون میں
ایسے دیوِ غلیظ کا آخر لقمۂ بے دریغ بن جائے۔)
ہے ترے بس میں حمل سے پہلے روک ڈالے نژادِ پر افشار'
ہو نہ پیدا کہ جو ہے ناپیدا' لاولد ہے جو لاولد اچھا'
ملک الموت کا ندیدہ پن اس طرح صاف کھائے گا غچا'
کال مارے پھرا وجھ کو اس کے ہم پہ کرنا پڑے فقط گذران
تھور لے شوق سے وہ ہم دو کو!

گو یہ تجھ پر بڑا گراں گزرے ایسے ہیجان خیز عالم میں۔۔۔
ہم سخن پاس پاس بیٹھے ہیں' دیدہ بازی ہے' عشق سازی ہے۔۔
کر سکے ضبط اس محبت کا اک جنوں مند جو تقاضا ہے'
اس محبت کے وہ بجا آداب۔۔۔ لطف انگیز از دواجانہ
مست ہم خوابیاں۔۔۔۔ کنار و بوس' تند خواہش کی آگ میں گھلنا۔
شے جو حاضر ہے سامنے (حوا) خواہشِ ہم چنیں کی شدت سے آپ بھی گھل رہی ہو مل جل کے۔
کم نہیں اس سے یہ اذیت بھی اس قدر جس سے ہم ہیں ترسیدہ
تو یہ حیلہ کریں کہ ہم خود آپ اور اپنی نژاد' دونوں کو
جھٹ دلائیں نجات اس غم سے' جان کا جانبین کی آزار'
سارا قصہ ہی مختصر کر دیں' ملک الموت کو چلو ڈھونڈیں
نہ ملے' کارِ منصبی اس کا اپنے ہاتھوں ہم آپ ادا کر دیں'
کام اپنا تمام خود کر لیں۔
کیوں یہ اندیشہ ہائے دور دراز' کیوں ستادہ یہ لرزہ بر اندام'
کیسی بے چارگی سجھائی دے ماسوائے اجل نہ کچھ انجام'
ہم ہیں مرنے کے سو طرح خود اہل' جھٹ جو قضیہ چکائے ہے صمصام'
حربۂ کارگر۔۔۔ فنا ہی کو ہم بدستِ فنا فنا کر دیں۔۔"
رک گئیں' یا نہ رکھ سکیں جاری بات آگے وفورِ حرماں سے
مرگ طاری حواس پر ایسی' عارضوں پر کھنڈی نری زردی'
لیکن آدم کے پائے ہمت میں تھی نہ لغزش صلاح کاری سے'
ذہن بیدار امید افزا تھا' اس طرح پس جواب حوا کو:۔
"راحت و زیست کا یہ استخفاف ہے دلیلِ سوا مگر حوّا

اس جمیل و عظیم کی تجھ میں ذہن جس کو خفیف کرتا ہے۔
یہ تمنائے خود کشی تیری کر رہی ہے جمالِ فکر جو رد'
ثابت اس سے کہاں ہے استخفاف' بلکہ نقصانِ راحت و جاں پر
فرطِ کرب و ملال ہے' جن کو تو فراواں عزیز رکھتی ہے۔
یا تجھے گر طلب اجل کی ہے کہ یہی دکھ کی ہے دوا حتمی
اور ہے یہ خیال بچ نکلیں اسطرح' جس سزا کا اذن ہوا
تو یہ اک واہمہ ہے'۔۔ یزداں نے غضبِ انتقام لیس کیا
ہوش مندانہ اس نمط اس کی پیش بندی محال ہے یکسر'
بیشتر ہے مجھے یہ اندیشہ کہ مبادا اجل سے محرومی
کرب سے دے نہ رستگاری جو تن بہ تقدیر ہم کو سہنا ہے۔
اس تمرّد پہ تو تعال اللہ' عین ممکن ہے مشتعل ہو کر
متمکن کرے اجل ہم میں۔۔۔ پس یہ لازم ہے ہم کوئی محفوظ
روشِ کار اختیار کریں۔۔۔ جو مرے دھیان میں کچھ آتی ہے۔۔
یاد کر زور ذہن پر دے کر فیصلہ کی وہ شق کہ جس رو سے
سر کچلنا ہے ظالم افعی کا تیری اولاد نے' نرالی بات'
کیوں مکافات سے نہ مطلب لیں اہرمن' وہ عدوئے جاں اپنا
ماروش' جس نے جُل دیا ہم کو۔
سر کچل ڈالیں ایسے موذی کا' شعلۂ انتقام سرد پڑے'
فوت ہو جائیگا یہ مقصد گر موت کو خود گلے لگائیں ہم۔
دوسری بات میں بھی گھاٹا ہے' سعی سے ہم رہے جو اوت نپوت
تو عقوبت سے' جو ہے اجر اس کا' صاف بچ جائے گا غنیم اپنا'

سر پر اپنے پڑے گی یہ دوگان۔
چھوڑ یہ خود اذیتی کا ذکر۔۔۔ ضبطِ تولید و عزلِ دانستہ
منقطع جس سے رشتۂ امید۔۔۔ مترشح ہو صرف خود بینی،
ناشکیبائی، ضد و کد، پرخاش روکشی، انحراف یزداں سے،
ضیق اس طوقِ بندگی سے جو گردنوں میں پڑا ہے ٹھیک اپنی
یاد کردہ مقدمہ اپنا۔۔۔ اور شنوائی خندہ رویانہ
خشم و غصہ، نہ طعنہ و تشنیع،۔۔۔ تھا یہ دھڑکا ابھی فناہوں گے،
جھٹ، اسی دن اجل اچک لے گی۔ دیکھ لیکن بطورِ اجر تجھے
دی خبر بھی اگر تو پیشگی بس درد کی حمل و وضعِ حمل میں دی۔
بالعوض بیکراں مسرت پھر،۔۔۔ گود جس دم تری ہری ہوگی۔
بددعادی مجھے زمیں سے میں رزق پیدا کروں مشقت سے
خوں پسینہ ہو اک، کمر دوہری، حرج کیا ہے، قباحت اس میں کیا،
کہ تھی لعنت مجھے یہ بیکاری۔۔۔ کام سے جسم میں توانائی،
کہ نہ محسوس ہو کوئی تکلیف ہو کڑی دھوپ یا کڑا جاڑا،
بے طلب، کندہ ناتراشوں کو ترحّمانہ بدستِ خویش کیا
روبکاری کے وقت حلّہ پوش۔
گڑگڑائیں اگر حضور اس کے، وہ سنے گا سمیع ایسا ہے،
ہوگا آموزگار شفقت سے خود کو ہم کس طرح کریں محفوظ
موسموں کی دراز دستی میں برف و باران و ژالہ باری سے؟
کس طرح دورِ چرخِ گرداں سے، چرخ، دیکھ اب پہاڑ پر ہم کو
جو دکھانے لگا ہے رنگ اپنے۔

تیز چلتی ہیں نم ہوائیں بھی، غل مچاتیں، بکھیرتیں زلفیں ان تناور حسیں درختوں کی۔
یہ ہدایت ہمیں ملی ان سے
اوڑھے جامۂ دبیز ایسا گرم ہو کر کھلیں یہ شل اعضا'
پیشتر زاں وہ کوکبِ روزی کپکپی شب پہ پھینک کر چل دے۔
یا شعاعوں کی اس تمازت سے مادّے نے جو اخذ کر لی ہیں
ہم سکھایا کریں بدن' تاپیں۔
یا تصادم دبائے باد کو یوں دو مجسم دبیز چیزوں کا
آگ پیدا رگڑ سے ہو جائے۔
تند جھکڑ سے تھی ابھی جیسے بادلوں میں شدید دھکم پیل
برق کی رونے جل کے پھینک دیا نیچے اپنا اریبواں شعلہ
اور سرووں صنوبروں کی چھال چپچپی آگ سے بھڑک اٹھی'
دور سے سینک خوب لگتا ہے' ہو گئی دھوپ کی کمی پوری'
ڈھنگ بتلائے آگ کو برتیں'
سو مداوے بجھائے اور بھی یہ اپنے ہاتھوں جو آفتیں آئیں۔
گڑگڑائیں اگر حضور اس کے' بھیک فضل و کرم کی گر مانگیں۔۔
کوئی اندیشہ وسوسہ دھڑکا نہ خلش پھر رہے کبھی جی کو
جھولی داتا کی دین سے بھر جائے۔۔۔ زیست آرام سے گذر جائے
یاں تلک خاک میں ملیں مٹ کر' جو وطن آخری ٹھکانہ ہے'
ماسوا اور کچھ نہیں چارا' روبکاری جہاں ہوئی' چل دیں
منہ کے بل روبرو خلوص سے ہم گر پڑیں' گڑگڑائیں عجزانہ
سب خطاؤں کا اعتراف کریں۔

ہم دعا مغفرت کی یوں مانگیں کہ زمین آنسوؤں سے بھیگ رہے۔
آہ و زاری دلِ پشیماں کی مظہرِ سوزِ واقعی یوں ہو
کہ فضا تھرتھرائے گونج اٹھے۔
برہمانہ جو دست کش ہے وہ ہم پہ دست کرم دراز کرے
اور وہ چشمِ خشم دوبارہ
فرطِ الطاف و مہربانی سے جلوہ آرائے خوشنما ہو جائے!"
اس طرح تھے ابوبشر نادم، کم پشیماں نہیں تھیں حوا بھی
جھٹ روانہ ہوئے ادھر پیشی جس جگہ پر بھگت کے آئے تھے،
منہ کے بل روبرو بہ صدقِ دل گر پڑے، گڑگڑا کے عجزانہ
سب خفاؤں کا اعتراف کیا اور دعا مغفرت کی یوں مانگی
کہ زمین آنسوؤں سے بھیگ رہی۔
آہ و زاری دلِ پشیماں کی مظہرِ سوزِ واقعی ایسی
کہ فضا تھرتھرائی گونج اٹھی۔

فرہنگ

۴۰۳ (۱۱) قمرغہ = قمرگاہ، شکارگاہ کا نرغہ یا حصار
۴۰۸ (۹) رصف۔ پتھروں کا بنا ہوا رستہ
۴۱۶ (۵) ناشتا = ناآشنا
ناشتا = بے ناشتہ، بھوکا
۴۱۶ (۱۲) کترگنی = کوترگو منی، باپ کے ساتھ حرامکاری کرنے والی
۴۲۸ (۲۰) قصیری۔ سب سے نچلی پسلی، قصیرہ لکھیں تو بونی عورت

دفتر یازدهم

تلخیص

روح اللہ نے حضور یزداں ہمارے والدینِ پیشین کی دعائیں گزارنیں، پشیمانی اور الحاح کی انتہائی کیفیت عرض کی۔ بارگاہ ایزدی میں شفاعت قبول ہوئی۔

تاہم فردوس سے حکم سفر ہوا اور میکائل کو چند دیگر کروبئین کی ہمراہی میں اس کام کی بجا آوری پر مامور کیا گیا۔ فرشتوں کا یہ گروہ نیچے اترا' آدم اور حوا نے اس موقع پر عجیب عجیب شگون دیکھے۔ میکائیل اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ ٹھہرا کر ان کے پاس پہنچا اور جلاوطنی کا حکم نامہ دیا۔ حوا نے بین کیا اور آدم نے بڑی منت وزاری کی ---- لیکن لاحاصل، تعمیل کئے بن چارا نہ تھا۔

لیکن اخراج سے پہلے ان پر آئندہ پیش آنے والے اہم واقعات کا انکشاف کیا گیا۔ میکائیل نے ایک پہاڑ پر سے طوفان نوح تک کے تمام حالات کا نظارہ کرایا۔۔

منظر بہ منظر زمانہ بہ زمانہ۔

تھے زبون و زیاں زدہ، تائب ایستادہ دعا گذارندہ،
کیوں کہ ان کے دلوں کی خارائی کر گئی تھی رقیق اور گداز
ہو گئی توبہ مستجاب اوپر، کرسئ عفو سے فرود آکر
رحمتِ بے حساب نے ان کے گوشت کے نیچے نرم تہ منڈھ دی۔
پر پرواز سوئے عرش سریع اسقدر ناشنید آہوں کا
باہمہ شورِ سحر انگیزی
کوئی انداز بھی خطابت کا گردان کی نہ پا سکے ہرگز،
کچھ نہ انداز تھا فرومایہ داد خواہانِ زار سا ان کا
تھی نہیں ---- بادی النظر میں جو اس اہم عرضداشت سے کم تر
داستاں پاستان کے زوجین ---- تاہم ان سے جو تھے نہ دیرینہ --
داکلون و عفیفہ پری ھا ---- (داکلوں نوح پر یہا ان کی اہلیہ مذہبی کلاسک میں)
پیش کرتے تھے عجز مندی سے روضۂ طمس پر کہ ہوا حیا
کاش، غرقاب نسلِ آدم کا ---- (طمس یوناں میں عدل کی دیوی)۔
سوئے جنت دعائیں پراں ہیں زور ماریں شریر پروائیں
---- ان کو گمراہ و مضمحل کر دیں لے چلیں سوئے جنت الحمقا ----
یہ مگر راہ پر روانہ ٹھیک غیر ابعاد عرش پر پہنچیں
صد بخورات میں بسیں، واں تھے معبدِ زر نگار عطر افشاں،
ہوئیں فیضِ شفیع اکبر سے کرسئ رب کے روبرو حاضر۔
روح اللہ نے خوش دلی سے انہیں اس شفاعت کے ساتھ پیش کیا:
"دیکھ اے ربِّ ذوالجلال کہ یہ ثمرِ اولینِ ارض ہیں، جو
تری رحمت کی تخم ریزی سے قلبِ انساں سے پھوٹ نکلے ہیں۔

التجائیں، دعائیں، فریادیں، جو طلاکار عود دانوں کی
دھونیوں میں رچی بسی لے کر، میں پروہت ترا پدھارا ہوں
بھینٹ کرنے پوتّر آسن پر۔
پھل مفرّح سوا شمیم، ترے تخمِ پاکیزہ سے کیا تھا کاشت
جو ابھی اس کے منفعل دل میں۔۔۔ کہ نہ اس نوع کے بہم ہوتے
سارے فردوس کے درختوں پر
ہاتھ سے اپنے کھاد اگر دیتا جب تھا معصوم ابھی وہ۔۔۔ قبلِ ہبوط۔۔
کان دھراب ذرا تضرع پر چپ کی فریاد سن، خموش آہیں۔۔۔
اصطلاحات سے صلوٰۃ کی وہ نابلد بھی ہے۔۔۔ اسلئے مسموع
مجھ سے مافی ضمیر اس کا ہو، میں کروں پیش۔۔۔ ہوں وکیل اس کا۔
سر مرے جملہ کردنی اس کی، خیر یا خیرِ خیرِ بے پیوند
وصف سے میرے پائے گی تکمیل۔
عوضی میں بھروں گا میں تاوان، جی سے جاؤں گا، کر قبول مجھے،
تو برائے بشر ضمانتِ امن کر مری ذات میں وصول ان سے،
ناخوشی چھوڑ ان سے راضی ہو،
دن جو تخمینہ لگ چکے اس کے زندہ رہنے دے کم سے کم جب تک۔
ہے ملول و حزیں، پہ رہنے دے تا اجل، اس کا امرِ تقدیری
(جس میں تخفیف کی وکالت ہے، ہو نہ بے شک معاملہ واپس)
زندگی خوشگوار اسے بخشے جس جگہ وہ رہے مرے ہمراہ
میرے صدقے، عوض بہ کفارہ عالمِ فرحت و سعادت میں
یک تن و جاں۔ بمن مکمل، میں جس طرح تیری ذات میں ضم ہوں+"

بے حجابانہ ان سے ربِّ متین:۔

"حقِ انساں میں اے عزیز مجھے ہے تری عرضداشت کُل منظور'
جان لے عرضداشت کل تیری در حقیقت مری مشیت ہے۔
لیکن از روئے قاعدہ' تفویض جو کہ فطرت کو ہو چکا' ہے محال
اس کا فردوس میں مزید قیام۔
وہ مصفّٰی عناصرِ جاوید جن میں شمّہ نہیں کثافت کا'
نہ ہی بے میل فاسد آمیزش' دست بردار اس ملوث سے
مصر اخراج پر ہیں اس بد کے' یہ کثیف اب کثیف باد کے ساتھ'
اور غذا جاں ستان ۔۔۔۔ جو اس کو ختم و تحلیل بے دریغ کرے۔۔
شاخسانہ گناہ کا اس کے۔
یہ وہ ذاتِ شریف پہلی ہے جس نے ہر چیز میں خرابی سے
کی ہے آلودہ غیر آلودہ۔۔۔
میں نے اول جب آفرید کیا تو نوازا اسے کریمانہ
بخش کر خوشگوار دو انعام۔۔۔ جاوداں شادماں' دوام آرام'
دے دیئے ہاتھ سے تغافل میں۔۔۔ شادمانی و جاودانی تو'
جبکہ اس دوسری کا یہ مصرف کلفت و درد کو ثبات ملے۔
میں نے پس اہتمام مرگ کیا'۔۔۔ مرگ جو آخری مداوا ہے۔
جاں گسل سوزش و مشقت کی آسیائے حیات میں پس کر
گل خنِ دین و دین داری میں جملہ آلائشوں سے نتھرائے'
جاگ اٹھے حیات ثانی میں یہ مناسب درستگی کے ساتھ
اور اصلاح مند' احیا سے پھر حوالے سما و ارض کے ہو۔

ندوۂ صالحینِ عرشی کا لیکن اجلاس ہم بلاتے ہیں'
سب وہ پہنائیوں سے حاضر ہوں کہ نہ منشاؤں سے رکھوں لاعلم
میں انہیں یہ کروں بیاں کیسا آدمی سے سلوک کرتا ہوں۔
حشر جیسے غلط فرشتوں کا پہلے ان کی نظر سے گزرا ہے
گوچہ کردار میں تھے مستحکم باعث اس کے وہ محکم اور ہوئے۔"
وہ ہوا چپ تو روح اللہ نے اک اشارہ بلند فرمایا
پاسبانِ اتابکِ ضو نے جس پہ قرنا بزور پھونک دیا'
گونج اٹھی ساری وادیٔ ایمن۔۔
بارِ دیگر سماں بندھا گویا پھر خداوند نے نزول کیا'
بارِ دیگر سماں بندھے گا یوں جب غلِ رستخیز اٹھے گا۔۔
دعوتِ پُر جلال پر لبیک کہہ کر ابنائے نور تب نکلے
دیسمی جھرمٹوں کے اوٹے سے حوضِ آبِ بقا کے پیچھے سے'
برگ پوش استقفی کے نیچے سے ۔۔۔ تھے جہاں بھی وہ انجمن آرا'
متمکن ہوئے نشستوں پر سب کے سب وہ بڑے ادب کے ساتھ۔
ربِّ قادر نے یوں کیا اعلان خسروانہ رضائے ذاتی کا:
"جس طرح ہو قبیلِ عرشی سے' اے سپو تو ہوا ہے یوں مانوس
آدمی خیر و شر بہ ہر دو سے نوش جاں کر کے فاکہہ محروس'
کچھ مباہات بھی سہی لیکن زائل اس سے شعورِ خیر ہوا'
شر نصیب اس کا' شاد تر ہوتا وہ اگر صرف اکتفا کرتا
خیر کی اصل آگہی پر ہی ۔۔۔۔ شر سے بالکل ہی اجنبی رہتا۔
کفِ افسوس اب وہ ملتا ہے' سجدۂ سہو میں ہے' نادم ہے
جس قدر ہے اسے مرا ایما۔۔ یہ فزوں جس قدر اثر انداز

میں فزوں اس قدر ہوں دل آگاہ
کہ وہ نگرانِ خویش کتنا ہے، متلون و خودنما کیسا؟
شجر الخلد پر مبادا پھر جا پڑے اس کا دستِ گستاخ۔۔۔ اور
وہ ثمر چش ہو جاودانی یا خواب لینے لگے ہوا جاوید۔
حکم یہ ہے نکال دو اس کو، خالی اس سے کرو سرا بستاں
ہو اسی خاک میں وہ قلبہ راں جس سے اس کا خمیر اٹھا ہے،
تیرے ذمے یہ فرض میکائیل، ان فرشتوں سے منتخب کر لے
تو شجاعانِ تند شعلہ شعار۔۔
کہ مبادا بہ خاطر انساں چھوڑے ابلیس اک نیا شوشہ
یا ہو وہ ہلہ زن بسانِ دیو غاصبانہ بہ خانۂ خالی!
پس لپک، پویہ، پاپی جوڑے کو باغِ رضوان سے دھکیل بروں۔
حق میں ان کے یہ حکم صادر ہے
کہ سمیت آل کے بہ استمرار اس جگہ سے جلاوطن ہو جائیں۔
تاہم ایسا نہ ہو کہ غش کھائیں عائدان پر جو ہو سزا سنگین،
کیونکہ دل پڑ چکے رقیق بہت اشک باری و آہ زاری سے،
پس نہ دہشت زدہ انہیں کیجو۔
گر کہا مان لیں ترا چپ چاپ، کیجو رخصت نہ پھر ملول انہیں،
کیجو آدم پہ سب عیاں ہو گا عہدِ فردا میں جو وقوع پذیر،
تجھ پہ میں جو کروں عیاں احوال۔
میرا تجدید یاب منشا بھی خلیۂ زن میں خلط کر دیجو۔
رنج خوردہ سہی، روانہ کرواں سے ان کو ملائمت کے ساتھ،

بحفاظت سلامتی سے نکال ۔۔۔۔ جانبِ مشرقِ سرابستاں ،
فوق ہے داخلہ عدن سے سہل ۔۔۔ متعین ملائکہ کرواں
لیس شعلہ فشاں تیغوں سے'
رہیں چوکس نہ پھر پلٹ آئیں شجر الخلد کے ہراس زدہ۔
رکھ کڑی راستہ پہ نگرانی' باغِ فردوس میں خبیث ابلیس
اپنے چیلوں کے ساتھ آن گھسے' واں اجاڑے مرے تمام اشجار
اور بچلائے ابن آدم کو ان کے مسروقہ پھل سے دیگر بار!"
اس نے کی بات ختم ۔۔۔ القوہ۔ وہ ملک الملائکہ ہشیار
لے کے ہمراہ کروبِ نورانی عاجلانہ نزول کرتا ہے'
چاق چوبند ایک ایک سروش ۔۔۔۔ دو ہرے دو مونہے دیو جانس سے۔۔
منشکل چہار چہران کے رخ پہ آنکھیں مقیش سی چسپاں
مثل چشمانِ آرگس لیکن متعدد شمار میں بے حد ،
(حکم جو نو پہ آرگس آئیو حور کا پاسباں مقرر تھا)
یہ غنودہ نہ تھے' فزوں اس سے چار بانگ آرگس تو دیو تا دوُت (چوکنا)
ہرمس (ابنِ زیوس و مائیو) کی اگدی گورسال بنسی یا خواب آور چھڑی سے بے سدھ تھا۔
اسی دوران پاک اجالے سے جگ کو پر نام کرنے پھر اوشا
جاگ اٹھی مارتی ہوئی چھپکے تازہ اوسوں سے مکھ کی دھرتی پر۔
ہوئے بیدارِ خوابِ بے خوابی آدم و جدّہ امجدہ حوا'
ورد جب کر چکے مناجاتیں' تقویت آئی' یاس سے ابھری نئی امید خوف آمیزہ ،
خوش تمنا انہوں نے حوا سے کی یہ تجدیدِ گفتگو:۔ "لاریب
ہے یہ حق الیقین اترتی ہیں کل نعم عرش ہی سے ہم ایسے متمتع فراواں جن سے ہیں۔

اس لئے عرش پر چڑھائیں ہم صدق پروردہ و سعید تریں
نذر مرغوبِ ذہنِ یزدانی کہ میسر ہو اس کی خوشنودی۔
ماورائے یقیں لگے شاید اس دعا سے مگر یہ ممکن ہے'
دمِ آدم کی مختصر سی آہ ہو رساعین کرسئ رب تک'
جب سے کوشیدہ ہوں کروں راضی میں دعا سے خدائے برہم کو'
جب سے دل رکھ دیا ہے یہ اپنا اس کے قدموں پہ ہو کے دو زانو'
دھیان آتا ہے مہرباں' خوشنود وہ ادھر کان ہے لگائے ہوئے'
جس سے یہ اعتبار ہوتا ہے ہوئی شنوائی التفات کے ساتھ'
چین سینہ میں گھر کو لوٹ آیا' یاد آیا مجھے بچن اس کا
خصم کو تیری آل کچلے گی۔۔
یاد ہی فرطِ یاس میں نہ رہا جو مگر اب یقین افزا ہے'
تلخئ مرگ قصۂ ماضی ہم رہیں گے بفضلہٖ زندہ'
مادرِ نسلِ آدمی حوا۔۔۔۔ ہے سزاوار یہ لقب تجھ کو'
مرحبا' امِ ذی حیاتِ جمیع'
فیض سے تیرے آدمی زندہ' زندہ ہے بہرِ آدمی ہر شے +"
چہرہ غمگین و سرنگوں حوا ان کی خدمت میں اس طرح معروض:۔
"میں بڑی غیر مستحق بندی' مجھ خطا کار کا لقب یہ ہو'
تقویت کو بنی تھی تقدیرا" میں ترے واسطے۔۔۔ اسیر ہوئی
ہائے دامِ فریب میں کیسی۔۔۔ کو سیئے قابلِ مذمت ہوں'
چاہیئے مجھ سے بدگمانی اور۔۔۔ جاؤں قربان عدل گستر کا
دامنِ عفو بے کراں نکلا' میں کہ ہوں اولیں اجل آور

سب کے حق میں 'نوازشانہ یوں بن گئی زندگی کا سرچشمہ۔
اس قدر مہربان پھر تو بھی' مرحمت از رہِ کرم بخشی
یہ لقب تو کرے ۔۔۔ باآں حالے میں تو حق دار تھی کہ نام دھرے۔
کشت کاوش کشِ کشاورزی' بیج چل بوئیے پسینہ کے۔
رات گو بے قرار گزری ہے' دیکھ تو صبح بے نیازانہ
استراحت سے بے غرض اپنی خندہ زن گل فشاں روانہ ہے۔
آؤ باہر چلیں ۔۔۔ نہ میں ہرگز تیرے پہلو سے اب جدا ہوں گی'
کام دن بھر جہاں پہ کرنا ہے' بن گیا ہے جواب کٹھن ۔۔۔ وہ کام
دن ڈھلے تک چلو کہ نمٹالیں ۔۔۔ جب تلک اس جگہ ٹھکانہ ہے'
ان سہانی فضاؤں میں' آخر کیا صعوبت گران گزرے گی؟
بس یہاں پر' خراب حال سہی' چاہیئے صبر و شکر سے رہیئے۔"
یوں نگوں سار و مضطرب حوا کس تمنا سے تھیں سخن پرداز۔
تھا مقدر کو اور کچھ منظور ۔۔ ہوئی فطرت شگوں نما اول متاثر ہوئے درند پرند'
پھر فضا بجھ گئی' ہوئی چندے صبحِ لعلیں دمید اور رہوئے
منہدم چار بالشی ارکان (سردی گرمی رطوبت و خشکی)!
کھل رہا ہے نگاہِ حوا پر ایک منظر ۔۔۔۔ کنام سے جھپٹا (عقاب کا نشیمن)
جوو کا شاہبازِ زر جیغہ' جو میں ریلتا مولے دو۔
پہلوئے کوہ سے فرود اترا' جس درندے کی ہے عملداری
جنگلوں میں ۔۔۔۔۔ نخست صید افگن سارے بن ور شیوں میں دہشت سے'
وہ چلا دور تک تعاقب میں بابِ شرقی کی سمت سیدھے رخ
بھولا من موہنا رم کناں جوڑا ۔۔ آگے آگے غزالہ اور غزال'

اس نظارے کے پیچھے آدم کی آنکھ جولان ساتھ ساتھ گئی۔
---یوں گلوگیر تب وہ حوا سے:۔

"آفتِ نو قریب ہے حوا ان علامات گنگ کو تو دیکھ
فلکِ پیر جن کا عکس نما صاف فطرت کے آئینے میں ہے۔
اس کے یا پیش آشکارِ قصد یا خبردار کر چلے یہ ہمیں۔
اتفاقاً "عذاب سے مامون' کہ سرِدست تو نہیں اطلاق'
چند روزہ اجل سے مہلت ہے۔
اور تاکے یہ زیست' کیا معلوم شمع کس رنگ میں جلے تا صبح'
ہو سیہ پوش شعلہ' ہم لوٹیں خاک میں اور خاک ہو جائیں'
خاک میں خاک مدغم و معدوم؟
کیوں دوگونہ مظاہرہ ورنہ یہ تگ و تازِ ترکتازی کا
سامنے بیشہ و فضا میں ہو ایک ساعت میں اک وطیرے سے؟
دوپہر دور ہے ابھی' لیکن کیوں اندھیرے میں شرق ڈوب گیا'
پار خاور میں کیوں ضیائے سحر آئی ہے زد میں ابر مغرب کی؟
کون مملو امورِ عرشی سے نور یضائے خیرگی انگیز
چرخِ نیلوفری پہ حاوی سا رفتہ رفتہ فرود آتا ہے؟"

اور ان کو مغالطہ نہ ہوا آئے فردوس میں فرود اس وقت
فلکِ لیسپ نور افشاں سے یا مجی یا مجیک قدسی کرُد--- (ف)
اک جبل پر وہ رک گئے' اعلیٰ اک خیالہ' نہ چشم آدم گر (سایہ)
ریب یا خوف جاں سے دھندلاتی۔
الملائک نہ شاں نشاں ایسے در مجانم ملاقیٰ یعقوب

سرِ میداں جہاں پہ خیمہ زن چاق و چوبند پاسباں اپنے
آپ نے تھے ملاحظہ فرمائے۔
شعلہ زن کوہ پر دسن پریوں آتشیں چھاؤنی نہ چھائی تھی
جب نبرد آزما خلاف ہوا شام کے حکمراں کے خوں آشام
بے خبر ایک شخص (الیشہ) کو تاکہ بے اطلاعِ جنگ آلے۔
(معجزانہ مگر جو بچ نکلا)۔
چھوڑ جم جاہ پیشواواں پر اپنے شش منزلت فرشتوں کو
کہ وہ قبضہ کریں سرابستاں، آپ تنہا تلاشِ آدم میں،
تھے جہاں وہ پناہ گیر، چلا۔۔۔۔ جب یہ ان سے رہا نہیں او جھل
تو مخاطب ہوئے وہ حوا سے:۔ "دیکھ نو واردِ عظیم آتا،
کر توقع پہنچنے والی ہے اک نبائے عجیب اے حوا، (خبر)
اپنا چکتا معاملہ سمجھو، یا کہ ہو گا نزولِ شرعِ نو،
ہے جہاں وہ سحابِ شعلہ خوا الجبل پر نقاب ا گلندہ
ہے نمودار فوجِ سرمد کا ایک بانکا بعید سے، چھب ڈھب
چال ڈھال آن بان میں بے کاست۔
کوئی گردوں جناب خاقاں ہے یا سروشانِ سہ مراتب کا
وہ نمائندہ، آمد آمد میں حاملِ صد شکوہ ایسا ہے۔
تاہم اس طور بھی درشت نہیں دیکھ کر سہم جایئے جس کو،
نہ ملائم مزاج و مجلس باز کہ رفاعل کی مثل اس سے ہوں
بے تکلف، وہ بلکہ سنجیدہ، بردبار اک ذرا نہ برہم گو۔
گرمجوشی سے خیر مقدم کو جاؤں میں اور تو مناسب ہے

اے مری جاں درونِ خانہ چل۔"
بات کی ہی تھی ختم، آپہنچا پاس سلطاں سروش بھی۔۔ لیکن
تھا نہ اس کا وہ سرمدی حلیہ،
تھی ملاقاتِ آدمی منظور، اوڑھ رکھی تھی آدمی کی شکل۔
صاف شفاف بازوؤں پہ رواں ارغواں عسکرانہ اک پلو
قرمزی گون میلی بویہ سے شوخ تر، (تھسلیہ میں یہ مرکز صنعتِ رنگِ ارغوانی کا)۔
سامنے شہر صور کا کیمخت ہیچ تھا، صلحِ عارضی میں قدیم (سیاہ چمڑا)
یل و سلطاں جو زیب تن کرتے ۔۔۔۔ تار (وپود) آئرس (دھنک دیوی)
رنگ کر آپ لائی ہو جیسے ۔۔۔ کوکبی پر تلہ کے بند کشاد
صاف غمازِ عہدِ عمر کہ جب ختم ہو ہمہمی جوانی کی۔
اصل عاجِ منیر کی یوں تھی تیغ پہلو میں ایک آویزاں
اہرمن دیکھ لے تو تھرائے، ہاتھ میں ایک تیز برچھا تھا۔
جھک کر آدم نے عرض کی تسلیم، یک سرِ مونہ انحراف کیا
عالمِ طمطراق سے اس نے بلکہ غایت بتائی آمد کی:۔
"آدم احکامِ اکبر افلاکی شرح و تمہید کے نہیں محتاج
بس ترے واسطے یہ کافی ہے کہ دعا تیری مستجاب ہوئی،
برملا اس عدول حکمی پر تجھ پہ نازل اجل جو ہونا تھی،
بے مرامِ شکار ہے، تجھ کو مل گئے یہ بھلے سے کچھ ایام
ایک مہلت برائے استغفار ۔۔۔ تب وہ مولا کریم، ممکن ہے
ہو کے خوشنود اجل کے جبرستاں سخت دعویٰ سے مخلصی دے دے۔
پر تری وہ مزید اقامت کا باغِ فردوس میں مجاز نہیں۔
ہوں میں وارد تجھے وداع کروں، چمنِ پُر بہار سے رخصت

کارو کشت اب وہاں پہ کرجا کے تو اٹھا جس زمیں کی مٹی سے ۔"
نہ کہا اور کچھ مگر آدم اس خبر سے تو مضمحل ایسے'
دل زدہ' سن شکنجۂ غم میں' مختل ان کے حواس و ہوش ہوئے۔
پسِ پردہ اگرچہ تھیں حوا' سن کے یہ ماجرا نڈھال ہوئیں'
زود تر منکشف ہوا ان پر جو بسانا مقامِ نو ہو گا+
لب پہ فریادِ گوش رس جاری':۔
"ضربِ تقدیرِ ناگہانی ہائے بدتر از موت' کیا تجھے فردوس
اب ضرور الوداع کہنا ہے۔۔۔ ہائے بن باس اے جنم بھومی!
خوش نما سایہ و خیاباں سب' یہ ٹھکانہ خداؤں کے شایان'
تھی امید' انتہا ملول سہی' یاں گزاروں گی وقفۂ آں روز
جو ہلاکت فزا ہمیں ہو گا۔
پھول کلیو نمو تمہاری تو ہو نہ آب و ہوائے دیگر میں
منہ اندھیرے طواف تھا میرا' اور گل گشت و سیر شام ڈھلے'
نرم ہاتھوں سے سینچنا یوں تھا کومل اول کلی کلی پھوٹے'
نام دینے حسیں حسیں تم کو۔۔ شوق سے اب کریگا یوں کارید
اور یوں کون نوع آرائی' کون تسنیم سے تمہیں سیراب؟
الفراق آخرائے شبستاں' ہائے اے مرے حجلۂ عروسانہ'
تیری آرائشیں ہمیشہ کیں ہر مشام و نظر کی جنت سے'
تجھ سے میں کس طرح جدا ہوں گی؟
کس جگہ اس جہانِ اسفل میں دربدر میں پھروں گی سرگشتہ
کس طرح اس ہوا میں دم لیں گے جو نظیف و لطیف بھی کم ہو'

ثمر جاوداں کے ہم عادی؟"
نرم لہجے میں ٹوک کر ان سے یوں فرشتہ۔۔ "فغاں نہیں حوا'
بلکہ برداشت کر تحمل سے کہ زیاں ناروا نہیں تیرا'
نہ ہی دیوانہ وار کر خواہش جو حقیقت میں شے نہیں تیری'
پھر یہ اذنِ سفر نہیں تنہا' بلکہ تیرے شریک شوہر ہے
جس کی لازم ہے پیروی کرنا'
وہ جہاں بھی بنائے گھر اپنا جان اپنی وہی جنم بھومی+"
ہو گئے تھے اچانک آدم سن' جان کچھ ہاتھ پاؤں میں آئی'
ہوئے اوسان جب بجا' گویا انکسارانہ میکائیل سے یوں۔
"خواہ سہ منزلت سروش ہے تو الملا الْعلائے نامی ہے
شکل سے ہے شہِ شہنشاہاں' مشفقانہ ہے یہ پیامبری
ورنہ اظہارِ برملا سے دل سخت مجروح کر بھی سکتا تھا۔۔
۔۔۔ کیا ہے خمیازۂ غلط کوشی ماسوائے ملال و نومیدی؟
ہائے وحشت اثر خبر تیری' ہجرت اس خوش دیار سے ہوگی'
پر سکوں کنجِ عافیت خانہ!
ایک ٹھنڈک یہی بقایا تھی اپنی آنکھوں کے واسطے مانوس'
سب مقامات اور غیر آباد فیض عاری' نہیں ہمارا کچھ
علم ان کو' ہمیں وہ نامعلوم۔
آس ہو گر دعائے پیہم سے ممکن اس کی رضا میں ہے تغییر
میں ہوں مشغولِ نالۂ پر سوزیوں مسلسل وہ عاجز آجائے۔
رائیگاں ہے مگر دعا اس کے امرِ کلی کے سامنے' جیسے

سانس لے صرصرو سموم میں گردم کش آندھی میں گھُٹ کے رہ جائے۔
من تیشائے عظیم جو بھی ہو سرِ تسلیم خم ہمارا ہے۔
خون روتا ہے دل مراجب بھی دھیان نقلِ وطن کا آتا ہے'
ہائے اس کے لقا سے ہوں مکتوم' اس خجستہ نظارے سے محروم۔
اس جگہ جابجا کیا کرتا میں حضوری میں بندگی اکثر
ذات ہوتی جہاں کرم گستر۔ وہ تجلی نمائے ربانی
میں یہ فرزند گاں کو بتلاتا۔۔۔ طور یہ ہے جہاں ظہور ہوا'
وہ ہے طوبیٰ جہاں قیام کیا'
آئی آواز لن ترانی کی سامنے ان صنوبروں میں سے'
اس کنارے پہ عین زمزم کے بخشا اس نے شرف کلیمی کا'
میں مصلے گیاہ باف کئی کرتا کاریدہ دوب سے' ممنون
آب جو سے چنیدہ چمکیلے سنگریزوں کا خرمن اک چنتا'
پھر چڑھاتا مٹھاس سے مہکی نذر پھل پھول رال کی اس پر'
یاد میں یادگار عصروں کی۔۔۔ دور دنیا میں ماورا اس کا
روئے روشن کہاں سے لاؤں گا صاف آثارِ نقشِ پا اس کے؟
میں گریزاں عتاب سے۔۔۔۔ لیکن ہے درازیٔ عمر کا مژدہ'
آلِ موعود کی بشارت ہے۔۔۔۔ شاد نظارہ بین اب تو ہوں
وہ کہ ہے اس کی شان پیرامون'
نقشِ پا پر سرِ نیاز اس کے فاصلہ ہی سہی' مگر رکھوں +"
مشفقانہ یہ میکائل انہیں التزامِ لحاظ داری سے:۔
"آدم اتنا تو ہے عیاں تجھ پر۔۔۔ لِلّٰہِ الْعَرْشُ وَکُلِّ فِی الْاَرْضِ'

صرف اس الجبل کی بات نہیں۔
برو بحر و فضا تمام اس کی ہمہ جائی سے چار دانگ حصار ،
سب حرارت فزا، نمو انگیز ذی حیات اس کا فیضِ جو ہر ہے۔
اب تجھے یہ زمیں ودیعت ہے، ملکیت بھی، تری یہ مملوکہ،
تحفہ ایسا بھی یہ حقیر نہیں۔ سوئے ظن کس لئے کہ ذات اس کی
قیدان سرحدات کے اندر تنگ فردوس یا عدن میں ہے۔
مسکن الصدر بھی یہی شاید، نسل در نسل بھی فروغ یہاں
آکر اکنافِ ارض سے اس جا جے تری بولتے، ادب کرتے
جدِ امجد تمام کا تو تھا۔۔۔ یہ فضیلت تلف ہوئی تیری،
اب برابر ہے سطح پر نیچے تیرے پسران میں ترا بسرام۔
لیک لاریب فی کہ یزداں ہے دشت و وادی میں، جس طرح یاں ہے
وہ ملاقی، بعینہٖ موجود
کہ روانہ ہیں تیرے ساتھ اس کے متعدد شواہدِ ہستی۔
مہر پدری و لطف سے اب بھی کر رکھا ہے تجھے محیط اس نے،
چہرہ چہرہ، قدم سراغ نما اس کے ہیں تا بہ مستقیم صراط۔
بسکہ لاریب اَمَن فیہ قبلِ ہجرت یہاں سے، ہو معلوم
میں ہوں مبعوث منکشف کردوں، تجھ پہ، تیری نژاد پر، جو بھی
واقع آنا ہے فردا الایّام۔۔۔ پس توقع یہ کر کہ ہو در گوش
قصۂ خوب و زشت ہم آمیز، ذکر بندوں کا معصیت آلود
کشمکش رحمتِ تمام کی۔۔ جو درس آموزِ صبرِ بالحق ہے۔
خشیۃ اللہ عیش کے دوران، حزنِ راست گون دامن گیر،

خوگرِ اعتدال تو یکساں ---- نامساعد کہ سازگار، کوئی
صورتِ حال ہو کرے برداشت، بس یہی کلیہ ہے جس سے یہ
زندگی بافراغ گذرے گی، خوب تیار ہو کہ جھیل سکے
سفرِ آخرت کی سنگینی -- روح فرسا گھڑی وہ جب آئے۔
اس پہاڑی پہ چڑھ، تری حوا محوِ آسودگیٔ خواب رہے
(پونچھ دی میں نے چشمِ نم اس کی) ---- اور بیدارِ آگہی اب تو،
واردِ بزمِ جاں ہوئی جب وہ، جس طرح تھا دراز خوابیدہ:::"
متشکر جواب میں آدم "! کوہ پیمائی اب، تو بسم اللہ
سالکِ راہ رہنمائی کر، بیعت اس دستِ حق پہ کی میں نے۔
کر دیا طاہر اس نے گو، پھر بھی یہ طبیعت بدی پہ راغب ہے۔
(جانتی ہے ثوابِ طاعت و زہد پر "الفتا" ادھر نہیں آتی)
لیس ہو کر محن سے غالب ہوں، پاؤں راحت مگر مشقت سے
جو یہ آئی ہے میرے حصہ میں --- ہو اگر یوں، مراد کو پہنچوں +"
کوہ پیما ہوئے وہ اب دونوں، روبرو جلوہ ہائے یزداں تھے:
قلّۂ کوہ اک بلند تریں باغِ فردوس میں، جہاں سے صاف
طبقَ الارض کی حدِ شفاف دور افراشتہ، رسائی کی
ممکنہ زد تلک تھی آئینہ۔
وہ پہاڑی رفیع تھی اتنی، نہ یہ منظر وہاں سے کھلتا تھا،
علِ مختلف سے ترغیبی دو نم آدم کو لے گیا جس پر
کہ اقالیمِ ارض کا ساری فرطِ جاہ و جلال دکھلائے۔
چشمِ آدم تماشہ بین اب تھی شہرہ آفاق شہر شہر، جہاں

وہ قدیم و جدید تھے آباد۔
پایہ تختِ حسیں، جلیل القدر سلطنت کا، مقدّرہ (پیپنگ)
کمبلو کی فصیل سے۔۔۔ بلدہ وہ قانِ خطا کا صدر مقام
تاسمرقند، برلبِ آمو،۔۔۔ تختِ تیمور۔۔ چین کے فغفور
حکمرانوں کے شہر پیکن سے پھر شہنشاہ مغلِ اعظم کے
(اکبر آباد) آگرہ لاہور۔
دور نیچے جنوب میں زرّیں کیروسنّی (سماٹرا جاوا)،
یا جہاں خسروِ فریدوں فرہمنداں میں سریر آرا تھا،
واں سے تا اصفہانِ نصف جہاں، یا جہاں ماسکو میں زارِ روس
اور باز نطیوم میں جس جا تھا وہ سلطاں نژادِ ترکانہ،
نہ نجاشی کی سلطنت میں دور بندرارکک سے چشم بیگانہ،
اور بحری ریاستیں کمتر۔۔۔ کوئیلوا، ملند، ممباسہ،
(شرق افریقیہ کے ساحل پر)
متمول سفالہ تک واں پر جو ہے نامِ افیر سے مشہور،
پھر وہاں سے قلمروِ کانگو، اور بعیدِ جنوب انگولا،
یا (بہ مغرب) زرودِ نائیجر (بہ شمال) الجبال اطلس تک،
اور پھر وہ خلیفتہ المنصور کی ولایات اندلس افریقہ۔۔
فیض بھی، شوش بھی، مراکش بھی، اور الجیریا و تیمیسین،
واں سے یوروپ میں جہاں روما ہو گا عالم کو رومتہ الکبریٰ۔
شاید اس عالمِ خیال میں پھر میکسیکوئے سیم خیز ابھرا،
راجدھانی متذمے راجہ کی۔

اور پیرو میں کوز کی بستی مرفہ الحال اتی لئی سیپا۔
اور محفوظ تھا ابھی تک جو خارجی یورشوں سے ۔۔۔۔گی آنا'
کیا فرزندگانِ جیروں نے جس کے دارالخلافہ کو موسوم
ال درادو سے ۔۔۔(اہل ہسپانہ 'نسل جیروں کی' دیو اساطیری
کھائی جس نے شکست ہر قل سے)۔
لیکن آدم کی آنکھ کا جالانگہِ تیز کے بھلاوے میں جو ہویدا ہوا تھا چھل بل سے،
حکمتِ میکائیل سے تھا دور کہ وہ منظر نفیس دیکھ سکیں۔
بصَری نس سداب اَنجن سے صاف کی' واقعات کے وہ اب (ایک بوٹی)+(سرمہ)
آشکار انظارہ بیں ہو جائیں'
تین بیر الحیاۃ سے قطرے دونوں آنکھوں میں ان کی ٹپکائے
اور اجزائے تیز کی تاثیر
درک ذہنی کے عین حجلے تک دور اترتی چلی گئی گہری۔۔
اک دم آدم کی مند گئیں آنکھیں' بے خودی غالبِ حواس آئی۔
اس سروشِ نکو خصالی نے ہاتھ سے تب انہیں اٹھایا اور خاص مبذول کی توجہ یوں:۔
"کھول آنکھ اور غور کر آدم
تری اک لغزشِ طبیعی نے کیا کھلائے ہیں گل زمانے میں'
نہیں چھوڑا انہیں کہیں کا جوان گنت تیری پشت سے ہوں گے'
گونہ کی سازبازافعی سے' نخل ممنوع کے نہ پھٹکے پاس'
گونہ تجھ سی خطا کے خاطی تھے' تیری لغزش سے متہم کیسے
ہو گئے سب کے سب وہ بے چارے ۔۔دیگر اک حرکت شنیعہ اور!"
کھول کر آنکھ بھر نظر دیکھا خطہ اک قابلِ کشاورزی'

ایک حصہ تمام مزروعہ، باڑہ اولنگ دوسری جانب، (مرغزار)
درمیاں دوب کے سوانہ پر ایستادہ تھی وید کا سادہ۔۔ (کنارہ / قربان گاہ)
ایک دروندۂ عرق آلود واں نمودار جھٹ ہوا لے کر
اولیں مزرعہ کی پیداوار، پیلی پیلی، ہری ہری پولی،
ہاتھ آئیں جو بالیاں بے چھانٹ۔
ایک چوپان پھر ہوا وارد فرطِ عجز و نیاز کی تصویر،
اپنے گلے کے خاص پہلونٹی میمنے لے کے دل پسندیدہ
سامنے تختۂ شگافتہ پر ذبح کر کے انہیں دھرا رویہ
لحم یکسر بخور افشاندہ۔۔۔۔ کیں کماحقہٗ رسوم ادا۔
عرش سے شعلۂ مبارکہ نے جھٹ نگل لی اتر کے بھینٹ اس کی،
تیز ضو، خوشگوار بھاپ کے ساتھ۔
دوسرے کی نہ کی قبول نیاز کہ چڑھائی نہ تھی عقیدت سے۔
لگ گئی تن بدن میں آگ اس کے اور دورانِ گفتگو یک لخت
اک نے دی پردۂ شکم پر ضرب پڑ گیا دوسرا پھٹک پیلا
اک تلّی لہو کی بہ نکلی، لڑکھڑا کر وہ گر گیا لت پت
چیخ کر روح حلق سے نکلی اور اس کا چراغِ زیست بجھا۔
دیکھ کر یہ ملول دل آدم جھٹ فرشتے سے آب دیدہ یوں:۔
"اے معلم ضرور سخت ایذا اس بھلے آدمی کو پہنچی ہے،
نذر عمدہ چڑھائی تھی جس نے۔
کیا یہی اجرِ پارسائی ہے، یہ ہی بے لاگ بندگی کی جزا؟"
دل گرفتہ خود آپ میکائیل بجواب ان سے اس طرح گویا:۔

"باہم اک دوسرے کے یہ بھائی ۔۔۔۔ ایک ہابیل دوسرا قابیل
اصل میں پشت سے تری ہوں گے۔ نیک کا خون کر دیا بد نے
اس جلن سے کہ نذر بھائی کی عرش نے کیوں قبول فرمائی!
کارِ خونی کا احتساب بھی ہے'
صدق بے شک قبولِ ایزد ہے' اجر ضائع کبھی نہیں جاتا
گو اسے زیرِ خاک دیکھا ہے جاں سے جاتے' بخون غلطیدہ"۔
اس طرح تب ابوبشر اس کو۔۔۔ "اودریغا' یہ کار' یہ کارن
یہ اجل ہے' یہ دیکھ لی میں نے
یوں مجھے لوٹنا ہے مٹی میں جس سے میرا خمیر اٹھا ہے؟
وائے یہ ہولناک نظارہ بدنما اور چشم آشوبی'
دہشت افزا جو کیجئے محسوس' سوچئے تو مہیب کتنی ہے"۔
بجواب اب یہ میکائیل انہیں۔۔۔ "آدمی پر مسلط ایک ابھی
موت کی شکل تو نے دیکھی ہے۔۔۔۔ اس بلا کے ہزار چہرے ہیں۔
متعدد ہلاک یوں' دیکھا جس طرح ضربتِ تشدد سے'
کئی سیلاب و قحط و آتش سے'
کئی پر خوری خبیثہ سے۔۔۔۔ کھا کباب و شراب' اناپ شناپ۔
ارض پر پھیل پھیل جائیں گے متعدد عوارض و امراض۔
سامنے آئے گا ابھی تیرے جو بھیانک ہجوم' ہو معلوم
نوعِ انساں پہ ڈھا گئی آفت کس قدر بد پرہیزیٔ حوا!"
یکدم ان کی نگاہ پر ابھرا متعفن' شدید کرب انگیز
ایک دار الحزن۔۔۔۔ جذامستاں' جمع جس میں تھے ان گنت روگی۔۔۔۔

پیڑ، اینٹھن، مروڑ، دکھ موذی روگ توڑ اور جھنجھوڑ کر رکھ دیں۔
لرزہ، سنگین عارضہ دل کا، تپ کی سب کیفیات۔ بحرانی،
غش، غشیہ، تشنج و نزلہ، مرگیاں (صرع)، آنت کی پتھری،
سکتہ، قولنج، دنبل و ناسور، اثر آسیبی و جنوں، ہذیاں،
خفقاں، ماہ زائیدہ سودا، تن گسل لاغری، نپٹ سوکھا،
اور مہلک وبائے بے درماں دق، جلندر، دمہ، بدن کانٹا
ایڑیاں درد سے رگڑتے تھے، دے رہے تھے دہائیاں دل پاش
یاس تیمارداِر بیماراں محو بستر سے تا بہ بستر تھی،
ملک الموت تیر کش، ان پر متامل مظفرانہ تھا،
گو کئی ملتجی تھے منت سے جلد ان کو ہدف بنا ڈالے
تھی امیدِ نجات اب یہ ہی تھی یہی آخری نجاتِ امید!
کون سے سنگدل کو یارا تھا
منظرِ تلخ و کربناک ایسا دیکھ سکتا بدیدۂ بے نم،
ضبط گریہ نہ کر سکے آدم، رو پڑے گو نہیں تھے زن زادہ،
رِقّت اب مردمی پہ طاری تھی۔
جی بھر آیا مگر رہی چندے کیفیت، ضبط طبع نے روکا،
جوشِ گریہ سے ورنہ تو گردوں کفِ سیلاب ہو گیا ہوتا۔
پا کے قابو بمشکل اب خود پر یوں شکایت طراز دوبارہ:۔
"اے مصیبت زدہ بنی آدم تا کجا یہ زبونی و پستی
یہ عذابِ الیم قسمت میں، خوب ہو ہست ہو یہاں گر نیست
کس لئے مرحمت ہوئی ہستی، چھین لینا ہی تھی تو ٹھونسی کیوں؟

گر ہمیں آگہی یہ ہو جاتی کیا دیا جا رہا ہے شکلِ حیات
ہم نہ لیتے اسے نہ یہ حاشا ڈالتے کاسۂ گدائی میں
بلکہ یہ چاہتے اجازت ہم ۔۔۔ دستکش اس عطا سے ہو جائیں۔
یا ملی تھی جو مطمئن مہلت دامن اس سے چھڑا کے اس دوراں
اسی عالم میں چین سے اپنی ہستیٔ جان سے گزر جاتے۔
کیسے ممکن ہے پیکرِ یزدی ۔۔۔ آدمی خلق احسن التقویم ۔۔۔
سرو قدِّ سہی، جمیل ایسا، ۔۔۔ مانتے ہیں قصور وار سہی ۔۔
اس طرح مبتلا کیا جائے، یوں تکالیفِ بد قوار سے خوار،
روح فرسا اذیتوں کا شکار،
کیوں نہیں آدمی بحال رکھے کچھ بدستور وصفِ ربانی،
کیوں نہ مامون وہ رہے ایسی زشت و بد ہیئتی سے ۔۔۔ میمونی
کہ وہ اپنے خدا کا پرتو ہے؟"
یوں کہا میکائیل نے: "یکسر چھٹ گیا پرتوِ خداوندی،
جب زیاں کار ہو گئے از خود خواہشِ بے لگام کے تابع،
اور تمثیلِ عین وہ جس کے مقتدی بن گئے، بہیمی عیب
(بشمول خطائے حوا) ۔۔۔ عام، پس سزا اس قدر رکیک انہیں۔
مسخ کب ہے شباہتِ یزداں بلکہ اپنی بگاڑ لی صورت،
یا اگر پھر شباہت اس کی ہے، تو یہ بد رُو بذاتِ خود ٹھہرے،
پاک فطرت کے سدھ سبھاؤ کو روگ بھونڈے پچارنے والے
نہ رہی ذات میں ذرا ملحوظ حرمتِ پرتوِ خداوندی +"
آدم اب اس طرح!" بجا، تسلیم، کوئی دیگر طریق بھی بتلا

ماسوا، جو الم گذاروں کو منزل نیستی تلک لائے،
کہ ملیں خاکِ ہم خمیر میں ہم؟" یوں کہا میکائیل نے: "بے شک
ایک لاتسرفو کا ضابطہ ہے، گر یہ مدنظر رہے تیرے۔
اکل و شرب اعتدال سے مقصود پرورش تن بدن کی جس سے ہو
نہ چٹورہ ہی تو نہ پیٹو بن ---- کہ ہے خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُہا،
بہرِ خوردن نہ زیستن معمول، صرف ہو بہرِ زیستن خوردن۔
پھر ہے ممکن بقا---- یہاں تک تو گود میں مہربان مادر کی
ثمرِ پختہ کی مثال گرے، بے غل و غش چنیدہ سہل آساں،
بہ درشتی اجل نہ ہو گل چیں ہو جو تیار دستیاب اسے۔
حسن قوت شباب کو کہنا عہدِ پیری میں خیرباد آخر!
----اک ضعیفِ نحیف میں تبدیل، شیب کی برف سی سپیدی میں
کند سارے حواس ہو جائیں،
ذوقِ لذت تلف، لہو میں ہو مضمحل کیفیت، خنک اعضا،
تازگی آور و امید افزا اس ہوائے شباب کے بدلے،
یوں کہ جولانیاں تمام کرے، جیون امرت تمام پی جائے۔"
مورث اپنے اسے: "اجل سے میں ہوں گریزاں، نہ یہ تمنا ہے
کہ مجھے زندگی دراز ملے، بلکہ بارِ گراں سے ہو جاؤں
دستبردار اگر تو اچھا ہے۔
زندہ رہنا بھی خوشگوار مگر، جب فنا ہوں تو ہو یہی احساس
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی، حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا::"
پاسخِ میکائیل "ہو تجھ کو ہوسِ زندگی، نہ بیزاری،

ہے تو زندہ دلی سے زندہ رہ، مختصر یا دراز، یہ قضیہ
سونپ عرشِ عظیم والوں کو۔۔۔ اب ہو تیار اور منظر دیکھ۔"
دیکھتے کیا ہیں، نصب رنگا رنگ عرصۂ بیکراں میں نمگیرے
۔۔۔۔۔ خانہ باری و خیمہ و خرگاہ
پاس کچھ چھولداریوں کے گھاس چر رہے تھے مویشیوں کے جھنڈ،
بعض سے آ رہی تھی ساز آواز، سُر رسیلے کہ اک سماں باندھیں۔
تار تکموں پر انگلیاں جس کی رقص فرما تھیں۔۔۔۔ وہ نظر آیا
(جوبل، اس کی رہین موسیقی۔۔۔ موجد انجیل کی روایت سے)
سپتک آہنگ۔۔۔ سارے گاماپا، پادھے نی سا، درت، بلمپت، مدھ
تال۔۔۔ اور مینڈھ سُوت سُر کومل، تیور، ایسے ترت ترت، آڑا
ہو گمگ دار گت لڑی پر دھیان۔
دوسری جا نظر پڑا بھٹی جو کھڑا دھونکتا تھا دقّت سے، (توبل از روئے آیۂ انجیل)
پیتل اسپات کے کلوخ گراں کر رہا تھا گداخت نرمیں ساخت
(کوہ و وادی سے دستیاب ہوئے، اتفاقاً" بنوں میں بھڑکی آگ
تو وہی کر گئی تھی یا زیریں کوئلہ سب عروقِ ارضی تک،
آپڑے وہ مغاک کے منہ پر خود ابل کر، اچھل پڑے یا جب
اندرونِ زمیں کی پرتوں سے ان کو دریاؤں نے اچھال دیا)،
ہوئی تیار تو فلز سیال قالبوں میں انڈھیل دی اس نے
ڈھالے اوزار اور پھر ڈھالا جس میں آمیزہ دھات ڈھل پائی۔
پھر وہ اونچی پہاڑیوں پر سے پاس میداں میں اس طرف اترے
تھی جہاں بود و باش کینڈے کے خوب اطوار نیک بندوں کی،

انہماک اس قدر پر ستندہ صدق سے جس طرح ہوں یزداں کے۔
دفترِ کردگار سے آگاہ' بے نہاں سب امور انہیں معلوم'
اور اہلِ جہان کی خاطر' ضامن امن و حریت جو ہیں۔
دور میداں نہ طے کیا ہو گا نرتکی مہوشوں کا طائفہ اک
چمچماتا زر و جواہر میں' شامیانوں تلے نظر آیا
زیب تن زرق برق پشوازیں' تان پورے کی دُھن پہ کومل سُر
ٹھمریاں پریم راگ گاتا ہوا جھومتا ناچتا خرامیدہ'
کیسے کیسے متین و سنجیدہ لوگ ان کے تماش بین بنے'
بے جھجک زائرِ سراپا آنکھ تن کے ہر خط و دائرہ کا طواف' غمزہ و ناز کے شکار و شہید۔
دامِ محبوبیت میں یوں آئے' صادق آتا تھا گفتہ برجستہ
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے' اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے۔
نظرِ انتخاب پڑتی تھی' یار ہر اک نے چن لیا جانی'
ہمکناری و بوسہ بازی کے پیار کا سلسلہ شروع ہوا۔۔۔
دن ڈھلا' ایلچی محبت کا' (زہرہ شام) جب طلوع ہوا۔
تابشِ حسن سے چراغاں تھا' عشق سیرابِ وصلِ جاناں تھا'
ہر شبستاں میں فرطِ ہیجاں تھا' مشغلے تھے شبِ عروسی کے'
کیر تن تھا بواہ دیوی کا' نیوتہ پہلی سہاگ رتیوں کا'
تان اور نان کی ضیافت سے رونق آرا رواق حجلے تھے'
خوش نجستہ زفاف' رومانی واقعہ الفت و جوانی کا۔۔
ہاتھ سے دے نہ کوئی شخص جسے۔۔ گلبدن' گل' گلال' گجرے' گندھ' (خوشبو)
راگ' دھرپد' دھناسری' گندھار من میں آدم کے گھر کئے جائیں'

ہو چلا یہ انہیں یقیں گویا اصل فطرت کی شادمانی ہے۔
اور اس کیفیت کا یوں اظہار:۔
"اصل دیدہ کشائے من تو ہے تجھ پہ برتر سروش رحمت ہو'
یہ نظارہ نظر کشا' دل کش حسن امید سے فزوں غماز فرّخ ایامِ عیش کوشی کا
دو گزشتہ دنوں کی نسبت جو موت نفرت الم سے مملو تھے۔
واہ وا' اے خوشا نظر آیا کس قدر اہتمام سے دیکھو
فطرتِ مہرباں نے فرمایا علتِ غائی کا تمام اتمام۔"
یوں انہیں میکائیل "بشادی پر تو دلآرائی کا قیاس نہ کر
لاکھ فطرت نواز ہو معلوم۔
تو چنیں طور آفریدہ ہے تیرا مقصود خاتمہ بالخیر'
پاک طیں' پاکباز' پاکیزہ سرمدیت سے عین ہم آہنگ'
بارگاہیں جو دلپذیر لگیں وہ تو اہلِ ریا کے ڈیرے ہیں'
ہیں مکیں ان میں دختر و فرزند سب اسی قاتلِ برادر کے!
گو بظاہر دکھائی دیتے ہیں منہمک مشغلوں میں وہ جن سے
چہرۂ زندگی پر آب آئے۔
ان میں نامِ خدا ہیں بہتیرے نادرِ روزگار موجد بھی'
غافلِ داورِ حقیقی ہیں جس نے فیضان انہیں یہ بخشا ہے
جو نہ مانیں یہ دین اس کی ہے۔
ذرّیت ان کی خوش گِل و خوش چہریہ جو تو نے مشاہدہ کی ہے'
عیدِ نظارۂ نکو رویاں۔۔۔
• کامنی ناریوں کے یہ جھرمٹ' من چلی دیویوں کے یہ جمگھٹ

اس قدر سندر اس قدر چنچل، روپ ونت اس قدر، اَوِش لیکن
اجنبی اس چلن سے، جس میں ہوں نار کے سدھ سبھاؤ، سگھڑپن
لاج، چج، پت، گرہست، گُن او گُن'۔۔ کامنا کے لئے چڑھیں پروان،
تربیت پرورش تمام ان کی بہرِ تسکینِ ذوقِ نفسانی،
گائیکی ہے، کتھک ہے، فیشن ہے، گنکری ہے، مٹک ہے، گیت کبت
جھانولی، چونچلے، ٹھمک ٹھیّا۔۔۔ تیز ہو آتشِ ہوس جن سے۔
نسلِ انساں صمیم و پاکیزہ، پارسائی سے نسلِ انسانی جو ہوئی تھی مقربِ یزداں
اب کہاں ہے کہ ترک کردے گی خوبی و نیکی و صفا یکسر
بلکہ پاکیزگی بصد ذلت عشوہ گر کافروں کی اتراہٹ مسکراہٹ کی نذر کردے گی۔
اب یہ غرقِ نشاط و عشرت ہیں، چند روزہ یہ کیفیت تاہم،
خوب ہنس کھیل لیں، یہ خوش ہولیں'۔۔
پھر مقدر بہ گریۂ پیہم، آنسوؤں کے بہائیں گے دریا۔"
اس زیانِ سرورِ قاصر پر دل گرفتہ، جواب میں آدم:۔
"کس قدر شرمناک ہے، توبہ۔۔۔ سفرِ زندگی پہ آسودہ گامزن ہم چنیں، مگر کج مج
ان غلط راستوں پہ چل نکلیں یا سرِ راہ حوصلہ ہاریں۔
مرد کے روگ کا مگر کارن یہ جو اس کے گلے کا ہار ہوئی۔۔۔
جڑ ہے فتنہ کی بے گماں بیگم، زن، یہ رانی حزن کی بانی ہے::"
تب وہ قدسی: "بری ہے یہ درگت، مرد کی زن بنی جو کمزوری۔
مرد کو جو مگر ودیعت ہے حیثیت برقرار وہ رکھے
بہتر اوصاف سے مزین مرد۔۔۔ درجۃ الرجل علیہا، جان
خیر، تو ایک اور منظر دیکھ"۔

کی نظر سامنے تو اب دیکھا اک علاقہ بسیط گسترده
بیچ میں گاؤں اور قصبے تھے، چار اطراف شہر اور دیار
تھے فلک بوس برج باب منار۔۔۔۔ دست بر قبضہ، اوپچی انبوہ،
ان گنت چہروں کی خشونت سے آشکار الڑائی کے تیور،
یل گرانڈیل، دیو ہیکل و یر جوش و جرأت میں رستم و سہراب،
بعض کے ہاتھ نیمچوں پر تھے،
بعض کے کھینچ کر لگاموں پر تند منہ زور خنگِ جنگی کے۔
قوربند انتخاب سب، یکجا بے سبب کب رجال و رکباں تھے۔ (بکتر بند)
چند چنڈول چارہ چرتے غول چیدہ چیدہ چری کے ہر یالے
کھیت سے ہانک لے چلے۔۔۔ ناقے، ڈاچیاں اور گاؤ گوسالے
بلکہ گلّے بھی نرم ممیاتے میمنوں گالے گوسفندوں کے،
جو غنیمت کا مال ہاتھ آیا۔
جاں بمشکل بچا کے چرواہے بھاگ نکلے مدد کو چلاتے،
ہو گیا معرکہ بپا خوں ریز۔۔
وحشیانہ مبارزت میں قشون گتھ گئے ایک دوسرے کے ساتھ،
گھاس چرتے تھے جس جگہ ڈنگر خون سے ہو گئی وہ لالہ زار،
جیفہ، دھڑ، لوتھ سے پٹا میدان، (لاش)
شہرِ محصوں فصیل بند کا تھا ایک لشکر محاصرہ ڈالے
توپخانہ، کمند سیخ، سرنگ، سخت ہلہ پروں سے بول دیا،
از برائے دفاع محصورین پے بہ پے کر رہے تھے تابڑ توڑ
بان، نفطے، کلوخ، کی بوچھاڑ۔

گرم بازارِ کشت و خوں ہر سو رونما واقعاتِ خونیں تھے۔
بابِ دارالامارہ پر اک سمت کر رہے تھے عصابدست نقیب
یہ منادی شریکِ شوریٰ ہوں۔
مل کے بیٹھے جری شجاعوں کے ساتھ دانا سفید ریش بزرگ۔۔
اب سنو زوردار تقریریں 'توتکار' اختلاف' ہنگامہ
شور' کٹ حجتی' دھڑابندی۔
معتبر اک ادھیڑ صاحب نے کی جو تصریحِ امر بالمعروف
روک کر شر سے' ان کو فرمائی امن' حق' خیر' عدل کی تلقین ——
سب صغیر و کبیر ٹوٹ پڑے اور پرزے ہی وہ اڑا دیتے
گر اتر کر نہ ابر اچک لیتا' غائب انبوہ سے نہ کر دیتا۔
(یہ پیمبر خنوخ کا قصہ جو ہماری لغت میں ہیں ادریس)
دور دورہ دغل تعدی دردُردشا' دکھ اندھیر گردی کا دشٹ دستورِ دہرِ استبداد.... (ف)
جس کی لاٹھی اسی کی بھینس۔۔۔ غرض کوئی جائے مفر نہ ملتی تھی۔
آبدیدہ و سینہ کوب آدم راہبر سے فسردہ لہجے میں:۔
"اوہ یہ کون ہیں' نہیں انسان' کارپرداز یہ اجل کے ہیں
موت کے گھاٹ بھائی بندوں کو وحشیانہ اتارنے والے۔
یہ تو اس کے گناہ کو جیسے ضرب دیتے ہیں دس ہزار گنا
بھائی جس نے کیا ہلاک اپنا۔
یوں جنہیں کاٹتے ہیں یہ ظالم مولی گاجر کی طرح' کوئی نہیں
ان کے اپنے ہی بھائیوں کے سوا' آدمی ہی کے آدمی قاتل؟
کون لیکن وہ نیک بندہ تھا' کہ نہ آتا مدد کو عرش اگر

راست بازی کی بھینٹ چڑھ جاتا؟"

میکائیل اس طرح: "انہی بے جوڑ شادیوں کے جنے ہیں یہ 'تو نے
جو ابھی کیں ملاحظہ ---- سنجوگ نیک و بد کے جہاں ہوئے بندھن'
ناپسندیدہ بے ڈھنگے اَن مِل ---- بے قرینہ ملاپ 'جن سے ہیں
بدن و ذہن طرفہ زائیدہ 'جن جنہیں جانتے ہیں آدم زاد'
حاملِ شہرتِ عظیم مگر---
یہ زمانہ ہے جب فقط طاقت خوبیوں میں شمار ہوتی ہو
زور و جراءت جوان مردی ہو'
جنگجوئی کہ ہوں ملل محکوم 'قتلِ عام و غنائم بسیار'
یہ شہامت شمار ہو اعلیٰ عظمتِ آدمی کا پیمانہ۔
بہرِ اعزازِ عظمت و نصرت سرپرست و مربّیٔ انساں
ہو لقب فاتحانِ اعظم کا--- دیوتا' دیوتاؤں کے دلبند'
ہے بجا نام گر ہلاکو ہو' حقِ مردم میں یہ وبال 'وبا
شہرت اس طرح ہاتھ آئے گی' یہ زمانے میں نامور ہوں گے'
اور سزاوارِ شہرۂ وافرتہِ دامانِ خامشی گم سم'
ہفتمیں پشت میں ہے وہ تجھ سے مردِ صالح کہ تو نے دیکھا ہے
دہرِ فاسق میں پاکباز وہی'
متنفر اسی لئے سب تھے' نرغۂ دشمناں میں اس باعث
کہ اکیلے مجال یہ اس کی وہ لگائے بساطِ دادگری'
حقِ مُرکا ذکر' عام اعلان کہ خداوند اولیا کے ساتھ
آئے گا احتساب فرمانے--- تو نے دیکھا' حضورِ اَلمتعال

لے گیا ہے اسے براق انداز کر کے ملفوفِ الغمامِ سبک
وہ بہ ہمراہیٔ خداوند اب کرے اقلیم لطف میں گل گشت
بخششِ بے حساب کا حق دار، موت جیسی بلا سے مستثنیٰ،
تاکہ معلوم ہو تجھے کیا ہے اجر خیر و صلاح کاری کا
اور دیدہ کشائے عبرت ہو کہ بدی کا عذاب کیسا ہے؟
دیکھ پیشِ نگاہ ماجرا یہ پیش ابھی بے درنگ آئے گا!
کی نظر پھر تو نقشۂ ہر شے ایک دم نوع نوع ان پہ عیاں
ہوا افشاردہ برنجی حلق جنگ کا اور تھم گیا ہڑبونگ۔۔ (گھٹ گیا)
اب کھلا لہو و لعب کا منظر۔۔۔۔ رنگ رلیاں مگن چگڑیا ناچ (بدمستی)
نوش ناؤ تماش بینی، عقد۔۔۔ (بے حساب تعددِ ازواج)۔
اہتمام سیاہ کاری ہے، نازنینوں کی حشر سامانی
بالرضا ہے یہاں پہ وصل وصال، واں پہ بالجبر آبروریزی،
بادہ و جام، ساقی و غلمان ہر جگہ پر نشاط خانہ تھا!
اک معزز بزرگوار آخر لائے تشریف اور سخت ان کو
بدعتوں پر وعید فرمائی۔۔۔۔۔ بدوطیروں سے برہم و بیزار
منعقد جشن ہو جہاں مذموم، فحش بے رہروی کی تقریبیں
سرِ اجلاس وہ چلے جاتے، اور تبلیغ خیر فرماتے،
انفعال و انابت و توبہ۔۔۔ وعظ، تلقیں۔۔ رجوع الی اللہ باز!
مضطرب اس طرح تھے وہ جیسے ہو قریب الوقوع یوم الدین!
بند جیسے قفس میں روحیں تھیں کان پر جوں تلک نہیں رینگی،
اس قساوت پہ ہو کر آزردہ، ختم حجت ہوئی تو ڈیرہ دور لے گئے ان گناہ گاروں سے!

کوہ سے کاٹ کاٹ کر لائے وہ دراز و دبیز لٹھ شہتیر،
ورع سے کیجئے جو پیمائش عرض طول ارتفاع کی کشتی آپ نے کی بڑی کلاں تیار،
قیر ہر درز میں بھرا بیرون،
آدمی جانور کی ہر خوراک کی ذخیرہ درون باافراط،
تب عجوبہ کمال کا دیکھو۔۔
آئے زوجین سات سات وہاں کرم و مورو ملخ، چرند و پرند
حسبِ ترتیبِ طے شدہ داخل ہو گئے جو عظیم زورق میں۔
سب سے آخر ہوئے سوار بزرگ، تین فرزند، چار زوجائیں،
اور پھر بند ہو گئی مضبوط وہ سرادق بہ حکمِ ربّانی۔۔ (ف)
اسی دوران تیز منڈلاتی چل پڑی صرصرِ جنوبی تند
ریلتی، پیلتی دھکیلتی تیز زیرِ افلاک ابرِ تیرہ کو
بھاپ، تبخیرِ نم کا اک ساگر کوہساروں نے بھی اچھال دیا،
ظلمتوں کی دبیز چادر کا اسودی سقف بن گیا گردوں،
موسلا دھار ٹوٹ کر چھاجوں مینہ برسنے لگا، ہوا جل تھل،
خشک دھرتی رہی نہ چپہ بھر۔
اور۔ بسم اللہ، فُلک مجریہا۔۔۔ اس کی منقار شکل گلہی کا
متوازن جھکاؤ لہروں پر، سینۂ سیل چیرتی چل دی،
دیگر آبادیاں تمام ہوئیں نذرِ امواج، مرد ماں غرقاب
کہ سیہ گہرے پانیوں کے تلے ان کی شان و شکوہ بیٹھ گئی۔
وہ محلات و قصر ابھی جن میں عشرت و عیش کی بساطیں تھیں
اب بلیّاتِ بحر و دریا کے اختہ خانہ تھے، زچہ خانہ تھے، (اصطبل)

مختصر پائیں گاہ میں اسوار تھی رواں صرف نسلِ انسانی!
آدم اولاد آل کا یہ حشر' ابتلا اور دردناک انجام
کیسا ہو گا تجھے قلق انگیز!
ایک سیلاب بلکہ تجھ کو بھی کر گیا اشک و آہ کا سیلاب۔۔
ہاں تجھے بھی ڈبو دیا' تو بھی صورتِ آل زیرِ آب آیا۔
بہت آہستگی سے دوبارہ جب ابھارا تجھے فرشتے نے
پاؤں پر تو کھڑا ہوا لیکن سخت بے چین' قلب خوں گشتہ
جس طرح باپ بین کرتا ہے
اپنے بچوں پہ جو تلف یک دم عین نظروں کے سامنے ہو جائیں۔۔۔
کی یہ فریاد: "دلخراش سماں' او مناظر یہ دلشکن' میں کاش
عہدِ فردا سے بے خبر رہتا۔۔۔ نت نئے دن کا روگ کافی ہے'
میں اٹھاتا فقط صلیب اپنی' ذمہ داری قصور میں جو تھی
توبہ پاداش ٹھیک خمیازہ' آپ سہتا اسی قدر میں خود۔۔۔۔
ٹوٹتے قرن قرن جو آلام جاں پہ یک بارگی نہ آپڑتے'
علمِ سابق سے رائیگاں پیدا' کیوں مرے واسطے اذیت کو
پیشتر زاں ہوئے وقوع پذیر۔
جی کو دگدا سہی نہ آئندہ چاہ کوئی کرے ہو غیب آگاہ
ماجرا پیش آئے گا کل کیا' کیا کسی جان و دل پہ گزرے گی'
کہ براوقت آگہی بھی ہو غیب دانی سے ٹل نہیں سکتا۔
جو خرابی ہے کل مقدر میں کیوں طبیعت پہ آج بار بنے
کم کہاں خلفشار اندازہ واقعی واقعہ کا جو کیجے؟

اب مگر خرخشہ تمام ہوا۔
آدمی ہی نہیں رہا باقی جس کو تنبیہہ کی ضرورت ہو'
چند جو بچ گئے ہیں مٹھی بھر لقمۂ قحط و ابتلا ہوں گے
اس بیابانِ آبناک میں وہ رہنِ آوارگی و حیرانی۔
خوں خرابہ کی گرم بازاری رک گئی تھی' ہوا تھا ختم فساد
تو کچھ امید سی بندھی تھی اب خیر اور خیریت سے گزرے گی'
آشتی امن نوعِ انساں کو فرخ اقبال خوب کردیں گے۔
میں بڑے ہی مغالطہ میں تھا' ہو گیا ہے یہ امر آئینہ
جنگ میں تو تباہ کاری ہے' کم نہیں امن بھی خراباتی۔
ایں چنیں چوں شود مگر بہ نما سرمدی رہنما کہ ہم آیا
نوعِ انساں کی فاتحہ پڑھ لیں؟"
یوں انہیں میکائیل ـــــ "آخر میں لوگ تیری نظر سے جو گزرے
کامرانی میں چُور' دولت کے نشۂ بے تحاشہ میں مخمور'
تھے وہی خوب سربر آوردہ جو ہوئے عمدہ کارناموں سے
معرکے مار کر عظیم ـــ مگر حسنِ سیرت سے صاف بے بہرہ۔
خون کی ندیاں بہاتے تھے' سخت بربادیاں مچاتے تھے'
کر کے محکوم' نام کا ڈنکہ اپنا اقوام میں بجاتے تھے ،
یہ چلاتے تھے سکہ یہ خطبہ اپنا ہر ملک میں پڑھاتے تھے ،
اس طرح چار دانگ عالم میں خاص خاصہ کے ہو گئے نخچیر
شہرت اعزاز ان کے ہاتھوں میں ـــ تھی ہمیشہ "بعیش کوش" روش'
نفسِ امّارہ کی ہوس رانی' فسق' پُرخوری و تن آسانی

روز افزون امن کے دوران وہ گھمنڈ اور لاابالی پن
منقلب سب محاسن ۔۔۔ استعمال منہزم قیدیوں کا مذموم'
آدمیت کی برملا تذلیل' قلب سے سلب خوف یزدانی ۔۔۔۔
پُرفنون زہد پارسائی ڈھونگ' واعظ و شیخ کی بہم پرخاش
جس طرح حکمراں مجاز انہیں
وہ اسی طرح حاملِ کردار ۔۔۔۔ مے کو نشے کا حکم جتنا ہے!
وہ ہیں تائیدِ ایزدی کے تو مدعی ۔۔۔ مستحق مگر کب ہیں؟
خیر اب وہ منائیں جانوں کی' آسمانی مدد نہ پہنچے گی۔
بارور ہے زمین گو ماحول انتہائی ہے وافی و وافر
آزمائش مزید ضبط کی ہے۔ (کہ ہے خیرُ الاُمور اَوسطُھا)۔
پردہ اخلاق باختہ طامع رہنِ نادیدگی و حرص ہوئے
طاقِ نسیاں پہ دھر دیئے ایمان راستی' اعتدال عدل آئین!
دورِ تیرہ میں پر تھا مستثنیٰ' ایک فرزند نور تمثالی
کوئی تحریص ہو کوئی تخویف ۔۔۔ متخالف نمونہ دور اندیش
دشمنِ جاں ہو کوئی یہ بے خوف طنز و طعن و جفا و جور سے تھا'
حرکات شنیعہ پر تشنیع اور اعمالِ زشت پر توبیخ
ان پہ پُرامن راست راستے کی بے غل و غش نشاں دہی کردی:
انَّ لا تعبُدوا اِلّا اللہ ۔۔۔۔ او اخافُ عذابِ یومِ الیم ۔۔
دی شقاوت پہ گو بشارتِ قہر' لیکن اپنا سامنہ لئے آئے۔
کاہن و کاذب الملا بولیں' سحّروا' چٹکیوں میں سب تولیں'
نزدِ یزداں مگر وہی صاحب مومنِ راست باز ان میں تھا۔

تب انہیں حکم "اصْنَعِ الْفلکَ"۔۔۔ نادر روزگار اک زورق
جو ابھی کی ملاحظہ تو نے۔۔۔ حکم آیا عیال و اہل سمیت
وہ نکل جائیں بچ کے دنیا سے جو کہ نابود و نیست ہونا تھی۔
جو چیندہ تھے خاص بہرِ بقا بہ حفاظت سوارِ عرشہ ہوں'
جانور آدمی جو ہوں مامون۔
فار التنّور کا اشارہ ہو' آبشاروں کے بند کھل جائیں،
موسلا دھار مینہ پڑے چھاجوں' ہودھواں دار رات دن برسات۔
سوئے سوتے ابل پڑیں پُرشور' سوبہ سو آبہائے طوفاں زور۔
بحرِ ذخار مار تاٹھاٹھیں' بیکرانہ پھلانگ لے ہر حد'
زیرِ آب آسمان بوس پہاڑ'۔۔۔۔ باڑھ' ریلے' چڑھاؤ' طغیانی'
تند لہریں لپیٹ میں لے لیں سربسر یہ تمام نہضت گاہ
اور طوفان موجہ در موجہ جس طرف بھی سمائیں سینگ۔۔۔ چلے'
ہوں گل و سبزہ و ثمر تاراج' پیڑ بوٹے اکھڑ کے بہہ نکلیں۔
رود بارِ فرات سی پہنا (فارس کی) اس خلیج کے اطراف
ہو نمودار شوری و بے بار
اک جزیرہ وہاں جسے کہیئے ٹھور سگ ماہی و بلیّاتی
ساگری (بوتیمار) بگلوں کا۔۔۔ خوب بگلوں کی ٹھنٹھناہٹ ہو۔۔
درس یہ ہے کہ شرع یزداں میں کوئی حرمت نہیں مقام کو ہے۔
ہاں مگر جس جگہ پر انساں کی آمد و رفت کا علاقہ ہو
یا جہاں وہ مقیم ہو جائے۔
خیر اب دیکھ اور آتا ہے پردۂ غیب سے ظہور میں کیا+"

کی نظر تو ڈھیر دکھائی دیا سطحِ سیلِ رواں پہ زورق کا
ھِیَ تَجْرِی فی موجٍ کَالْجبال۔۔۔ زورِ سیلِ رواں کا ٹوٹ گیا'
تیز بادِ شمال نے ان کو اب دھکیلا تو اڑ گئے بادل'
خشک ایسی ہوا کہ طغیاں کے چہرے پر جھریاں سی ڈال گئی'
آبنا کی کا ایک منظر سا جس طرح ہو دبیز شیشے پر!
آفتابِ مبین نے اک تک چشمِ سوزاں سے ٹکٹکی باندھی'
اوک بھر بھر کے موج تازہ پی جس طرح کوئی پیاس کا مارا۔
تنگ آبی سے تھی بہاؤ میں وہ کھلی جھیل جزرِ لرزیدہ'
جو بحیرہ کو باز گرداں ہو نرم پا' ست گام' دزدیدہ۔
اور خوراب سب ہوئے تیغہ' ہر دریچہ فلک کا بند ہوا۔۔۔
قیلَ یا اَرْض اَبْلَعی ماءَکِ یا سَماءُ اَقْلَعی و غَیضَ الْماء
(حکم آیا کہ اے زمیں پی جا جل تھل اپنا یہ' آسماں تھم جا۔۔
خشک تب کر دیا گیا پانی)
دھیرے دھیرے رواں دواں ناؤ رک گئی' تیرنا ہوا موقوف۔
قلّہ کوہسار کے اوپر گڑ گئی وہ زمین میں ساکن۔۔۔ آخرش سَتْوَتَ علَی الْجُودی۔
اب پہاڑوں کی چوٹیاں ٹیبے نظر آنے لگے چٹانوں سے۔
غلغلہ خیز سیلِ تند اپنے تیز دھاروں کو ریل کر اب تھا
گامزن سوئے قلزمِ روگرد۔
اک غراب اس جہاز سے نکلا اڑ گیا وہ فضاؤں میں یک دم'
معتبر قاصد ایک فاختہ بھی'
کہ لگے کچھ سراغ خشکی کا یا کہیں پر کوئی درخت ملے

پاؤں یہ جس پہ دھر سکیں وہ بھی بیٹھ کے چہچہائے جس پر'
دوسری بار فاختہ لوٹی شاخِ زیتون چونچ میں لے کر۔
خشک اراضی نظر پڑی اترے وہ معمر بزرگ 'ان کے ساتھ
اترا انبوہ بھی سفینے سے۔ ان کے دست دعا بلند ہوئے'
موجزن آنکھ میں عقیدت تھی۔۔۔ سجدۂ شکرِ حق بجالائے'
ابر نیساں محیط سر پر تھا' درمیاں اک دھنک جھلکتی تھی۔
لہریئے تین شوخ رنگوں کے صاف غماز حضرت یزداں
بھیجتے ہیں سلام خاص ان پر۔۔۔ یہ تعہد نیا' نیا میثاق۔
دل آدم کہ غم گزیدہ تھا اس نظارے پہ باغ باغ ہوا'
بہر اظہار شادمانی یوں: "ملکہ ہے تجھے کہ تو کردے
آئینہ مثل حال مستقبل۔۔۔ دیکھ کر میں یہ آخری منظر
قائل اب ہوں معلمِ علوی میرا انسان پھر بحال ہوا'
اس جہانِ خراب میں بے شک نسل اس کی ہے زندہ پائندہ
ان مہاپاپیوں کپوتوں کا ایک کل مجگ اگر سماپت ہوا
کف افسوس کیوں ملوں اس پر' کس لئے ان پر اشک افشانی
بلکہ میں مطمئن ہوں پیدا ہے حاملِ رشد صاحب اک' جس پر
مائلِ اعتنا ہو پھر یزداں'
آفرید اس سے تازہ دہر کرے اور قہر و غضب سے درگزرے۔
کہہ مگر کیا سپہر پر تو جیہ شوخ رنگین دھاریوں کی ہے
پُر بہار و حسیں کہ یزداں کی خوش جبینِ عنایت آگیں ہو'
کوئی پیمک ہے پھولدار جسے جیبِ آبِ رواں پہ ٹانک دیا

آ بگی ابر کی، مبادا ہو پھر چھلک کر زمیں پہ باریدہ؟"

یوں جوابا" انہیں کبیر سروش:

"زیر کانہ تری تمنا یہ قہر یزدان دور فرمادے

آپ اپنی رضا سے ------ وہ غفار ----- رہنِ فسق و فجور انساں پر

متاسف اگرچہ بے حد تھا، خون دل ہو گیا تھا، جب نیچے

جھانک کر کل زمین پائی تھی غرقِ سفاکی و ستم رانی۔

گوشت میں گوشت کا فساد، اس کے لچھن ایسے برے برے توبہ،

تاہم اب وہ خرابیاں گزریں۔

کہ تقرب نگاہ باری میں راستباز ایک شخص کو ہو گا،

رحمتِ حق میں جوش آئے گا، نوعِ انساں نہ اب فنا ہو گی۔

نہ تو میثاقِ نو، نہ یوں ہو گی ارض سیلاب بردد وبارہ،

قلزموں کو نہ اذن پھر ہو گا، یوں کناروں پہ سے اچھل جائیں۔

نہ کرے گی جہانِ مردم و دد فرطِ باراں دمِ دگر غرقاب،

بلکہ جب بھی سحاب چھائیگا اذنِ ربّ العلیٰ سے فوقِ ارض

اس ترنگی دھنک کو جڑ دے گا،

کہ وہ اس پر نگاہ دوڑائے اور میثاق اپنا دوہرائے۔

یہ خریف و ربیع --- لیل و نہار ---- یہ بہار و خزاں، شتاؤ صیف

ہم چنیں برقرار سب ہوں گے۔

آگ تا آنکہ ہر کہ و مہ کو، آسمان و زمیں کو (در کونین)

از سرِ نو منزّہ کر دے گی جن میں اخیار جاگزیں ہوں گے۔"

فرہنگ

۴۴۹ (۱۸) پابجی۔ گلہ بان، یا مجیک قاصد
۴۶۹ (۱۲) دغل، دردشا، دشٹ ---- ہنگامہ، مصیبت، ظالمانہ سختی۔
۴۷۲ (۸) سرادق --- پردہ، خیمے کے معنی بھی دیتا ہے

☆

دفتر دوازدهم

تلخیص

فرشتہ میکائیل واقعاتِ مابعد طوفانِ نوح کی تفصیل جاری رکھتا ہے اور حضرت ابراہیم کے قصہ میں اس زادۃ النسأ کی بتدریج وضاحت کرتا ہے' ہبوط آدم و حوا کے وقت جس کی بشارت دی گئی تھی۔

حلول 'استحالہ 'وصال 'خروج قبر 'رفع و صعود--حضرت عیسیٰ مسیح کے یہ احوال اور پھر تانزولِ ثانی کلیسیا کے معاملات۔

ان نقول و مواعید سے آدم کو معتدبہ طمانیتِ قلب وروح ملی۔معیتِ میکائیل میں قلۂ کوہ سے فرود آکر حوا کو جگایا جو اس تمام دوران محوِ خواب رہیں۔ انہیں بھی رویائے صادقہ سے خاصی سکینتہ القلب حاصل ہو چکی تھی اور شیوۂ تسلیم و رضا باعث آسودگیٔ خاطر بنا تھا۔

ان دونوں کو ساتھ لیکر بالآخر میکائیل سرحدِ فردوس پر پہنچا اور انہیں اقلیمِ بہارِ جاوداں سے باہر نکال دیا۔جنت ہاتھ سے گئی--ان کے پیچھے دور تک ایک آتش ناک شمشیر لہرائی اور کروبیان سرحدی حدود کی نگرانی پر مستعد کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

باہمہ التزامِ تیز روی عین ہنگامِ نیم روز کوئی رہ نوردی میں جس طرح دم لے۔
پائمال و بحال دنیا کے درمیاں یوں رکا کبیر سروش،
ظاہراً اس خیال سے دیکھو شاید آدم کریں کچھ استفہام۔
وہ مگر چپ رہے تھے دم سادھے!
بہ توقف بہ طرزِ خوش تغییر اس نے تجدیدِ ہمکلامی کی:۔
"کی تماشہ پس ایک دنیا کی ابتدا اور انتہا تو نے۔
فرطِ افزونیٔ بشر ثانی دودماں سے وہاں دگر بارہ
ہے بہت دیدنی ہنوز مگر۔
لگ رہا ہے تری یہ ناسوتی حسِ بینائی دے رہی ہے جواب۔
لامحالہ مناظرِ لاہوت کر ہی دیتے ہیں قدرتِ انساں مضمحل، خام، نقص آغشتہ،
ماجرے، واقعے، سمر، احوال سارے شدنی شنیدنی مابعد (جمع اسمار: قصے)
میں کروں گا بیاں، لہٰذا تو ہو توجہ سے گوش بر آواز،
یہ گروہِ مکررِ انساں گرچہ تاحال چند و معدودے
ذہن پر مرتسم بھی جس کے ہے حشرِ ماضی کا دغدغہ تازہ،
فرطِ خوفِ خدا سے رکھے گا راستبازی و راستی ملحوظ
زیست اب مستقیم گذرے گی۔
سرعتہ "نسل میں فراوانی، در اراضی مشقت ارزانی،
خوب بہتات فصلِ دروانی غلہ روغن نبیذ رمانی،
بدھیا، لیلے، میمنے برّے، غول و گلّہ سے نذر و قربانی،
بر سبیلِ نیاز و نذرانہ وہ پیاپے شراب افشانی،
ہر ضیافت عشائے ربانی--- روز و شب ان کے خرم و شاداں،

کوئی بھی تو نہ لگ سکے بہتان' اور نہ بھٹکا سکے کوئی ہیجان،
جات جتھوں میں یوں رہیں آباد چین سے راج پتر کی میں وہ
شخص تا آنکہ ایک ظاہر ہو سر میں سودائے پر فتور لئے،
نہ مساوات اور اخوت کا وہ روادار ہو کسی صورت
نہ اسے بھائے عام آدمی کی عزت و عدل و علم و عافیت۔۔
سارے اخوان پر مسلط ہو غلبۂ ناروا و ناہنجار'
رابطے ضابطے وہ فطرت کے محو روئے زمین سے کردے۔
صید افگن (مگر نہیں حیواں' بلکہ اس کے شکار انساں ہوں)۔
وہ فضولی فساد و فتنہ سے لائے گا زیر دام انہیں جو لوگ
سامراجی کا طوقِ استبداد گردنوں میں نہ جھک کے ڈالیں گے۔
لقب اس کا قرار پائے گا روبروئے الہ میر شکار!
حجتّی متّعال سے حجت....
مدعی و مصر نیابت خود اسے تفویض متّعال نے کی،
نام مردود کا تمرّد سے اخذ گو مورد تمرد وہ دوسروں کو قرار دے (نمرود)۔
جمع زیرِ علم کیلئے اس نے لوبھ مارے جبیرے اور جرگے۔
لے کران کو عدن سے غربی سمت منزلیں تیز مارتا وہ چلا
غارت و قتل پر کمربستہ ایک آوردگاہ میں نکلا۔
تھا زمیں دوز جس میں افشاندہ تیرہ گوگرد کا بھنور ایسا کہ دہانہ کہیں جہنم کا'
نفطہ و سنگ و خشت کو اس نے گوندھ اور متھ کے ہم قوام کیا۔
ایک بلدہ کی واں رکھی بنیاد
جس کا ہر برج' ہر کلس کہئے آسمانوں سے بات کرتا تھا۔

یاد گارِ بقا رہے جب وہ کالعدم بھی بلادِ غیر میں ہوں'
اس سے لہنا مگر نہ تھا کوئی نیک نامی ملے کہ بدنامی!
لیکن او جھل ورود فرمائے گاہ یزدان اہلِ دنیا میں
گھوم کر تا نگر نگر دیکھے کاروبارِ جہانیاں خود بھی۔
یہ تماشا ہوا تو اب اس نے فوراً" اس شہر پر نزول کیا
کہ مبادا یہ برجِ مینارہ البروجِ فلک میں حاجز ہو۔
کر دیا در دہن تفنن سے داخل اک طیفِ تفرقہ پرداز'
جس نے انکی زبان سے اپنی مادری بولیاں کھرچ ڈالیں
طرفہ لفظوں کی بے تکی گنجار لہجہ و لب میں آڑا بڑ بھر دی۔ (آڑا بیڑی کا ٹھیٹھ تلفظ)
راج مزدور تب لگے کرنے شور عف عف کا سخت بے ہودہ
تھے مخاطب بیکدگر لیکن خاک پلے پڑے نہ وہ بکواس'
خوب بھنّائے' جھنجھلاہٹ میں حلق انکے رندھے' ٹھٹھول مخول
جب بکیں اول فول اناپ شناپ۔
دندانو کھا' یہ غل غپاڑہ' شور جب سرِ نُہ سپہر تک پہنچا
وہ مکیں جھانک جھانک کر دیکھیں خوب فرمائیں ان پہ استہزا۔۔
اس طرح بن گئی بنا مہمل ۔۔۔۔۔ جو بلا بو غما ہوئی مشہور!
یوں بہ پدرانہ برہمی آدم:۔ "غصب' یزداں نے جو حقوق دیئے
برتری کا جنوں برائے ذات بھائیوں پر مرے پلید پسر'
جب کہ بخشی ہے سروری کلّی ماہی و مرغ و دد پہ صرف ہمیں
اور یہ بھی عنایت اس کی ہے۔
ایک بندے کو اپنے بندوں پر اس نے حاشا نہیں کیا مولیٰ'

خاص اسی سے یہ اَسماُالحُسنٰی، آدمی سے ہے آدمی آزاد۔
یہ مگر غاصب اس قماش کا ہے جابرانہ دراز دستی کو باز انسان سے نہیں رکھتا۔
قصدیہ، برج پر سے للکارے اور ڈالے کمند یزداں پر۔
مردِ بد بخت کون سی خوراک تو مہیا کرے گا فوق ایسی
جو کفایت کرے، کفیل تمام تیرے تو مانِ ترکتاز کی ہو۔
ابر کے ماورالطیف ہوا اوبھ دے گی بدیں نمط ان کو
بے فرح منہ کو آئیں گی آنتیں ---- گھٹ نہ روٹی پڑے تو دم گھُٹ جائے؟"
میکائیل اس طرح انہیں ---- "بے شک، اس پسر پر تری بجا نفرین
عالمِ بے فساد، بندوں کا جس نے یوں کر دیا تہ و بالا
زور و تزویر سے مطیع کرے عقل پروردہ حریت ---- تاہم
ہو یہ معلوم حریت اصلی اصل لغزش سے ہو چکی معدوم
کہ تو ام برقرار و پائندہ ساتھ عقلِ سلیم کے وہ ہے،
اور جس کی محال ہے بالذات منفرد ہستیٔ جداگانہ۔
ماند پڑ جائے عقل انساں میں، ہو نہ یہ مشعلِ ہدایت، جب
سفلہ جذبات، خواہشیں منہ زور چھین کے اس سے جھٹ عملداری
آدمی کو غلام کرتی ہیں۔
چونکہ وہ باطنا" مجاز ہوا اس کی آزاد عقل و بینش پر قوتیں نابکار حاوی ہوں،
بر سبیلِ جزا خود ایزد نے
خارجا" طوق اس کی گردن میں بربری حاکموں کا ڈال دیا۔
سلب کرتے ہیں جو بسا ناحق خارجی حریت کو یوں اسکی ----
بسکہ یہ ناگزیر استبداد،

مستبدّ ایسا کوئی کفارہ وہ کرے، قابل قبول نہیں۔ (ب مکسور دال پر تشدید)
بعض اوقات سیرتاً" ہوں گی۔۔۔ اس طرح بھی ملل زوال پذیر
عقل بھی مقتضی اسی کی ہے، عدل کا بھی یہی ہے اک منشا
کوئی محرومِ حریت ان کو خارجاً" ناروانہ کرڈالے
بسکہ یہ بیش تر بسااوقات باطناً" ہو چکی بھی ہو زائل۔
جس نے تیار کی کلاں کشتی ہے پسر یہ اسی کا ناہنجار
اس نے بٹہ لگادیا جس کے شہرہ و نام کو، تفو اس پر،
یہ وہ ننگ پدر ہے جو اپنی بدگہر نسل کے لئے دائم
طعنِ عبدالعباد ٹھہرے گا۔۔
ہم چنیں، یہ جہانِ اخریٰ بھی عین مثل جہانِ اولیٰ ہے، بد سے میلان گیر بدتر کا۔
معصیت کوشیوں سے زچ ہو کر اٹھ گیا ان کے بیچ سے یزدان
پھیرلیں ان سے سرمدی آنکھیں،
(اور) لا یُنظَرُ اِلَیہِمْ، اب فیصلہ ہو گیا ہے یہ آخر
جانیں بوجھیں وہ آپ اور انکی مبتذل حرکتیں ہمیشہ کو۔
لائے گا خاص فضل سے بہ وجود منتخب کرکے ایک امت کو
جس کے مرشد حنیف ابراہیم ماورائے فرات کے باشی،
سخت ماحول بت پرستانہ جس کے ماتحت پرورش ہوگی۔۔۔۔۔
لوگ یوں جاہلیت میں گم ہوں گے (کر بھی سکتا تھا یہ قیاس کوئی)
سر بہ سجدہ حضورِ اربابا" جو تراشے گئے زسنگ و چوب،
جب کہ موجود درمیاں ان کے تھے ابھی وہ بزرگوار عظیم
سخت طوفاں سے رستگاری کا واقعہ اک کرشمہ جن کا تھا۔

خیر ربِ جلیل کی دعوۃ کشف میں تھی خلیل کو لطفاً"---
دور کاشانۂ پدر سے، دور باطل اصنام سے، اعزّہ سے،
ایک اس ملک کی طرف، القاجو ابھی، ان سے قوم اک شہنور
معرضِ ہست میں، نزول ان پر وافر الطاف کا، ملل ساری
---صلب سے جس قدر بھی ہوں ان کی---زیرِ دامانِ رحمت آئینگی۔
کہہ کے لبیک بے تامل وہ چل پڑے، منزل اجنبی، لیکن
حق وایقاں کا پیکرِ کامل۔
وہ مرنے سامنے ہیں صاف مگر تو انہیں دیکھنے سے قاصر ہے۔
پختہ ذوقِ یقیں سے ترک تمام دیو تا، دوست اور دیارِ وطن،
شہرارُ (کلدیہ) سے رخصت ہیں، گھاٹ اتر کر حران کی جانب
ساتھ ان کے جلو میں جمِ غفیر---غول، گلّے حشم خدم موفور۔
جادہ پیمائی بے سروساماں، بلکہ یزدان کی امان میں وہ
دے چکے تھے تمام مال منال، وہ اشارے پہ جس کے آئے تھے
بے محابا دیار غیر میں یوں---ملک کنعان میں ہوئے داخل،
وہ نظر بارگاہ ساز مجھے نزدِ میدانِ مرحہ آتے ہیں
در مضاف صحیم، کل اقلیم یہ بشارت عطیۂ آل کا ہے۔
حمص میں از شمال تا صحرا در جنوب (ان کے نام گنواؤں
گو مقامات تھے نہ یہ موسوم) شرق میں حیرمن سے اک ذخار
بیکراں مغربی بحیرے تک---جبلِ حیرمن، بحیرہ دور۔
دیکھئے ہر جگہ تناظر میں جس طرح میں بیان کرتا ہوں:
جبل الکارمل سرِ ساحل اور دریائے اردنِ دو رود

شرق وار ایک قدرتی سرحد' آل ان کی مگر فرد کش ہو ۔
تابہ سینر۔۔۔۔ پہاڑیوں کا ایک سلسلہ دور تک دراز فراز۔
جملہ اقوام روئے ارضی پر' غور کر' اس کے صلب سے آغاز'
صلب سے آپ کی' مراد ہوا وہ جہاں کو منجیٔ اعظم
جو کہ افعی کا سر کچل دے گا۔۔۔۔ منکشف صاف صاف یہ ہو گا۔۔۔۔
یہ ابو انبیاء علیہ السّلام مسلما" اسم پاک ابراہیم'
وہ حنیف ان کی نسل سے ہوں گے پسر (اسحق)' سبط (اسرائیل)
حاملِ دین و دانش ان کی مثل' عظمت و امتیاز کے صاحب۔
بارہ پسران سے ہوئی برکت' سبط کنعاں سے ان کے ساتھ کریں
ہجرت اس ملک کی طرف جو مصر عہدِ مابعد میں ہوا مشہور'
ہے جہاں پر رواں دواں کرتا منقسم آب رود نیل اسے'
اور بحیرے میں (روم کے) آخر سات ڈیلٹے بنا کے گرتا ہے۔
خشک سالی تھی سخت جب حضرت یاں سکونت کے واسطے آئے
دی تھی فرزندِ خوردنے دعوت' منصبِ صد صفات سے موصوف ،
بعدِ فرعون' جو قلمرو میں فائزِ منصبِ عزیز ہوئے' (حضرت یوسف)
جاں بحق مصر میں ہوئے یعقوب۔۔۔ نسل پھل پھول کر بنی ملت'
ان کی افزائش و اضافہ پر سلسلہ کا مشوّش اک فرعون'
کہیئے بے ہودہ میزباں' جس نے سب موالی بنا لئے مہماں'
پھر ستم۔۔۔ یَذْبَحُوْنَ اَبْنَاءَ۔۔۔ مار ڈالے نرینہ اولادیں'
طرف یزداں سے تب ہوئے مبعوث دو برادر (وہی برادر دو
موسیٰ اک اور دوسرے ہارون)

تاکہ ذلت کی اس غلامی سے قومِ مظلوم کو دلائیں نجات۔۔۔
ارضِ موعود کو غنائم سے بار۔۔۔ پھر وہ مراجعت فرما۔
لیکن اول ستم گرِ سرکش۔۔۔ صاف منکر وہ ان کے یزداں کا
جو نہیں وحی کو سمجھتا تھا در خورِ اعتنا انا کے سبب
(یدِ بیضا' عصائے ثعباں کے) معجزوں سے ہوا بڑا جز بز'
تا بائنکہ لہو لہو دریا! قبل لیکن عذابِ آخر سے
(الدّم والجرادو والقمّل والضفادع) سے قصر بھر جائیں'
مکھیوں' مینڈکوں' جوؤں کے جھنڈ' اٹ گیا ملک ان بلاؤں سے۔
۔۔۔ لاگ مّری سے کل مویشی پٹ'
گومڑوں' پھنسیوں سے خود اس کے جسم کا گوشت پھد پھدا اٹھا'
تھا یہی حشر سب رعایا کا۔۔ صاعقہ رعد' ژالہ و شعلہ
گڈمڈ ایسے کہ مصر میں جیسے آسماں کے پرخچے اڑ جائیں'
دندنائیں زمین پر' ماریں جب یہ ٹھاٹھیں تو سب صفا چٹ ہو۔۔
چٹ نہ یہ کر سکیں جڑی بوٹی' پھول پھل گھاس اناج دانہ۔۔۔ تو
ٹوٹ کر اک سیاہ دَل بادل ٹڈیوں کا بنائے سب چٹیل'
دیس بھر میں رہے نہ ہریالی۔۔۔ گھور تا چار کھونٹ چھا جائے
ہاتھ چھو لے وہ گھور تا گاڑھی۔۔۔ تین دن گھور تا میں ڈوب گئے۔۔
اور پھر وائے ضربِ نیم شبی'
مصر میں جس سے زندگی کے چراغ سارے پہلوٹھیوں کے بجھ جائیں'
یہ پیاپے مصائب و آفات۔۔ ہار جھک مار کے وہ آخر کار زخم دس کھا کے ہو گیا راضی
کہ مقیمانِ عارضی جائیں۔۔۔ دلِ ضدی اگرچہ برہم تھا!

برف جیسے پگھل کے پتھر ہو' وہ تعاقب میں طیش ناک چلا۔
تند دریا نگل گیا اس کو لاؤ لشکر سمیت ۔۔۔۔ اغرقنا'
اِذْ فَرَقْنَا ۔۔۔ عصائے موسیٰ کی ضرب سے سہم کر یمین یسار
دو بلورین آب دیواریں بن گئیں اور ۔۔۔ بہاؤ ٹھیر گیا'
رہ نبی اسرائیل نے پائی' پار وہ نیل سے اتر آئے
یا بنی اسرائیلَ یاد کرو ۔۔۔
قوت اپنے ولی کو جب یزداں حیرت انگیز بخش دیتا ہے'
یہ جو موجود ہے فرشتہ میں کہ روانہ وہ پیش پیش رہے
اک غمام' اک عمادِ نار مثال' روزِ روشن میں اک غمام' مگر
شبِ تیرہ میں اک عماد النّار ۔۔۔ رہنما وقت رہ نوردی ہو'
اور دنبالہ میں مزاحم' آئے جب تعاقب میں' راج ہٹ' سلطاں'
منزلیں مار تا رہے شب بھر اور چھوڑے نہ تیرگی نزدیک
صبح تک درمیان میں حائل ۔۔۔ تب غمام و عمادِ ناری سے
مبتلائے بلا کرے یزداں اس کا سارا یہ لشکرِ جرار،
اور سب ٹوٹ پھوٹ رتھ پہیے یکسر ش پاش پاش ہو جائیں۔
اذن ہو' اور رود پر موسیٰ پھر کلیمی عصا کو دے ماریں
ضربتِ کار گر پڑے ایسی رود آگے عصا کے بچھ جائے۔
جنگ آرا صفوں پہ دشمن کی تند موجیں پلٹ کے چھا جائیں
سب نبرد آزمائی ہو غرقاب۔
دشتِ ویراں میں برگزیدہ قوم' عام رستے سے ہٹ کے گامزناں
بر کنارِ بحیرۂ قلزم' سوئے کنعاں روانہ ہوتی ہے'

واں جو پائیں مزاحمت، طاری ہول ہو جائے اور خوف زدہ
جنگ نا آزمودہ کار یہ لوگ پھر پلٹ جائیں مصر کی جانب
اور قانع اسی غلامی کی خوار و منحوس زندگی پر ہوں،
کہ جلیل و رذیل ہر اک کو جان پیاری بڑی برابر ہے۔
جب مہارت نہ اسلحہ میں ہو اور تحریک دے نہ بے خوفی
دشت پہنا میں التوا، تاخیر فائدہ مند ہی انہیں ہوں گے،
اک ریاست کی داغ بیل پڑے، منتخب ندوۃ العمائد ہو
نافذہ شرع کے مطابق جو انتظامی امور نمٹائے۔۔
یوں قبائل دوازدہ بس جائیں۔۔۔۔ ربِّ ارنی و لنْ ترانی سے
لرز اٹھے وہ سرمئی چوٹی اور یزدان طورِ سینا سے
آپ کر کے نزولِ اجلال اب صاعقہ، رعد غلغلہ انداز
صور کی تروعہ پہ فرمائے مرحمت الکتابِ حق۔۔۔ تورات،
متن میں کچھ تو "اَعدِلُوا بالنّاس"، کچھ بیانِ شعائرِ دینی ....
(چوں۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر)
پھر اشارے کنائے سے واضح صلبِ برحق، کشندۂ افعی
کن ذرائع سے نوعِ انساں کی خود بنے گا نجات کا حیلہ۔
بہرِ سمع بشر ندا لیکن سخت ہیبت فزا ہے یزداں کی،
پس وہ موسیٰ سے التماس گذار کہ پیامِ الٰہیہ لائیں،
ہو گئی اس طرح فرود بہشت، کی جو منت تو یہ ہوئے راضی،
تھی ہدایت، رسائی یزداں تک ہے بدونِ شفیع ناممکن!
اور موسیٰ کہ ذات میں اپنی حامل منصبِ مکرم ہیں،

متعارف کرائیں امت سے ایک ہستی بزرگ و اعلیٰ تر'
جن کی آمد کی دیں بشارت سب قرن در قرن مرسلینِ پاک'
اس مسیحا کی آمد آمد کے نغمہ ہائے نوید گا گا کر۔
ہو گئی ہے شریعت اب رائج باہمانا مراسمِ موسوم'
اپنے بندوں سے مطمئن یزداں وہ مشیت کے ہو گئے تابع۔
پس مظلّہ اک التفاتانہ خاص ان کے سروں پہ تان دیا'
ذاتِ اقدس ہوئی مقیم ان میں زندگی مستعار جن کی تھی۔
حسبِ فرماں مقدسہ تعمیر زر مرصع منبّتی فضّہ ایک درگاہِ دیودار ہوئی۔
تھی جو میثاقِ نو کی دستاویز وحی صندوق میں رکھی محفوظ'
شہپروں پر سروش اٹھائے ہوئے
دو مطلّیٰ غلاف تابندہ' سات روشن چراغ داں اوپر'
منطقتہ البروج کا منظر' اک مصابیح عرش کا نقشہ۔۔
اس مظلّہ پہ سایہ افگن ابر روزِ روشن کی تابناکی میں
اور آتش فروغ رات آئے۔۔ جادہ پیما ہوں یا قیام پذیر!
اک فرشتہ کی رہنمائی میں ارضِ موعود میں ہوئے وارد'
تھا یہ اقرار حکمراں ہوں گے واں براہیم و آلِ ابراہیم۔
داستانیں طویل گر کیجے۔۔ سخت گھمسان رن پڑے کتنے'
کتنے فرمانروا ہوئے معزول' آیا کن بادشاہتوں پہ زوال'
وسط میں آسمان کے ساکن پورے دن کس طرح رہا سورج'
رک گئی شب کی طے شدہ گردش
ایک صاحب نے جب یہ حکم دیا: "مہر گیوبان میں ٹھہر جائے

وادیٔ آئیلون میں مہتاب ۔۔۔ غالب آئیں نہ جب تک اسرائیل،
ابنِ اسحق (حضرت یعقوب) سونم از پشتِ پاکِ ابراہیم
آلِ یعقوب، قوم اسرائیل فتح کنعان جب تلک نہ کریں!"
یاں پہ قطعِ کلام آدم کا: "او فرستادۂ فلک تیرے دم قدم سے ہے تیرگی زائل،
کیا مبارک امور فاش کئے بالخصوص ابراہیم اور ان کی آل کے باب میں وضاحت سے۔
اولیں بار یہ ہوا محسوس نورِ دیدہ وری میسر ہے،
میرے دل کو ملا قرار، چھٹے سب خیالات زشت ژولیدہ
کہ بنی آدم اور آدم کا جانے آیندہ حشر کیا ہو گا،
اب مگر آشکار یہ وعدہ کہ اس اکرم کے فیضِ ہستی سے
سب ملل رحمت آشنا ہوں گی، فضل کا غیر مستحق ہر چند
ہیں کہ قدغن زدہ وسیلوں سے علمِ قدغن زدہ کا خواہاں تھا۔
یہ مری فہم سے ہے بالاتر
ساتھ جن کے مقیم خوش خاطر خود خداوند ارض میں ہو گا
کیوں مسلط او امران پر یہ متفاوت، چنیں قدر، بسیار،
کہہ، خداوند کا قیام آخر ایسے لوگوں میں کس طرح ہو گا؟"
میکائیل اس طرح انہیں: "آدم، شک نہیں کر کہ دور دورہ پھر
جن میں عصیان و اثم کا ہو گا ۔۔۔ وہ تمہاری ہی پشت سے ہوں گے۔
پس شریعت انہیں دو یعت ہے کہ ہویدا کریں ریاکاری،
دیں سمندِ گناہ کو مہمیز، ہوں نبرد آزما شریعت سے۔
جب مگر ان پہ منکشف ہو گا کہ شریعت گناہ کو بے شک
یافت دریافت کر تو سکتی ہے، تلف اس کو مگر نہیں کرتی،

خون وہ گو سفند و گاؤ کا عام رسما" کریں اگر صدقہ
تو کچھ امکان بھی ہے البتہ --- پھر اس امکان ہی سے اخذ کریں
آدمی کی نجات کی خاطر خون درکار' خون اشد درکار
بیشتر پاک اور بیش قرار' بد کے بدلے نکو' نکو کاری
جس سے دی دین نے انہیں توفیق کہ وہ تائیدِ کردگار کریں۔
ہو میسر ضمیر کو تسکین مطمئن شرع کر نہیں سکتی محض رسمی شعار سے اس کو'
نہ ہی انسان کو یہ حاصل ہو کر کے اخلاق پر عمل یک جز'
--- بے عمل ہو تو جی نہیں سکتا!
شرع ظاہر میں نامکمل پس اور قصدا" مگر ودیعت ہے
تاکہ وقت معینہ پر جب آئے میثاق کامل و کل' تو
لوگ اس کی متابعت کر لیں' ہوں وہ پیرایہ ہائے مبہم سے
کاربندِ حقیقتِ قطعی --- جسم سے روح کی طرف مائل'
سخت اوامر کے جبر سے آزاد رحمتِ بیکراں کے دامن میں'
وحشتِ بندگی سے شفقت کی گود میں' شادباش' آسودہ'
زمرۂ اسوۂ شریعت سے حلقۂ اسوۂ طریقت میں۔
قول صادق' بنا بریں موسیٰ گرچہ محبوبِ خاص یزداں ہیں
صرف اک بانیٔ شریعت تھے اور کنعاں میں لائیں امت کو۔
کارنامہ جناب یوشع کا غیر مذہب جسے یسوع کہیں
کہ بہ ایں منصب و لقب آخرد شمن افعی کو زیر فرمائے۔
دشتِ دنیا میں دیر آوارہ آدمی کو بڑی حفاظت سے
لائے دوبارہ امن و راحت کی اسی فردوس لاتنزّل میں

(وہ مسیحائے ناصری برحق)۔
جاگزیں وہ رہیں دریں اثنا۔۔۔ مستقر، خاک زارِ کنعاں ہے۔
مرفہ الحال تازماں، لیکن
اجتماعی گناہ کر ڈالے، برہم امنِ معاشرہ و مضاف
اور یزدان ان سے برگشتہ دشمنِ جاں حریف لے آئے۔۔۔
نادم و شرمسار تائب وہ جب کبھی ہو گئے امان بھی دی
اولاً" زیر سایۂ قاضی، بعد ازاں بادشاہ کے ماتحت،
ان میں ممتاز شاہ دوئم تھا طے ہوا جس کے زہد و جرأت سے
اس جہاں میں علی الدوام اس کا قائم اور رنگِ خسروی ہو گا۔
نغمہ سنجانِ پیشگوئی سب اسی عنواں زماں زماں ہوں گے،
نسلِ داؤد خسروانہ سے (نام نامی بتاؤں اس کا میں)
ایک فرزند رونما ہو گا۔۔۔ ایک "تخم النساء" تینوں کو
دی گئی ہیں بشارتیں جس کی۔۔۔ اولاً" یہ نبابہ ابراہیم
جملہ اقوام کا عقیدہ صرف جن کی ذاتِ بزرگ پر ہو گا۔
ملک الآخرا الملوک وہی علم سارے ملوکِ سابق کو،
کیوں کہ پھر روبہ انحطاط اس کی بادشاہت کبھی نہیں ہو گی۔
قبل ازیں لیکن اک طویل چلے جانشینی کا سلسلہ۔۔۔ فرزند
(ایک داؤد کے سلیماں) ہوں نامئی دین و دانش و دولت،
متبرک رکھیں یہودا کے پاک تابوت کو وہ ہیکل میں
جو تھا اب تک خیام میں برسر۔
لوگ ایسے پھر ان کے پیرو کار نیک بھی جو شمار تھے، بد بھی،

گرچہ تھا جدوُلِ بداں طومار 'لغو اصنام دوستی انبار'
سرپہ عصیاں کا بار پشتارہ۔
لائیں یزدان کو جلال میں تو وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑے'
ہیکل و ملک و بلدہ و تابوت ان کے سارے تبرکات سمیت
شان و شوکت کے شہر میں ڈالے جسطرح اک شکار خوار زبوں
بائیں جس کی بلند دیواریں ابترا بتر دکھائی دیتی ہیں۔
نام بابل بدیں سبب جس کا۔۔ چھوڑ دے وہ انہیں وہیں چندے'
اور اس حالتِ اسیری میں ان پہ ستر برس گزر جائیں'
کھائے پھر ترس یاد فرمائے عہد داوٗد سے جو باندھا تھا
موڑ کر دیس میں انہیں لائے'
شاد آبادیوں کرے جیسے باغِ فردوس میں فروکش تھے۔
شہرِ بابل سے لوٹ کر آئے' دی اجازت انہیں دلی نعمت
(اردشیر و سیاش و داراشہ)' خسروؤں نے رضائے یزداں سے'
معبدِ ہیکل یہود اکی وہ مرمت کریں سو وہ کردی'
اور کی اعتدال سے چندے حالتِ مسکنت میں ہی گذران۔
فرطِ مال و منال کا نشہ چڑھ گیا' دھت ہوئے دگر بارہ
باہم ان میں ہوئی دھڑے بندی' بینِ صلّو قیئین (ربّی' حبر)'
وہ مصلّی ہیں خانقاہ کے وہ متولّی ہیں' وہ مجاور ہیں'
سعیٔ صلح و صلاح انہیں واجب ---- لیکن افسوس ان میں باہم ہو
تو تکار اور سر پھٹّول وہ کہ عبادت کدے کا نام اچھلے۔
بدلحاظی سے غصب کرلیں وہ نسلِ داوٗد سے عصا شاہی'

آن کر ایک اجنبی ان سے پھر جسے چھین لے زبردستی'
(انت پیتر' پدر ہراوس کا صوبہ یورو شلم میں رومائی)'
صاحبِ مسح بادشاہ مسیح تاکہ محروم حق سے پیدا ہو۔
اک ستارہ مگر ولادت پر ---- جو ہویدا نہیں ہوا پہلے
آسماں پر طلوع ہوتا ہے' اس کی تشریف آوری کا نقیب!
رہنمائے مجوسیانِ شرق متلاشی ہوئے کہ نذر کریں
آستاں پر سگندھ' مرّ لوبان۔
فاش کی زادبوم (بیت الحم) ایک عالی وقار ہاتف نے
سیدھے سادے سے ان گڈریوں پر کر رہے تھے جو شب میں رکھوالی۔
شادماں وہ لپک لئے اس سمت'
گوش زن منقبت سرائی انہیں قدسیوں کی اکھنڈ منڈلی تھی۔
امّ ان کی ہیں مریمِ عذرا' امر جلّ جلال ابّ ان کا'
تختِ ارثی پہ وہ قدم رنجہ بادشاہت کو وسعتیں دیں گے،
ارض کو بیکراں حدود کے ساتھ تابہ افلاک رفعتیں دیں گے::"

رک گیا وہ --- خوشی سے آدم تو جیسے پھولے نہیں سماتے تھے
جس طرح رنج سے اسی مانند اوس سی پڑ گئی تھی اشکوں کی'
واشگاف اب' نہیں ادا الفاظ زیر لب یہ انہوں نے فرمائے::۔
"مژدۂ جانفزا کے پیغمبر' انتہائے امید کے خاتم!
صاف روشن مرے شعور پہ ہے
رائیگاں مستعد خیالوں نے آج تک جس کی جستجو کی تھی۔

کہ ہماری توقعِ اعلیٰ کیوں ہے تخم النساء سے موسوم؟
تو عزیزہ ہے عرش اعظم کی'۔۔۔۔ حبّذا' مرحبا کنواری ماں'
زائیدہ صلب سے مری تو اور روح اللہ کوکھ سے تیری۔
متعال امر' فیض سے جس کے ہو گئے بندہ و خدا ہم ذات'
واقعی منتظر رہے افعی ضربِ مہلک رسید اسے ہوگی ۔
کس جگہ پر یہ معرکہ ہوگا' کون سی ضرب اس مظفر کی
ہاں بتا کب لہولہان ایڑی (مثل ایچلز عین) کردے گی؟"
میکائیل اب انہیں: "قیاس نہ کردو بدو یکیکی کا توان میں'
کہ شفق پاو سر پہ پھولے گی خوں چکاں ز خمہائے جزوی کی۔
روح اللہ نہ متحد کردیں بشریت ربوبیت ایسے
کہ وہ زور آوری کے حربے سے کریں ترے عدو کے کھٹے دانت'
اہرمن بھی نہ زیریوں ہوگا۔۔'
سخت گو قرحۂ ہبوط لگا پھر بھی ایسا نہیں ہوا معذور
کہ نہ وہ کر سکے رسید تجھے ضربتِ جاں ستاں سے زخمِ مرگ'
جس کا سامانِ اندمال لئے آئے گا جو ترا منجّی ہے۔
اہرمن کی نہ پائمالی سے'
بلکہ ریشہ دوانیاں اس کی ہوں تری نسل و ذات میں زائل'
نہ ہی ممکن ہے یہ مگر کر کے وہ بہم جو قلیل تجھ میں ہے۔
حکمِ یزداں کی پیروی۔۔۔ عائد ہے جو خمیازہ و اجل اب یوں
اور یہ تکلیف جانکنی' جائز ہے جو خمیازہ تیرے عصیاں کا'
اور جائز ضرور ان پر بھی جو تری پشت سے جنم لیں گے'

کہ تقاضائے عدلِ اعلیٰ تو صرف پورا اسی طرح ہو گا۔
امرِ یزداں کی پیروی کامل وہ کرے طاعت و محبت سے
کہ فقط طاعت و محبت سے امرِ یزداں کی پیروی ممکن،
شکل میں گوشت پوست کی آکر وہ عقوبت تری کرے برداشت'
زیست مطعون' یہ اجل ملعون۔
اور دے مژدۂ حیات انہیں لائیں ایمان جو شفاعت پر
---کہ نجاتِ بشر ہے کفارہ---یہ عقیدہ بدی و نیکوئی
ذمہ داری ہوئی منجّی کی' ان کے اوصاف بخشوائیں گے۔
پس جئے گا اسی لئے منفور' اور بے حرمتی بہت ہو گی'
اس پہ کیچڑ اچھالا جائے گا' پابجولاں اسے گھسیٹیں گے'
صادر اس کے لئے سزائے موت ملحدانِ لئیم کر دیں گے'
کیل دے گی صلیب پر اپنی قوم اس کو ہلاک کر دے گی'
کہ نویدِ حیات کیوں لایا۔
(ایلی ایلی لما شبقنی' ورد گولگوتہ میں بر زباں ہو گا)۔
در حقیقت ترے غنیم چڑھے دار پر اصل میں ملی سولی اس شریعت کو جو نہیں تیری'
ساتھ ہی اس کے ہو گئے مصلوب جملہ نوعِ بشر کے جرم و گناہ'
پھر نہ ان کو گزند پہنچے گا
صدق دل سے عقیدہ جن کا ہے بن گیا ہے مسیح کفارہ!
جان کی گرچہ لگ چکی بازی---زود وہ باز خاستہ تاہم'
عاجز آئی اجل کہ دوبارہ قوت اس کی مزید سلب کرے۔
اس سے پہلے کہ نور کا تڑکا تیسری بار لوٹ کر آتا'

اخترانِ سحر نے کیا دیکھا، قبر سے وہ ورود کرتا ہے
تازہ دم جیسے نور کا تڑکا۔
تیرا فدیہ ادا ہوا، اس نے جان بہرِ بشر فدا کردی،
جو فراموش کرنہ دیں ان کے واسطے زندگی کا نذرانہ،
بہرہ ور اس کے فیض سے صالح صدق پروردہ، راستی مسلک،
نیک اعمال سے نہ غافل ہوں۔
اس خدائی عمل سے رد تیری شوم بختی وگرنہ تو مرتا عاصیٔ نیک اجر بیگانہ۔
اہرمن کا لہولہان ہے سر، زور اس کا تمام ختم ہوا،
اب گناہ و اجل، توانا پر دونوں دیو ژیاں کے ٹوٹ گئے،
نیش سر میں گڑو دیئے گہرے، ناگہانی اجل نہ ایڑی کو
یوں ظفر مند کی کرے مجروح، نہ انہیں کی جنہیں دلیر (ایچلز)
جان سے جا کے رستگار کرے۔
بن گئی موت ایک میٹھی نیند، ابدی زیست تازہ بیداری۔
ہو فروکش نہ ارض پر تادیر وہ پسِ باز خاست، البتہ،
پیروانِ متین میں گاہے لازماً وہ ظہور فرما ہو۔
اس کے نقش قدم پہ گامزناں فرض ان کا ہے یہ ہدایت دیں
بالکل ایسے کہ جس طرح ان کو آپ فیضان سے ہدایت ہے،
یہ نویدِ نجات بھی جن کا پختہ ایمان اصطباغ پہ ہو۔
اس رواں آبجوئے قدسی میں سازِ ازنگارِ معصیت دھل جائے
چہرۂ زندگی نکھر آئے،
موت سے ہمکنار ہو جائے پھر منجی ہی کی طرح بخوشی۔

ان پہ لازم ہے سب ملل میں وہ روز و شب دین کی کریں تبلیغ،
بہر ابنائے صلبِ ابراہیم۔ رہنمائی ہوئی انہیں مخصوص
کہ وہ ہر عہد میں انہیں لے کر جانبِ ایمنِ نجات چلیں۔
بلکہ دنیا میں یہ جہاں بھی ہوں، بہرِ ابنائے دینِ ابراہیم،
سب ملل فیضِ صلبِ برحق سے، تہِ دامانِ رحمت آئیں گی۔
کامرانی و فتح میں ان کا رفع عرش العروش پر ہوگا،
حاوئ دشمنِ من و تو وہ طمطراقِ مظفرانہ سے۔
پابجولاں گھسیٹ لائے گا چھوڑ دے گا حریف افعی کو
ہکا بکا، حواس باختہ گم۔۔۔
حاملِ امتیاز یکتائی سرپرِ افسر کلاں، سریر آرا
سمتِ دستِ یمینِ یزدانی، نامدارانِ عرش میں نامی،
۔۔۔ باہماں جاہ و حشمت و صولت
پھر کرے گا نزول، یہ دنیا جب قیامت کی زد میں آئے گی،
بہرِ اہلِ ممات و اہلِ حیات، بہرِ جاماندہ بہرِ جاں دادہ
قائم ال قسطِ عدل کر دے گا۔
گر سزا ملحدانِ رفتہ کو، تو جزا پیروانِ قائم کو،
بر سرِ عرش و فرش اب اس کی مہربانی سے سرخروئی ہو،
ارض باغِ بہشت بن جائے، باغِ فردوس سے حسین عدن،
خوبصورت سدا بہار مقام۔۔۔ جس میں پُر لطف گردشِ ایام::"
یاں سروشِ کبیر میکائیل بات کرتا ہوا ذرا اٹھکا،
یہ تھا عہدِ عظیم گیتی کا، متحیر پکار اٹھے یک لخت

جدِ امجد خوشی کے عالم میں: "واہ خیرِ کثیر، خیرِ عظیم،
باطنِ شر سے خیر پیدا ہو، شر مبدّل بہ خیر یوں ہو جائے!
مظہرِ نور بطنِ ظلمت سے کیا نخستین پردہ در نکلا،
سر بسر ہے مسلط استعجاب، یکسر ش عالمِ تذبذب ہے،
نادم اپنے گناہ پر ہوں میں بسکہ دانستہ وہ ہوا سرزد
یا مجھے خوب یہ تسلی ہو،
مطمئن میں رہوں کہ خوب اس سے کیفیت خیر کی جنم لے گی؟
حمدِ یزداں فزوں اگر، افزوں خیرِ یزداں برائے انساں ہے۔
کہہ مگر یہ کہ رفع فرمائیں پھر ہمارے اگر نجات دہند
چند رہ جائیں گے جو ایماں دار ٹھٹ کے ٹھٹ ملحدوں کے نرغے میں
ان بچاروں کا حشر کیا ہو گا؟ کون لوگوں کا رہنما ہو گا،
کون ان کی مدد کو آئے گا، اس کی امت سے پھر سلوک ان کا
کیا نہیں بڑھ کے ناروا ہو گا، جو خود اس سے مگر روا رکھا؟"
یوں فرشتہ: "یقین کر، بے شک وہ کریں گے۔ بعینہٖ ایسا۔
وہ بنفسِ نفیس اک غم خوار آپ مبعوث ان میں کر دے گا،
رب کا پیمان ذات میں جس کی ہو رہَن ہار مثلِ روح القدس،
نقش فرمائے وہ محبت سے دل پر ان کے امورِ دینداری
حقِ کامل میں رہنما بن کر تن پہ بر گستوان روحانی
ایسے آراستہ کرے، ہلّے اہرمن کے تمام رک جائیں،
سب اگن بان سرد پڑ جائیں۔
ظلم انساں کے بس میں جتنے ہیں اس پہ توڑیں، ضرور تا بڑ توڑ

نہ ہو پائے ثبات کو جنبش، خواہ ہو سامنا اجل کا بھی۔
ان ستم رانیوں کے بدلے میں تقویت وہ ملے کہ ششدر رہوں
متکبر جفا شعار تمام۔
پہلے چھینٹے لگائیں روح القدس ان رسولوں پیمبروں پر۔۔۔۔ جو
جملہ اقوام میں ہوئے مبعوث، پاک انجیل کی کریں تبلیغ
لیں جو بپتسمہ دیں انہیں چھینٹے۔
حیرت انگیز جو ہروں سے وہ پھر انہیں سرفراز فرمائیں۔
ہر زباں میں وہ گفتگو کر لیں، قدرت ان کو کرامتوں کی ہو،
معجزے جس طرح دکھائے تھے اس خداوند نے بھی قبل ان سے۔
پس بکثرت ہر ایک ملت میں سیر حاصل جنہیں ہدایت تھی
(اور یہ بپتسمئی یوحنا ہیں)
جب رسالت کی ہو چکی تکمیل، رحلتِ بامراد فرمائی
اور سارے قصص تمام اقوال رہ گیا ان کا ترکۂ مرقوم۔
ہاں خبردار، جس طرح پہلے کر چکے لوگ روپ دھاریں گے،
جٹادھاری بھبوت راکھ ملے، باراں دیدہ یہ سب گرسنہ گرگ
ہیچ ذاتی مفاد کی خاطر، ہوسِ جاہ و مال کے ماتے،
قدس پرور رموز سربستہ عرش کے اس طرح کریں تحریف
زنگِ اوہام حق پہ مل مل کے، لوث بھر بھر کے ہر روایت میں۔
گر منزہ رہے تو کچھ محفوظ ان نوشتہ وقائع میں رہ جائے!
اب جو سمجھے اسے تو روح القدس، ان کے ادراک سے یہ بالاتر
دین کا ہے کو بس بنج بھوتاد، نام، منصب، مقام کا سودا۔ (تجارت)

دینوی اقتدار کے بھوکے ۔۔۔۔ مانو چیورن کا یہی اک چینھ، (راہب کا مسلک)
جذبِ روحانیت ہو اماؤف۔
سرمدی روح آپ کو مخصوص گو شریعت کی رو سے یکساں ہے
اہل ایمان کو نوید اس کی، اور بخشش سب کو اک سی ہے۔
ٹھونس دیں دینوی رعایت سے دین کے قاعدے ضمیروں پر
مستند قاعدے کریں مستور،
مستند قاعدے جنہیں کردے کندہ اندرونِ قلب روح القدس۔
کچھ نہ بن آئے ماسوا، اپنی روح پر صبر دل پہ جبر کریں،
د لکشا حریت ہو پابستہ، حریت جو رفیقہ روح کی ہے۔
وہ ستم کیش بوالہوس کردیں معبدوں کو بری طرح مسمار،
دینِ اغیار کے نہیں، ان کے۔
کون روئے زمیں پہ ہے تسلیم برخلافِ ضمیرِ دیں معصوم؟
کئی جرأت نمانڈر ایسے لاکھ ان پر عقوبتیں ٹوٹیں
لاکھ ایذائیں، لاکھ تعزیریں، دیں پہ ثابت قدم مگر نکلیں،
اور پھر وہ کہ جن کا دھرم ادھرم، ان گنت جن کا کوئی انت نہیں،
بس بجالائیں ظاہری آداب، پُن دکھاوا، نمائشی ارکان
حجتِ دیں تکلفاً معمول۔
عمل و قول دین دارانہ خال خال اب کہیں نظر آئے۔
تیرِ دشنام کے ہدف معصوم، طور بے طور اہلِ دنیا کا
حق میں اچھوں کے ابتلا انگیز اور بروں کے لئے تلطف خیز،
اور یوں آپ اپنے بوجھ تلے ہیچ دنیا کراہتی جائے۔

آخرِ کار ہو طلوع وہ دن
ہوں رخ ابرار کے ترو تازہ' ہدف اشرار انتقام کے ہوں'
ان کی تشریف آوری سے ابھی جو ہوئے تھے نویدِ جاں تجھ کو'
وہ ہی تخم النساء ذکران کا سابق ابہام سے ہوا' اس وقت'
اب یہ اعلامیہ بدیہی ہے کہ خداوند' وہ نجات دہند
درپسِ چلمنِ سحاب آخر عرش سے آشکار آئے گا'
عظمتِ ربِّ تام میں غلطید'
ساری دنیائے دوں سمیت فنا وہ غنیم اہرمن کو فرمائے ،
اور اس آتشین تودے سے اک منزہ و صاف و شائستہ عرشِ نو فرشِ نو کرے پیدا۔
ہوں زمانہائے لازماں آغاز راستی' امن' سکھ' محبت کے'
ابدی برکت و مسرت ہو خرمنوں بارور نمو پرور+"

بات ختم اس نے کی تو پاسخ میں آخری بار اس طرح آدم:۔

"کر لیا خوب غیب دانِ سعید تیری پیشن گوئی نے حیطہ
ایک دم اسی جہانِ فانی کا' گذراں وقت کا احاطہ کیا'
ساکن ابلق یہ جب کھڑا ہو گا۔۔۔ ماورا تو نرا ہے پھر پاتال۔۔
ابدیت بسیط لاا حصا' منتہا تک نظر نہیں پہنچے۔
اک معارف یہاں سے رخصت ہوں' بے حد آسودۂ شعور' خبیر'
آگہی اس قدر مقدر ہے متحمل یہ کاسہ جتنا ہے۔
بسکہ باقی خلل دماغ کا تھا کہ تمنا مزید مہمل تھی'
یہ ملا ہے سبق مجھے بے شک بندگی میں ہے بے حساب فلاح'
لو لگائیں نیاز مندانہ صرف اس خالقِ حقیقی سے'

جو قدم بھی اٹھے تو یوں گویا گامزن ہم حضور اس کے ہیں'
حکم بردارِ من یشاء دائم'
اس کی تقدیر پر رہیں شاکر بس بھروسہ اسی کی ذات پہ ہو۔
حَسَنَتہ سے تغلّبِ سیّات' ہو خفی سے جلی کی تعمیلیں'
نظر آتے ہیں بے بضاعت جو زک توانائے دہر کو وہ دیں
اور دانائے دہر کو عاجز ایک مسکینِ سادہ دل کردے۔
فتحِ کامل تک استقامت سے بہرِ حق ہیں صعوبتیں برداشت'
خود نمونہ وہ بن کے پیش ہوا۔
یہ ملا ہے سبق' مسلّم اب وہ ہے ناجی مرا۔۔۔ علیہ السّلام ::"
آخری بار اس سروش نے بھی تب انہیں اس طرح خطاب کیا:۔
"درس حاصل تجھے' خبر ہو تو سرفرازِ شعورِ تام ہوا'
کر تمنانہ مستزاد' تجھے ہے خبر۔۔۔۔ نام سب کو اکب کے'
کل اثیری محرکات' ہمہ کاروبارِ شگرف فطرت کا'
جملہ اسرارِ دہر' یزداں کی قدرتوں کا یہ کارخانہ سب۔
جوّ وارض و سماو قلزم میں اس جہاں کی نعم ہیں گوناگوں
استفادے کے واسطے تیرے' ایک کشور یہ حکمرانی کو۔
صرف درکار ہے اضافہ اب عمل و علم کا کہ تو ان کا
کر سکے احتساب' اضافہ صرف راسخ ایمان کا' اضافہ صرف
ان پہ صبرِ جمیل کا' نیکوکاری و اعتدال کا اس پر'
عشق کا چاہئے اضافہ صرف' بذل کہیے جسے کہ بالتحقیق
ماحصل' اصل' روح سب کی ہے۔

باغِ فردوس سے تجھے ہجرت پھر ذرا بھی گراں نہیں ہوگی،
بلکہ فردوسِ بہجت افزا ایک خود تری ذات کے دروں ہوگی۔
فوق مرصد سے چل چلیں نیچے، ساعتِ راست آن پہنچی ہے
اب معین وداع ہونے کی۔
ڈال آیا ہوں میں پڑاؤ وہاں، دیدہ باں دیکھ بر سرابالا
اذنِ حرکت کے منتظر لہرائیں تیغِ آتش فشاں ہراول میں
تند اشارہ کناں کہ ہم چل دیں۔۔۔ اب توقف نہیں مناسب ہے۔
جا، جگا سو رہی ہے وہ حوا، شبھ شگن، خواب خوبصورت کچھ
بھر دیئے اس کی نیند میں میں نے، ہیں حواس اس کے حاضر و یکسو
عجز مندانہ بندگی کے لئے، جا اب اس موسمِ موافق میں
کر اسے بھی شریکِ حال، افشا چاہیئے جو تجھے ہوا معلوم۔
خاص کر ہو وقوف اسے جو بھی متعلق امور اس سے ہیں،
کہ نویدِ نجاتِ کبریٰ ہے جس سے جملہ بنی بشر کو، وہ
تخم، تخم النساء اس کا ہے۔
زندہ دونوں ابھی دنوں تک ہو، اک عقیدہ کے مشترک پیرو
سابقہ لغزشوں پہ تم نادم، رہن و حرزِ ملال بھی ہو گے::"
گفتگو کی تمام تو دونوں اس پہاڑی کی ڈھال سے اترے،
آدم آگے لپک کے بھاگ لئے سوئے کاشانہ تھیں جہاں حوا
محو خواب، اب مگر ملیں بیدار!
تھے نہ الفاظ غم چکاں بر لب خیر مقدم کو جب بڑھیں۔۔ بولیں:
"ہے کدھر سے مراجعت تیری، تو گیا تھا کہاں، مجھے آدم

علم اس کا ہے کیونکہ یزداں تو عالمِ خواب میں بھی ہے موجود'
اور رویائے صادقہ بھی ہیں۔
سعد پیورد کھائے ہیں اس نے فال خیرِ کثیر کے مجھ کو'
دل شکستہ تھی، غم گسستہ تھی ورنہ جب نیند نے کیا مغلوب۔
اب مگر راہبر ہو، بسم اللہ تو نہ پائے گاست گام مجھے
ہمرہی میں تری سفر جیسے یاں مرا ہے قیام منزل پر'
تو نہیں تو قیامِ منزل بھی شرطِ مجبوریٔ سفر ہوگی۔
تو مجھے زیرِ آسماں سب کچھ، کل مری کائنات بس تو ہے'
تو یہاں سے جلاوطن میرے جرمِ بالعمد کے نتیجہ میں۔
مستزاد' اس طمانیت کے ساتھ ہو رہی ہوں یہاں سے میں رخصت'
گو زیاں کار ہوں نہیں اصلا میں سزاوارِ مہربانی' جو
میرے اوپر ہے التفاتانہ۔۔
کہ بحال و بجا کرے گا کُل بطن کا میرے صاحبِ موعود::"
یوں سخن ران اُمِّ ما'۔۔۔ حوا' شاد آدم' مگر رہے خاموش'
کہ سروشِ کبیر تھا نزدیک' مستعد سامنے پہاڑی سے
آن اترا تھا مورچوں پر لیس جمِ کرّوبیانِ صف بستہ'
سرِ میداں رواں شہاب آسا' جس طرح رودبار سے اٹھ کر
شام کی دھند چھائے دلدل پر' اور تیزی کے ساتھ الجھ جائے
پائے مزدور سے' تھکا ہارا جھونپڑی کی طرف جو آتا ہو۔
پیش قدمی میں تیغ یزداں کی چمچماتی' ہوا میں لہراتی
تیز شعلے لہک لہک جائیں جیسے دنبالہ دار سیارے'

محرقہ جس کی تابش و تبخیر لیبیائی سموم کی مانند
گرد ناک، اس حسین معتدلہ منطقہ کو جھلستی جاتی تھیں۔
وہ فرشتہ اتاؤلا ان کو تھام کے ہاتھ تیز گام چلا
والدینِ درنگ گیر اپنے، تیز تر سوئے بابِ مشرق، اب
الجبل سے حضیض میں پہنچے۔۔۔ پھر کہا (قَالَ اھبطَا مِنھَا)
اترو (کھادر میں) یاں سے تم دونو۔۔۔ اور پھر آپ ہو گیا روپوش!
وہ مڑے، واپسیں نظر ڈالی، شرقِ فردوس ہائے وہ گوشہ
آج تک عافیت کدہ جو تھا!
تیغ شعلہ فشاں اشاروں سے رخصت ان کو وہاں سے کرتی تھی،
اگن آلات، تند چہروں کی بھیڑ سے اٹ چکا تھا دروازہ۔۔
اشک بے اختیار امڈ آئے، جھٹ انہوں نے مگر وہ پونچھ دیئے،
سامنے اک بسیط دنیا تھی،
اب جہاں بھی کریں بسیراوہ، ڈال دیں جس جگہ بھی ڈیراوہ،
راہبر ربّ العالمین ان کا۔
باربنگاہ، یار بیلی تھا، نہ کوئی بدرقہ، نہ آزوقہ،
ہاتھ میں ہاتھ تھام رکھے تھے پر قدم ڈگمگائے جاتے تھے،
یوں نکل کر چلے وہ آہستہ سرزمینِ عدن سے بے چارے
اور سنسان راہ لی اپنی!

○

تراجم و تصانیف

□☆□

DIVINE COMEDY - DANTE (Complete)

ضربیہ _ کربیہ _ طربیہ

.....

ILIAD _ HOMER _ (SIX SECTIONS)

آشوبیہ

(Free - Verse منظوم معریٰ)

□☆□

TRAGIC LIFE OF DR. FAUSTUS

(Rhymed مقفّٰی) ___ (Christopher Marlowe)

المیہ حکیم فسطاس

گیتا نجلی ___ ٹیگور ___ راگ کی آگ

□☆□

طبع زاد رزمیہ : قلم کا قرض

منظوم سفرنامہ : یاد آتی ہے راہی کو

□☆□

نظمیں، غزلیں گیت ___ جلترنگ، کوئے بتاں

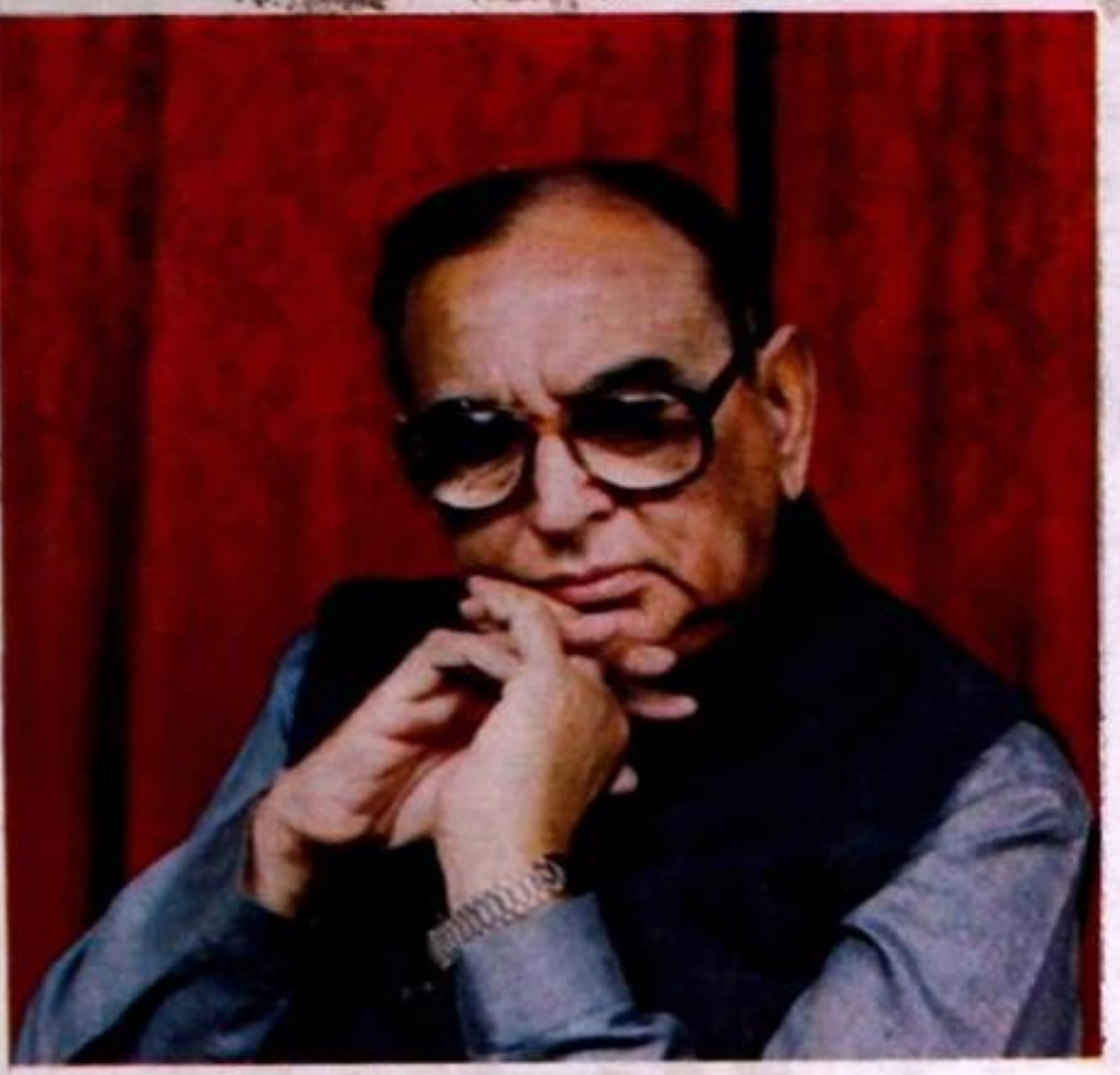
کوئے مغاں، ذوق خامہ، شیشۂ ساعت، خلد خیال

□☆□

رفاقتوں رقابتوں کی کہانی ۱۹۸۸ - ۱۹۲۸ (نثر)

کہتا ہوں سچ

☆☆



Paradiſe loſt.

A

POEM

Written in

TEN BOOKS

By *JOHN MILTON.*

Licenſed and Entred according to Order.

LONDON
Printed, and are to be ſold by *Peter Parker* under *Creed* Church neer *Aldgate*; And by *Robert Boulter* at the *Turks Head* in *Biſhopsgate-ſtreet*; And *Matthias Walker*, under St. *Dunſtans* Church in *Fleet-ſtreet*. 1667.

FACSIMILE COPY OF THE ORIGINAL.